ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

تاثرات
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

ناشر:

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون 34965877

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

"اسلامک فقہ اکیڈمی ہند" ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے، جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں"۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دار العلوم کراچی

"مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا"۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی ذات سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ اور ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک لگن جو پورے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور اہل علم و فضل کے بعض حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہوا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس ادارے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"لو جاءنا امر ليس فيه امر ولا نهي فما تأمرنا فيه"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا معاملہ آ جائے، ایسا قضیہ سامنے آ جائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه رأي خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتوی کی بنیاد پر، انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو۔ یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا جائے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ فقہ کی اور بصیرت رکھنے والے ہوں اور دین کی گہری سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح سمجھا کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگا دی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اسی علم کو اپنی زندگی کا معیار نہ بنایا ہو تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے کہ دین یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفے کے طور پر اس کو اپنا لے، اس کے علم بیان کر دے اور پھر بھی اس کا مظاہرہ کر لائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عملی طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

فہرست مضامین مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ

ابتدائیہ

فریضۂ زکوٰۃ شریعت اسلامی کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی سے فقراء مسلمین و مستحقین کو ان کا حق ملتا ہے اور معاشرہ سے فقر و غربت کو دور کرکے معاشی توازن بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اور زکوٰۃ دینے والے اللہ کے نزدیک اجر پاتے ہیں۔ مسئلۂ زکوٰۃ کی غیر معمولی اہمیت کا تقاضا تھا کہ قرآن و حدیث میں اس کی مکمل تفصیل ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ "انما الصدقات للفقراء الخ" نازل کرکے مصارف زکوٰۃ کو متعین کردیا، تاکہ جو لوگ شرعاً زکوٰۃ کے مستحق ہیں اپنا حق پالیں۔ اور کوئی ان کو حق سے محروم کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔ قرآن کی اس آیت میں زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف وضاحت بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک مصرف "فی سبیل اللہ" ہے۔ یہ عام لفظ ہے جس کے معنی کی تعیین میں علماء اسلام سے کئی اقوال منقول ہیں۔ اور چونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ایک مستحق کو محروم کرنے اور غیر مستحق کو دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی و عدم ادائیگی کا سخت اضطراب پیدا ہوتا ہے اس لیے ضرورت تھی کہ اس ابہام کی وضاحت اور اجمال کی پوری تفصیل کردی جائے۔

اسی لیے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اس مسئلہ پر اور زکوٰۃ کے دیگر مسائل پر اپنا پانچواں فقہی سیمینار جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ یوپی میں ۳۰ر اکتوبر تا ۲ر نومبر ۱۹۹۲ء منعقد کیا۔ جس میں علماء و فقہاء نے اس موضوع پر جو مقالات پیش کیے اور بحث کی ان میں فی سبیل اللہ کے تمام گوشوں پر مکمل بات ہے۔

مقالات کے ساتھ سیمینار میں اس موضوع پر جو دو مباحث ہوئے وہ بھی بہت قیمتی ہیں۔ یہ جلد فی سبیل اللہ کے تمام مقالات اور مباحث کا مجموعہ ہے۔ مقالات میں علماء نے اپنی اپنی جو انفرادی رائے ظاہر کی ہے وہ اکیڈمی کی رائے نہیں بلکہ مباحث کے بعد جو نتیجہ سامنے آیا اور جو تجویز مرتب ہوئی وہ اکیڈمی کا اس بارے میں فیصلہ ہے جو اس مجموعہ کے آخر میں شامل ہے۔ زکوٰۃ کے دیگر مسائل پر مقالات کا مجموعہ انشاء اللہ دوسری جلد میں پیش کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے مقبول و نافع بنائے۔

مرتب

خطبۂ استقبالیہ

از ــــــــ جناب ابو صالح، صدر شبلی کالج، اعظم گڑھ

محترم علمائے کرام و معزز مہمانانِ گرامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس عظیم علمی و دینی اجتماع کے موقع پر جو ایک انتہائی بلند مقصد کے لیے اس شہر میں منعقد ہو رہا ہے اور جس میں شرکت فرما کر آپ نے ہم سب کو اعزاز بخشا ہے اس کے لیے میں اعظم گڑھ مسلم ایجوکیشن سوسائٹی اور شبلی نیشنل کالج کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے سوسائٹی اور کالج کی انتظامیہ اور اسٹاف وطلبہ کی جانب سے نیز بحیثیت رکن کمیٹی استقبالیہ آپ کی تشریف آوری کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ بلاشبہ آپ نے اعظم گڑھ میں اپنے ورود مسعود سے ہمیں اپنی روایات کو تازہ کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ آپ واقف ہیں کہ اس سرزمین کو علامہ شبلیؒ جیسے بلند مرتبت اور معتبر سیرت نگار، برصغیر میں تاریخ اسلام کے معلم اول اور اردو زبان کے بے مثل ادیب و نقاد کے مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اسی خاک سے علامہ حمید الدین فراہی جیسا یگانۂ روزگار مفسر قرآن، دینی علوم کا واقف اسرار اور صحف سماوی کا دانائے راز پیدا ہوا، جس کی جامع کمالات شخصیت کو علامہ سید سلیمان ندوی نے عصر حاضر کا معجزہ کہا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ علامہ شبلی مشرقی و مغربی علوم کے امتزاج اور اجتماعیت کے سب سے بڑے علمبردار تھے، ان کا مقصد مسلمانوں میں ایسے فضلاء تیار کرنا تھا جو اپنے اسلاف کی شاندار

روایات کے امین و پاسبان بھی ہوں اور عصری علوم سے بہرہ ور بھی۔ اسی کے پیش نظر انھوں نے ایک طرف جدید تعلیم کا اسکول قائم کیا جو اس وقت مشرقی ہندوستان میں اعلیٰ جدید تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ ہے اور دوسری طرف یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر ایک دینی مدرسہ کو اپنے فکر کا محور بنایا جہاں تمام دینی علوم کی تعلیم قرآن مجید کی روشنی میں دی جاتی ہے اور ان دونوں کے مرکز جامع کی حیثیت سے دار المصنفین جیسے علمی و تحقیقی ادارے کی بنیاد رکھی اور ان تینوں کے مجموعہ کو انھوں نے "جامعہ اسلامیہ" کا نام دیا جو غیر منقسم ہندوستان میں پہلی بار اس مفہوم میں استعمال ہوا۔ یہ اسی کا فیض اثر ہے کہ بعد میں کئی ادارے اسی نام سے وجود میں آئے جن میں سے ایک جامعۃ الرشاد بھی ہے۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ آپ حضرات نے بھی علمی تبادلہ خیال کے لیے اس ادارہ کو منتخب کیا جو دبستان شبلی کے ایک فرد کا قائم کردہ ہے اور اس شہر میں آپ کا قافلہ اترا جو اس صدی کے غزالی و ابن تیمیہ کا مستقر ہے۔ شبلی و فراہی کا شہر۔

حضرات علماء کرام! آج آپ جس موقع پر یہاں جمع ہوئے ہیں وہ اس لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ اس وقت اسلام کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے وہ اپنی نوعیت، ہیئت اور دور رس اثرات کی وجہ سے گذشتہ چیلنجوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہیں۔ آج کا چیلنج تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہلاکت خیز اور حروب صلیبیہ سے زیادہ مضرت رساں ہے۔ اس وقت اسلام کو اپنے معاندین پر علمی و فکری برتری حاصل تھی جو آج نہیں ہے۔ اس وقت اسلام داخلی سطح پر مضبوط و مستحکم تھا جبکہ آج معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آج ہماری تہذیب، ہمارے علم و فکر اور عقیدہ و مذہب، سب پر چہار طرف سے یلغار ہے۔ مغرب نے اور اقوام دیگر نے ہمارے سامنے اپنے بہترین وسائل کارکردگی اور غضب کی حکمت عملی استعمال میں پیش کی ہے اور نت نئے مسائل پہاڑ کی طرح ہمارے سامنے کھڑے کر دیے ہیں۔ اس وقت امت اسلامیہ کو امام ابو حنیفہؒ کی جودت، امام شافعیؒ کی جلالت، امام مالکؒ کی جرأت اور امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت درکار ہے۔ آج جس دور سے ہم گذر رہے ہیں، اس میں امام غزالیؒ کا علم، ابن حزم کی بزرگی اور ابن تیمیہ کے علم و کردار کی صلابت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی علمی و فکری و روحانی قیادت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سب کی نگاہیں آپ کی طرف ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملت مصطفوی ہمیشہ پیش نظر رہی

رہے گا، اور آپ اسے بجھنے نہیں دیں گے۔

یہ فقہی کانفرنس اور اس طرح کے ملی اجتماعات جو پیش آمدہ مسائل پر غور کرنے کے لیے منعقد ہوتے رہتے ہیں، اس لحاظ سے مبارک ہیں کہ ان سے ملت کو بیدار رکھنے اور مسلمانوں کو حالات و مسائل سے واقف کراتے رہنے اور ان کی فکر کو صحیح سمت اور رخ دینے اور ان کے حوصلوں کو مہمیز کرتے رہنے کا کام آپ کے ذریعہ انجام پاتا رہتا ہے۔ اس سلسلہ کو جاری رکھنے اور زیادہ بامعنی و بامقصد بنانے کی سبیل ظاہر ہے ہمیشہ آپ کے سامنے رہتی ہوگی، اس فقہی کانفرنس کی مناسبت سے اور قانون کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اگر اسے میری جسارت بے جا پر محمول نہ کیا جائے کہ اسلامی قانون کی تدوین نو کا کام اور عصر حاضر کی زبان میں اسے پیش کرنے کا کام، اسلامی قانون کو مطابق فطرت ثابت کرنے کا کام اور جدید قوانین کے مقابلہ میں اس کے زیادہ انسانی، زیادہ منصفانہ اور زیادہ موجب خیر و سعادت ہونے کی حیثیت سے اس کے تفوق و برتری کے اثبات کا کام، مجھے معاف کیا جائے اگر میں حد سے تجاوز کر رہا ہوں کہ ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ مجھے امید ہے یہ کانفرنس جن مقاصد کے پیش نظر منعقد کی گئی ہے وہ بطریق احسن پورے ہوں گے اور یہ صحیح معنوں میں نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔

آخر میں ایک بار پھر میں آپ تمام علماء کرام اور مہمانان عظام کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث خیر و برکت ہے اور ہم دست بہ دعا ہیں کہ آپ ہمیشہ قوم و ملت کے لیے سرمایۂ افتخار بنے رہیں (آمین)۔

از : مولانا نذیر احمد نعمانی ، امیر مجلس تعمیر ملک وملت ، مئو ناتھ بھنجن

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ، اما بعد !

صدر محترم ومعزز علماء کرام !

ابھی ابھی آپ نے مجلس استقبالیہ کے صدر محترم کا خطبۂ صدارت سماعت فرمایا ہے، اس میں اظہارِ تشکر کے ساتھ وہ تمام ضروری باتیں آگئی ہیں جن کا گوش گزار کرنا مجلس استقبالیہ کا فرض بنتا ہے، مگر جناب محترم مولانا حبیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ العالی کا حکم ہے کہ اظہار تشکر کے لیے چند سطریں ضلع مئو کی طرف سے بھی پیش کی جائیں۔

محترم حضرات ! چند سال قبل مئو ناتھ بھنجن بھی ضلع اعظم گڑھ میں شامل تھا مگر دنیاوی قانون کی رُو سے علیحدہ ضلع ہوگیا ہے، بین الاقوامی قوانین کے تحت ملکی وعلاقائی تقسیم ہوا کرتی ہے، مگر ہمارا دینی وروحانی رشتہ خدائی قانون کے تحت ہے جو اس قدر مضبوط وپائدار ہے کہ دنیاوی قانون اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتے اور نہ ہی ہمیں ایک دوسرے سے کبھی جدا کرسکتے ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس دینی رشتہ کو مضبوط بنانے میں محترم مولانا حبیب اللہ ندوی مدظلہ کی ذات گرامی کا اہم کردار رہا ہے، جس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ہم شکر گزار ہیں اور دست بہ دعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی میں ہمیں چلنے کی توفیق دے (آمین)

ہمارے علماء واسلاف نے دین وملت کی ہمیشہ پاسبانی کی ہے، جب کبھی ملت اور اس کے افراد

کسی آزمائش و پریشانی میں مبتلا ہوئے تو علما نے جانی و مالی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ آج ملک کو جن سنگین مسائل کا سامنا ہے ان کی اہمیت سے ہر شخص پوری طرح واقف ہے۔ ایسے اہم وقت میں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہ نے ان اہم مسائل پر غور و فکر کرنے کے لیے علماء کرام کو ایک جگہ جمع کر کے دور حاضر کے پیچیدہ مسائل پر غور کرنے اور ان کا حل ڈھونڈنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ ان کا یہ عظیم کارنامہ ہے اور احسان ہے۔ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ نئے عزم و ارادہ کے ساتھ دین و ملت کی پاسبانی کریں۔ اسلامی فقہ اکیڈمی علمی و فقہی محاذ پر کام کر رہی ہے۔ دوسرے محاذوں پر بھی اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

معزز مہمانان کرام! عام طور پر مدرسے کے ذمہ دار حضرات اہم اجتماعی، دینی و ملی کاموں میں دور و نزدیک سے خود تو شریک ہو جاتے ہیں مگر اپنے ادارہ کو بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے دور رکھتے ہیں کہ فرقہ پرستی یا جماعت پرستی کا دھبہ ان پر نہ لگ جائے، گرچہ مسند ارشاد و مدرسی مصلحتوں اور فرقہ پرستی کے الزام سے بے پرواہ ہو کر دینی و ملی کاموں میں جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتا جس کی وجہ سے اسے بہت سی آزمائشوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے مگر اس کے ذمہ داران اسلامی حمیت کے خلاف سمجھتے ہیں کہ ملت کے مسائل میں ہم گونگے و بہرے بن کر صرف مدرسے چلاتے رہیں۔

محترم علماء کرام و مفتیان عظام! ہم صمیم قلب سے آپ کے مشکور ہیں کہ آپ نے اپنے اہم مشاغل سے وقت نکال کر سفر کی زحمت برداشت کی اور سیمینار میں شریک ہوئے۔ تشکر کے ان دلی جذبات کے اظہار کے وقت یہ خیال بار بار آرہا ہے کہ کہیں اس جذبہ کا اظہار رسم ادا ہو اس لیے کہ جس خاص دینی و ملی مقصد کے لیے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں وہ ہم سب کا مشترکہ مقصد ہے ایسی صورت میں ہم سب کو مل کر خدائے بزرگ و برتر کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں اس کام کی توفیق عطا فرمائی کہ ہم بحیثیت فرد و اجتماع کی حیثیت سے اس میں شریک ہوئے اس لیے کہ اس کی توفیق کے بغیر کسی کار خیر کی طرف ہم ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔

محترم حضرات! مئو ناتھ بھنجن اور اس کے اطراف کے قصبات اپنے دینی و ملی خدمات، دینی مدارس اور علماء و حفاظ کی کثرت کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی چند ماہ پہلے محدث کبیر ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی کا انتقال ہوا ہے جن کی عظمت و شہرت

سے نہ صرف پورا ملک بلکہ سارے اسلامی ممالک کے اہل علم واقف ہیں انھوں نے تنہا حدیث نبوی کی جو خدمت انجام دی ہے وہ پورے کے پورے ادارے بسا اوقات انجام نہیں دے پاتے اور اس سے پہلے بے شمار علماء اس سرزمین پر پیدا ہو چکے ہیں اور اس وقت بھی ہندوستان کا مشکل سے کوئی ایسا مدرسہ ہوگا جس میں اس دیار کے علماء بحیثیت مدرسین یا شیخ الحدیث یا مفتی یا ناظم موجود نہ ہوں۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب مئو ہی کے رہنے والے ہیں انھوں نے دراسات الحدیث پر جو کام کیا ہے اس پر ان کو فیصل ایوارڈ مل چکا ہے اور حدیث نبوی کو کمپیوٹرائز کرنے کی جو سعی وہ کر رہے ہیں اس پر سارا عالم اسلام ان کو خراج تحسین پیش کر رہا ہے۔

محترم حضرات! ضلع اعظم گڑھ کے بھی بعض لوگ زیادہ تر زراعت سے منسلک رہے یا پھر ان کی آمد ملک سے باہر ملیشیا، سنگاپور اور ادھر چند سالوں سے عرب ملکوں سے ان کا معاشی رشتہ استوار ہوا ہے اور تجارت کی طرف میلان بڑھا ہے، مگر مئو اور اس کے اطراف کا ذریعہ معاش ہمیشہ سے دست کاری اور تجارت رہا ہے جو آج تک باقی ہے۔ اسی کی برکت ہے کہ ملی حیثیت سے یہاں کے مسلمانوں کا رجحان دین کی طرف رہا ہے اور دینی و ملی کاموں میں پیسہ خرچ کرنا ان کا مزاج رہا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں کے چند قصبات کوپاگنج، پورہ معروف، خیرآباد، محمدآباد، گھوسی وغیرہ میں ڈیڑھ درجن سے زیادہ چھوٹے بڑے مدارس ہیں اور سیکڑوں کی تعداد میں گاؤں گاؤں مکاتیب ہیں اس طرح بچیوں کی کئی علیحدہ دینی درسگاہیں چل رہی ہیں اور کئی جدید علم کی درسگاہیں بھی ان کے زیر اہتمام چل رہی ہیں۔ مگر آزادی کے بعد کمیونزم کے اثرات اور سیکولر مزاج سیاسی رجحان کی وجہ سے ادھر بیچ میں کچھ کمی ضرور آئی ہے مگر اب بھی عوام و خواص کی اکثریت کا رخ دین ہی کی طرف ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں صحیح رخ سے جو بھی دینی ملی کوششیں ہو رہی ہیں یا جو بھی ملی تحریک اٹھتی ہے یا جو کام پہلے سے ہو رہا ہے ان سب میں اس دیار اور خاص طور پر اہل مئو بڑے جوش و خروش سے حصہ لیتے رہے اور آج بھی لے رہے ہیں۔

محترم حضرات! اس سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے ایک بار پھر صمیم قلب سے آپ حضرات کی تشریف آوری پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں باشندگان ضلع مئو کی طرف سے ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس سیمینار کو کامیاب بنائے اور اسے ملت اسلامیہ کے لیے مفید اور کارآمد بنائے۔ (آمین)

عرضِ داعی

از ــــــ مولانا مجیب اللّٰہ ندوی، ناظم اعلیٰ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

الحمد للّٰہ الذی کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد!

صدر محترم! علماء کرام اور حاضرین مجلس!

ابھی ابھی آپ حضرات نے برادرم ابوصالح صاحب سے خطبۂ صدارت اور مولانا نذیر احمد صاحب سے ضلع مئو کی طرف سے جذبات تشکر اور خیر مقدم کی تحریریں سن رہے تھے۔ ان دونوں حضرات نے مہمانوں کے خیر مقدم اور شکریہ کا وہ فرض بڑی حد تک انجام دے دیا جو میزبانوں کی طرف سے ضروری ہوتا ہے، مگر ادارہ کے ایک خادم کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں بھی صمیم قلب سے تشکر کے جذبات کا اظہار کروں۔

محترم حاضرین مجلس! سب سے پہلے اس خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں تشکر کا اظہار کرتا ہوں جس نے ہم کو اپنے فضل و کرم سے دین اور مسلم دین کو اس دنیا میں قابل قبول بنانے کی جدوجہد میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی، اس کے بعد میں تمام شرکاء سیمینار سے اپنے دلی جذبات امتنان و سپاس کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو تفقہ فی الدین کی اس اجتماعی جدوجہد میں شامل ہونے کے لیے دور دراز سے زحمت سفر اٹھا کر تشریف لائے ہیں خاص طور پر ان مہمانوں کے ہم اور زیادہ شکر گزار ہیں جو ملک کے باہر سے طویل سفر برداشت کرکے محض اپنے دینی جذبہ کی بنا پر ایک چھوٹی سی جگہ پر تفقہ فی الدین کی اس جدوجہد میں شریک ہونے کے لیے تشریف لائے جس سے ہم کو نہ صرف

انتہائی مسرت ہوئی بلکہ اس سے اس دینی وعلمی کام میں تقویت ملی ہے۔

محترم حضرات! سرزمین اعظم گڑھ کو اللہ تعالیٰ نے جو دینی و علمی فضیلت بخشی ہے اس کا ذکر آپ حضرات اس سے پہلے کے دونوں خطبوں میں سماعت فرما چکے ہیں، اس لیے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے مگر چند علمی کاموں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اسی سرزمین کے ایک گوشے میں بیٹھ کر علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ النبی جیسی لازوال کتاب لکھنی شروع کی جس کی تکمیل ان کے عزیز شاگرد علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی، اس موضوع پر دنیا کی کسی زبان میں شاید اتنی محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی، اسی سرزمین پر مولانا حمید الدین فراہیؒ نے قرآن پاک پر غور و فکر کے نہ جانے کتنے گوشے اہل علم کے لیے کھول دیے۔ اسی کے ایک قصبہ میں بیٹھ کر مولانا عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے تحفۃ الاحوذی جیسی ترمذی کی شرح لکھی۔ اسی سرزمین کے ایک گوشے چڑیا کوٹ کے رہنے والے مولانا عنایت رسول رحمۃ اللہ علیہ نے بشریٰ جیسی کتاب لکھی جو اپنے موضوع پر حرف آخر ہے، اسی سرزمین پر اقبال سہیل جیسے شاعر اور علامۂ وقت پیدا ہوئے، آسائن نظریۂ اضافیت پر تنقید اسی سرزمین کے ایک عالم سر سلیمان مرحوم نے کی اسی سرزمین پر دار المصنفین جیسا عالمی شہرت یافتہ ادارہ قائم ہے۔ آج بھی بحمد اللہ یہ ضلع علم دین کا مرکز بنا ہوا ہے۔

غرضے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو عجیب تاثیر بخشی ہے۔ بقول علامہ اقبال سہیل ؎

"جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر تاباں ہوتا ہے"

اس تمہید کے بعد کچھ باتیں سمینار اور قابل احترام شرکاء سے متعلق بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں!

محترم حضرات! قرآن پاک نے غور و فکر کرنے کے لیے کئی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ علم، عقل، فکر، اولوا الالباب، تفقہ فی الدین اور رسوخ علم، علم و عقل اور فکر کے خطاب میں اہل ایمان اور غیر اہل ایمان دونوں شامل ہیں، مگر تفقہ فی الدین، رسوخ علم اور اولوا الالباب کا خطاب صرف اہل ایمان کے علماء اور خواص سے ہے، پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تفقہ فی الدین اور رسوخ علم اور اولوا الالباب محض نظری چیز نہیں ہے بلکہ اس سے عمل کے ظہور کا بھی رشتہ ہے، دوسرے الفاظ میں تفقہ فی الدین اور رسوخ علم مقرون بالعمل ہے۔ فقہ کی جو تعریف امام ابو حنیفہؒ نے کی ہے اس میں اسی جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام صاحبؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

" الفقه معرفة النفس مالها وما عليها "
اس میں معرفۃ نفس نظر میں ہے اور مالہا اور ما علیہا عمل ہے۔ اسی طرح سے "والراسخون فی العلم"
کے بارے میں چار اجلہ صحابہ حضرت انس، حضرت ابو امامہ، حضرت واثلہ بن الاسقع اور حضرت
ابو الدرداء رضی اللہ عنہم نبی امی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ الراسخون
فی العلم کا مرتبہ ان لوگوں کو ملتا ہے جن کے اندر یہ صفات ہوں:

"سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الراسخون في
العلم فقال من برت يمينه وصدق لسانه واستقام قلبه ومن
عف بطنه وفرجه فذالك من الراسخين"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ راسخین فی العلم کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا جو اپنی
قسم پوری کریں جو زبان کے سچے ہوں اور جن کے قلب میں استقامت ہو اور اپنے پیٹ اور
شرمگاہ کے پاکیزہ اور عفیف ہوں۔

تفقہ فی الدین اور رسوخ علم کی اس عظیم ذمہ داری کے لیے ہر وقت غور و تدبر کرنے اور
اس سے بڑھ کر فکر مند رہنے کی ضرورت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اسوہ ہمارے لیے شمع راہ ہے
وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اس کا بیشتر حصہ وہ درس و تدریس اور مطالعہ میں گزار دیتے اگر یہوں کی
باتوں میں کرتا اتار دیتے اور طشت میں پانی رکھ لیتے جب غنودگی آتی تو بدن پر چھڑک لیتے لوگوں نے
آپ سے کہا آپ اتنا کم کیوں سوتے ہیں اور اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں ان کے جواب میں
انھوں نے جو کچھ فرمایا سینہ و دل میں اتار لینے کے قابل ہے۔

"كيف انام وقد نامت عيون المسلمين توكلا علينا ويقولون اذا
وقع لنا امر رفعناه اليه فيكشفه لنا فاذا نمت ففقد تضيع
الدين "

میں کیسے سو سکتا ہوں جب عام مسلمان ہم پر اعتماد اور یہ خیال کر کے سو رہے ہیں کہ جب ہمارے

---

[1] درمنثور

سامنے کوئی سوال آیا یا نیا مسئلہ پیش آئے گا تو آپ کے پاس سے جائیں گے وہ اسے واضح کریں گے تو اگر میں سو جاؤں تو اس سے دین ضائع ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے تمام دروازے ان کے لیے وا کر دیے تھے، اجتہاد و استنباط میں ان کا طریقہ یہ تھا:

"رأيت محمدا يذهب الى الصباغين ويسأل عن معاملاتهم وما يديرونها فيما بينهم"

میں نے امام محمدؒ کو دیکھا کہ وہ رنگ ریزوں کے پاس چلے جاتے اور ان سے پوچھ کر ان کے معاملات میں جو جو کچھ تبدیلی پیدا کرتے رہتے تھے اس کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔

محترم حضرات! اہل علم اور خاص طور پر نوجوان علماء سے یہ بات بھی عرض کرنی ضروری ہے کہ وہ درس و تدریس کی مجلس میں ہوں یا افتاء و قضاء کے منصب پر فائز ہوں ان کو اپنے سامنے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ حرزِ جان بنائے رکھنے کی ضرورت ہے "لا ادری نصف العلم" اس لا ادری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کرتے رہنا چاہیے جو رب ذو الجلال والاکرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی: "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا"

اہل علم بزرگو اور دوستو! ایک بات اور عرض کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے علمی و تحقیقی کاموں میں پورے انہماک کے ساتھ لگے رہنے کے ساتھ اجتماعی و ملی مسائل سے بے خبر نہ رہنا چاہیے۔ یوں تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ دشمنان اسلام کی طرف سے سازشیں ہوتی رہی ہیں مگر خاص طور پر اس وقت جو سازشیں ہو رہی ہیں ان کے سلسلے میں ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم ان سے آنکھیں بند نہ رکھیں بلکہ پورے طور پر باخبر رہیں۔ اس وقت خاص طور پر روس کی سیاسی شکست اور ہند و اسرائیل کے تعلقات کے بعد ملک کی صورت حال میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ اب دنیا کا سیاسی، فوجی و اقتصادی توازن پورا کا پورا یہودیوں کے قبضے میں ہے، اس سے ہم نہ صرف باخبر رہنا چاہیے بلکہ اس کے مقابلے کے لیے ہمیں ایک متحدہ فکری و عملی تیاری کی شدید ضرورت ہے، یہی ہمارے نبی کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے اور یہی ہمارے بزرگوں کی روش رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سراپا آئینہ تھے ان کا بنیادی کام حالات کی نگاہ بانی بھی رہا

تھا، اس ضمن میں کبھی کبھی مڈبھیڑ کی نوبت آجایا کرتی تھی۔

محترم حضرات! اب چند باتیں سمینار سے متعلق بھی عرض کردینا چاہتا ہوں، اس سے پہلے بھی اور اس سمینار کے موقع پر بھی ہندوستان کے بعض ممتاز علماء نے راقم الحروف کو خط لکھا ہے کہ آپ لوگ اس کے ذریعہ آزادی رائے کو فروغ دے رہے ہیں۔ میں نے دو ماہ پہلے الرشاد میں "فقہی سمینار کیوں؟" کے عنوان کے تحت چند باتیں عرض کی تھیں، میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ لوگوں کے سامنے دہرادوں، ممکن ہے کہ اس سے ہمارے بعض بزرگوں کے دل میں جو خلجان ہے وہ رفع ہوجائے۔

ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں ادھر دس پندرہ سال سے جو فقہی سمیناروں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، اس کے پیچھے کچھ شرعی مقاصد اور دینی وعلمی فوائد ہیں جن کو بروئے کار لانے کے لیے یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے مگر بعض افراد ان کی افادیت کے سلسلہ میں کچھ شکوک کا اظہار کرتے ہیں یا اس کو مفید کام نہیں سمجھتے اس لیے اس کی وضاحت کے لیے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کے جواب کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ انفرادی طور پر کوئی مفتی اس کا جواب دے جیسا کہ عام طور پر شخصی معاملات میں ایسا ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کی ایک پوری جماعت غور کرکے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ انفرادی اور شخصی معاملات میں انفرادی فتویٰ ہمیشہ دیا جاتا رہا ہے اور دیا جاتا رہے گا، مگر ایسے قدیم مسائل جن کی نئی نئی متنوع اور مختلف صورتیں پیدا ہوگئی ہوں یا وہ جدید معاشرتی اور اقتصادی مسائل جن کی حیثیت اجتماعی ہو اور اس کا اثر پوری ملت پر پڑ رہا ہو یا پڑنے کا اندیشہ ہو یا پوری ملت اس میں مبتلا ہو تو ایسے مسائل میں سب سے بہتر صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں اہل علم اجتماعی طور پر بحث ومباحثہ اور غور وفکر کرکے اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا کوئی شرعی حکم لگائیں۔ عام طور پر عہد صحابہ میں یہی طریقہ رائج تھا۔ کلالہ کے مسئلہ میں دادا کی وراثت کے مسئلہ میں اور سواد عراق کی زمینوں کے مسئلہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا اور یہی طریقہ امام ابوحنیفہؒ اپنی مجلس درس میں اختیار فرماتے تھے۔

کسی نئے مسئلہ میں انفرادی فتوے کے مقابلہ میں کوئی اجتماعی فتویٰ بہر صورت ملت کے

افراد کے لیے زیادہ قابل اعتماد ہوتا ہے کیوں کہ انفرادی فتویٰ میں بسا اوقات دو متضاد فتویٰ سامنے آجاتے ہیں اس کی مثالیں روزانہ سامنے آتی ہیں، اجتماعی فتووں میں یہ صورت نہیں پیدا ہو پاتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کی حیثیت عزیمت یا رخصت کی ہوتی ہے بس یہی صورت اس وقت ان سمیناروں میں اختیار کی جارہی ہے اور یہی اس کا بنیادی مقصد ہے مثلاً سود کی حرمت ایک متفق علیہ حکم ہے مگر ایک صدی کے اندر اس کے لینے دینے کی بے شمار نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اسی طرح بہت سے بالکل نئے مسائل پیدا ہوگئے ہیں اب آپ بتائیے کہ ان کے بارے میں پہلی صورت اختیار کرنی بہتر ہے یا دوسری اس سلسلہ میں انفرادی فتووں کی اہمیت زیادہ ہے یا اجتماعی رائے کی۔ اس بنیادی مقصد کے ساتھ کچھ اور مقاصد و فوائد بھی ہیں جو اس بنیادی مقصد کو تقویت دینے کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔

(۱) آج سے تیس چالیس برس پہلے دینی تعلیم میں جو اساتذہ اور طلبہ لگتے تھے وہ بالکل یکسو ہو کر پڑھاتے تھے اور طلبہ یکسو ہو کر پڑھتے تھے ان کے لیے زندگی کا محبوب ترین مشغلہ تعلیم و تعلم تھا اسی لیے ان کی علمی استعداد ٹھوس ہوتی تھی اور ان میں علم دین کا ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا مگر اب عام طور پر یہ صورت حال ہوگئی ہے کہ نہ تو طلبہ یکسو ہو کر پڑھتے ہیں اور نہ اساتذہ یکسو ہو کر پڑھاتے ہیں، بلکہ بہت سے مشاغل کے ساتھ یہ بھی ایک مشغلہ ہوتا ہے اس لیے طلبہ میں وہ علمی شغف پیدا نہیں ہو پاتا جو مطلوب ہے۔ ان سمیناروں کے ذریعہ یہ کوشش کی جارہی ہے کہ مسائل کے حل کے ساتھ عام علماء اور خاص طور پر باصلاحیت نوجوان علماء کے اندر علمی و تحقیقی ذوق اور اخذ مسائل کا ملکہ پیدا ہو اور انفرادی علمی کمیاں اس اجتماعی علمی کوشش کے ذریعہ دور ہو سکیں اور بحمد اللہ اس کے اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں۔

(۲) نئے معاشرتی اور اقتصادی مسائل ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں مگر اس وقت مغربی تہذیب کے اثر سے اتنے پیچیدہ اور تہ در تہ معاشرتی اور اقتصادی مسائل پیدا ہوگئے ہیں، اور ہوتے جارہے ہیں کہ ان پر کوئی شرعی حکم لگانے کے لیے محض فقہی جزئیات پر نظر رکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ مقاصد شریعت، اصول شریعت اور اصول فقہ پر بھی گہری نظر ہونی چاہیے اور ساتھ ہی ائمہ اربعہ کے مجتہدات پر بھی کسی حد تک نگاہ ہونی ضروری ہے، تاکہ ان میں وسعت نظر کے ساتھ استنباط مسائل کی صلاحیت یعنی صحیح معنوں میں تفقہ فی الدین

پیدا ہو جو قرآن و سنت میں مطلوب ہے ان سمیناروں کے ذریعہ ان کے اندر مسائل پر اسی وسعت نظری کے ساتھ غور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ ان سمیناروں میں کسی مسئلہ پر غور کرتے وقت تمام مذکورہ بالا پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے۔

(۳) ان سمیناروں کے ذریعہ جو فیصلے ہوتے ہیں ان سے شریعت اسلامی کی دوامی حیثیت کا اظہار بھی ہوتا ہے اسی وجہ سے اب یہ آواز قدرے دب گئی ہے کہ شریعت اسلامی موجودہ دور کے پیچیدہ مسائل کا ساتھ نہیں دے سکتی خاص طور پر پاکستان اور بعض دوسرے اسلامی ملکوں میں چند سال پہلے آزاد خیال مسلمانوں کی طرف سے یہ آواز بہت بلند آہنگی سے لگ رہی تھی، مگر بحمد اللہ اب یہ آواز بہت دھیمی پڑ گئی ہے۔

(۴) ان کے ذریعے سیکولر قوانین کے مقابلہ میں اسلامی قانون کی اہمیت نہ صرف عام مسلمان اہل علم کے دلوں میں بڑھی ہے بلکہ خود ہمارے ملک کے اور دوسرے غیر مسلم ممالک کے ماہرین قانون بھی اس کی اہمیت تسلیم کرنے لگے ہیں، مصطفی زرقا نے المدخل الفقہی العام کے مقدمہ میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔

(۵) ان سمیناروں کے ذریعہ عام مسلمانوں میں بھی شریعت اسلامی پر اعتماد بڑھا ہے اب وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی مجلسوں میں شریعت اسلامی کی برتری کا اظہار کرنے لگے ہیں۔

ان مقاصد و فوائد کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو شاید ان کی مقصدیت اور افادیت کے بارے میں ان شاء اللہ کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہے گی۔

خطبہ افتتاحیہ

از ——————— مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر و احسان ہے کہ مجمع الفقہ الاسلامی الہند کا پانچواں سیمینار ضلع اعظم گڑھ کے صدر مقام شہر اعظم گڑھ میں ہو رہا ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے جونپور آباد کیا اور دیار پورب علوم و فنون کا گلشن صدا بہار بن گیا۔ سلاطین شرقیہ کے دور میں یہ پورا علاقہ علمی و روحانی قندیلوں اور ممتاز علمی و اصلاحی خانوادوں سے معمور ہو گیا۔ اس کے بعد ہر دور میں اس علاقہ نے نہ صرف اپنی تابانی رکھی بلکہ علوم و فنون، تزکیہ و اصلاح کے ہر میدان میں تیز رفتار ترقی کرتا رہا۔ تیموری سلاطین کے دور میں بھی دیار پورب کے ہر ہر چپہ پر علمی اور اصلاحی مجلسیں گرم رہیں۔ یہاں کا ہر قصبہ و قریہ علم و حکمت کا مرکز بن گیا۔ دیار پورب کی علمی رونق اور علماء، فضلاء، صوفیاء کی کثرت دیکھ کر مغل بادشاہ شاہجہاں پکار اٹھا:

"مملکت پورب شیراز ما است"

اس شیراز ہند کا اہم ترین حصہ اور خطہ اعظم گڑھ ہے جس کے صدر مقام شہر اعظم گڑھ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ پانچواں سیمینار منعقد ہو رہا ہے۔

دیار پورب کے اس مردم خیز خطہ اعظم گڑھ میں ہر علم و فن اور زندگی کے ہر میدان کی قد آور شخصیتیں پیدا ہوئیں، اس مردم خیز خطے کے تمام اعیان و مشاہیر کے اجمالی تذکرے کے لیے بھی بہت وقت اور فرصت چاہیے، اگر ہم صرف یہاں کے چودھویں صدی کے مشاہیر پر نظر ڈالتے ہیں تو علامہ فاروق چریاکوٹی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری محدث، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری، مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری، مولانا ابو اللیث صاحب

ندوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا جلیل احسن ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی، استاذ القراء مولانا ریاست علی صاحب جیسی بلند قامت شخصیتیں نظر آتی ہیں۔

خطۂ اعظم گڑھ مدارس دینیہ کا بھی اہم مرکز ہے اس کے تمام قصبوں میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم ہیں، مثلاً مدرسہ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن، مدرسہ مفتاح العلوم مئو، مدرسہ فیض عام مئو، مرقاۃ العلوم مئو، مدرسہ دارالحدیث مئو، جامعہ احیاء العلوم مبارک پور، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، جامعۃ الرشاد، جامعۃ الفلاح بلریا گنج۔

اعظم گڑھ ہی کی سرزمین پر دارالمصنفین قائم ہے جس کی تحقیقی خدمات نے نہ صرف اعظم گڑھ کی عزت وشہرت میں چار چاند لگایا ہے بلکہ پوری دنیا میں ہندوستان کا نام روشن کیا ہے۔ دارالمصنفین نے تحقیق وتنقید کا نیا، متوازن اور معتبر معیار قائم کیا، مختلف اسلامی موضوعات خصوصاً سیرت وتاریخ پر بے نظیر لٹریچر تیار کیا، دارالمصنفین ہی کے پاس شبلی کالج ہے جو علوم عصریہ کی مثالی تعلیم کے میدان میں اپنی شاندار تاریخ رکھتا ہے اور مسلم نوجوانوں کو عصری تعلیم سے لیس کرنے میں بڑا اہم رول ادا کر رہا ہے، دارالمصنفین اور شبلی کالج دونوں ادارے علامہ شبلی کے قائم کیے ہوئے ہیں اور مولانا مرحوم کی حوصلہ مندی اور دینی وملی فکر مندی کی زندہ یادگار ہیں۔

شخصیات، اداروں اور تحریکات سے مالا مال خطۂ اعظم گڑھ میں مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی) (انڈیا) کے پانچویں سیمینار کا انعقاد میرے لیے بے پناہ مسرت وسعادت کی بات ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمینار کے لیے یہ مناسب ترین جگہ تھی اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیاب، نتیجہ خیز اور بارآور بنائے۔

محترم حضرات وشرکاء اجلاس!

مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کا قیام چند سال پہلے ہوا، ایک ننھے پودے کی طرح اس اکیڈمی کا وجود ہوا، لیکن الحمد للہ چند ہی سالوں میں اکیڈمی نے تناور درخت کی شکل اختیار کرلی، اکابر علماء، اصحاب افتاء، اصحاب علم وتحقیق کی طرف سے اکیڈمی کو اعتماد وتعاون ملا، ہر مسلک ومکتب فکر کے معتمد اور صاحب ذوق علماء نے اکیڈمی کی آواز پر لبیک کہا، اسے ہر طرح کا تعاون دیا، جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے نئے مسائل کی تصویر وتنقیح میں علماء اور اصحاب افتاء کی بھرپور

مدرکی، اقتصادیات، بینکنگ، سیاسیات، سماجیات اور میڈیکل سائنس کے ماہرین نے اکیڈمی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا، مدارس دینیہ کے نوجوان اساتذہ اور ہونہار فضلاء نے نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ تحقیق و تصنیف کے میدان میں قدم رکھا اور اکیڈمی کے اٹھائے ہوئے سوالات پر بڑی عرق ریزی اور دیدہ وری کے ساتھ مضامین لکھے، امت کے ان مختلف طبقات اور متنوع صلاحیتوں کو مربوط کر کے اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنا اہم اور نازک سفر شروع کیا۔

مجمع الفقہ الاسلامی (اسلامک فقہ اکیڈمی) کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ موجودہ حالات کی معاشی، معاشرتی، سیاسی و صنعتی تبدیلیوں اور جدید ترقیات میں پیدا ہونے والی دشواریوں کا حل صحیح اسلامی خطوط کے مطابق قرآن و سنت، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔ الحمد للہ! اس مقصد کے سلسلہ میں اکیڈمی کی پیش رفت بہت نتیجہ خیز اور امید افزا رہی، اس سے پہلے چار سمیناروں میں فقہ اکیڈمی نے متعدد اہم اور پیچیدہ مسائل کے بارے میں فیصلے کیے الحمد للہ! ہند و بیرون ہند کے دینی، علمی اور تحقیقی حلقوں نے ان فیصلوں کو غیر معمولی اہمیت دی اور ان کا علمی وزن محسوس کیا، یہ پانچواں سمینار بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ انشاء اللہ اس سمینار میں زکوٰۃ سے تعلق رکھنے والے چند اہم مسائل پر غور و خوض ہوگا اور سمینار میں شریک ہونے والے مختلف دینی مدارس و مکاتب اور مختلف مسالک و مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء، اصحاب افتاء اور اہل علم و تحقیق بحث و مذاکرہ کے بعد ان مسائل کا متفقہ شرعی حل تلاش کریں گے۔

علماء امت و دانشوران ملت! اسلامک فقہ اکیڈمی کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ نئے باصلاحیت علماء کی صلاحیتوں کو علمی و تحقیقی رخ دیا جائے، ان کی حوصلہ افزائی کر کے علم و تحقیق کا ماحول بنایا جائے، مدارس عربیہ کے ذہین و باصلاحیت فضلاء کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ عصر حاضر کے نت نئے معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کو براہ راست سمجھ کر کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل تلاش کریں، جن مسائل کے بارے میں کتاب و سنت اور ذخیرۂ فقہ میں کوئی واضح اور متعین جواب نہ مل سکے، ان مسائل کو مقاصد شریعت، قواعد فقہ اور فقہ اسلامی کے ثانوی مصادر، استحسان، استصلاح، عرف وغیرہ کی روشنی میں حل کریں۔ بلاشبہ نوجوان علماء و فضلاء کی تربیت و ذہن سازی کا یہ کام بڑی طویل منصوبہ بندی اور جہد مسلسل چاہتا ہے۔ الحمد للہ! اکیڈمی نے اس سلسلہ میں کچھ

اقدامات کیے ہیں، ستمبر ۱۹۹۲ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیراہتمام مدارس عربیہ کے طلبہ کا اپنی نوعیت کا پہلا تربیتی کیمپ مدرسہ امداد العلوم قصبہ بسونڈہ ضلع غازی آباد میں منعقد ہوا، یہ کیمپ چار روز تک جاری رہا، مختلف عصری علوم کے ماہرین و متخصصین نے شرکاء کیمپ کو ان علوم سے روشناس کرایا اور ان علوم کی بنیادی معلومات پیش کیں، اس کے علاوہ اصحاب تحقیق علماء نے فقہ اسلامی سے تعلق رکھنے والے اصولی موضوعات پر محاضرات پیش کیے۔ بلاشبہ مدارس اسلامیہ کی تاریخ میں یہ ایک کامیاب تجربہ تھا، انشاء اللہ فقہ اکیڈمی اس تجربہ کی روشنی میں آئندہ مختلف مقامات پر اس طرح کے تربیتی کیمپوں کا انعقاد کرے گی تاکہ مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے لیے علوم عصریہ سے استفادہ کے مواقع فراہم ہوتے رہیں۔

فقہ اکیڈمی ایک اور اہم قدم اٹھانا چاہتی ہے، اکیڈمی نے اعلان کیا ہے کہ مدارس کے ذہین اور باصلاحیت فضلاء کے لیے تربیتی وظائف (اسکالرشپ) جاری کیے جائیں، چار چار وظائف تفسیر وحدیث کے لیے ہوں گے اور سات فقہ کے لیے، ان فضلاء کے لیے دو سالہ تربیتی کورس ہوگا۔ اصحاب تحقیق علماء کی نگرانی میں یہ فضلاء تفسیر، حدیث، فقہ کا عمیق اور وسیع مطالعہ کریں گے۔ انشاء اللہ شوال ۱۴۱۳ھ سے اس پروگرام کا آغاز کردیا جائے گا، اس پروگرام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہمارے ہونہار، باصلاحیت نوجوان فضلاء میں ان علوم کا تحقیقی ذوق پیدا ہو اور وہ اس قابل ہوسکیں کہ وہ کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے علوم ومعارف کو بحث وتحقیق کے بلند معیار پر عصر حاضر کے اسلوب میں پیش کریں اور ہماری علمی محفلوں میں جو سناٹا پھیلتا جارہا ہے اس کا ازالہ کرسکیں۔

پانچویں فقہی سمینار منعقدہ اعظم گڑھ کا افتتاح کرتے ہوئے میرا دل جذبات تشکر سے معمور ہے۔ آخر میں، میں حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس سمینار کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا اور ہم سب کو اعظم گڑھ جیسے مردم خیز شہر میں عصری مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے جمع ہونے کا موقع فراہم کیا۔ میری دعاء ہے کہ سابقہ سمیناروں کی طرح یہ پانچواں فقہی سمینار بھی نتیجہ خیز رہے اور ہم لوگ زیربحث مسائل میں اتفاق رائے سے ایسے فیصلے کرسکیں جن میں کتاب وسنت اور اصول شرع کی پابندی وپاسداری کے ساتھ موجودہ حالات اور پیچیدگیوں کا اطمینان بخش قابل عمل حل بھی موجود ہو۔

بسم اللہ

مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ

از: مولانا مجاهد الاسلام قاسمی، قاضی شریعت بہار و اڑیسہ

مصارف زکوٰۃ کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے کہ اس کا تعلق ایک فرض کی ادائیگی سے ہے، اگر زکوٰۃ ایسے لوگوں پر اور ایسے مصارف میں صرف کردی جائے جو الٰہی شریعت کے اعتبار سے "مصرف" نہ ہوں تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر مصارف کا صحیح تعین نہ ہوا اور وہ لوگ جو شرعاً مستحق ہیں ان کو مصرف زکوٰۃ سے خارج کردیا جائے تو یہ مستحقین کو ان کے حق سے محروم کردینا ہوگا، جسے ظلم کہا جائے گا، یہ بڑا فساد ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات کو خود قرآن کریم میں واضح فرمادیا اور ارشاد فرمایا

"انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله" (سورہ توبہ، آیت: ۶۰)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"فاحكم الله عزوجل فرض الزكوٰة في كتابه ثم أكدها فقال فريضة من الله وليس لاحد ان يقسمها على غير ما قسمه الله عزوجل ذلك ما كانت الاصناف موجودة"[1]

تقی الدین بن ابوبکر بن محمد حسینی شافعی نے لکھا ہے:

فان دفع زكوٰته لغير مستحقها لفقد الشروط المعتبرة لم تبرأ ذمته منها۔[2]

ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

ولا يجوز صرف الزكوٰة الى غير من ذكر الله تعالىٰ[3]

۱۔ کتاب الأم ۲/۱۹ ۲۔ كفاية الاختيار في حل غاية الاختصار ۲۰۴/۱ ۳۔ المغني ۲/۶۶۹

صاحب نیل المآرب نے لکھا ہے:

"اهل الزکوٰة ثمانیة اصناف لایجوز صرفها الی غیرهم من بناء المساجد والقناطر وسد الثغور وتکفین الموتی ووقف المصاحف وغیر ذلک من جهات الخیر[1]"

مرداوی کہتے ہیں:

لایجوز لغیر الاصناف الثمانیة الأخذ من الزکوٰة مطلقاً علی الصحیح من المذهب وعلیه جماهیر الاصحاب[2]

صاحب محلی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے بروایت صحیحہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا ـــــ "ضعوها مواضعها[3]"

اور سعید بن جبیر نے فرمایا:

"ضعها حیث أمرک اللہ[4]"

قرآن میں مذکورہ مصارف میں ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ فی سبیل اللہ کے ہر مصرف کے تعین میں علماء کی آراء میں اختلاف پیدا ہوا ہے اس وجہ سے ایسے مسئلے میں سخت اضطراب پیدا ہو رہا ہے جہاں مستحق کو محروم کرنے اور غیر مستحق پر زکوٰۃ صرف کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ آج علماء ان مختلف اقوال اور ان کے دلائل کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کے لیے راہ عمل طے کریں تاکہ فی سبیل اللہ کے ابہام کی وضاحت اور اس کے اجمال کی تفصیل پوری طرح متعین ہو جائے۔

فی سبیل اللہ کی وضاحت میں مختلف علماء کے اقوال

اگر ہم فقہ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے اقوال کو سمیٹیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سلسلے میں بعض علماء نے غیر معمولی توسع اختیار کیا ہے اور ہر عمل خیر پر مال زکوٰۃ صرف کرنا جائز قرار دیا ہے۔

---

[1] نیل المآرب ۱/۲۶۳ [2] الانصاف ۳/۲۱۸

[3] المحلی ۶/۱۴۵ [4] المحلی ۶/۱۴۵

بعضوں نے مسلمانوں کی مصالح عامہ کے ساتھ فی سبیل اللہ کو خاص کیا ہے، بعضوں نے اسے صرف جہاد فی سبیل اللہ تک محدود رکھا ہے۔

اب ہم ذیل میں ان تمام اقوال کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(۱) پہلا قول: فی سبیل اللہ کا لفظ تمام ہی قسم کے اعمال خیر اور قربت وطاعت پر حاوی ہے، یہ رائے امام رازی نے امام قفال سے نقل کرتے ہوئے بعض فقہاء کی طرف منسوب کی ہے، لیکن ان فقہاء کے نام نہیں بتائے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"واعلم ان ظاهر اللفظ فی قوله تعالیٰ وفی سبیل اللّٰه لایوجب القصر علی کل الغزاة فلهذا المعنی نقل القفال فی تفسیره عن بعض الفقهاء انهم أجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارة المساجد لان قوله فی سبیل اللّٰه عام فی الکل (تفسیر کبیر ۱۰/۱۱۳)

نواب صدیق حسن خاں نے الروضۃ الندیہ میں لکھا ہے کہ آیت مصارف زکوٰۃ میں مذکور لفظ فی سبیل اللہ کے معنی اللہ کا راستہ ہے اور جہاد اگرچہ اللہ تک پہنچانے والے راستوں میں اہم ترین راستہ ہے لیکن باب زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے حصے کو مجاہدین کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صرف کرنا ہر اس عمل پر جو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہو جائز ہوگا، آیت کا لغوی معنی یہی ہے اور لغوی معانی پر وقوف واجب ہے اس لیے کہ اس مقام پر شرع سے کوئی نقل صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خاں نے اپنے اسی رجحان کے مطابق تمام قربتوں میں زکوٰۃ کے صرف کو جائز قرار دیتے ہوئے علماء کو بھی مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے اگرچہ وہ غنی ہوں، نواب صاحب لکھتے ہیں:

"ومن جملة سبیل اللّٰه الصرف فی العلماء الذین یقومون بمصالح المسلمین الدینیة فان لهم فی مال اللّٰه نصیبا سواء کانوا اغنیاء او فقراء بل الصرف فی هذه الجهة من اهم الامور لان العلماء ورثة الانبیاء وحملة الدین وبهم تحفظ بیضة الاسلام وشریعة سیدنا الامام" (الروضة الندیة ۱/۲۰۶)

واضح رہے کہ خود نواب صاحب مرحوم نے اپنی تفسیر فتح البیان میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے جمہور کے اس قول کو ترجیح دی ہے، جس میں فی سبیل اللہ سے "وھم الغزاۃ والمرابطون یعطون من الصدقۃ ماینفقون فی غزوھم ومرابطہم وان کانوا اغنیاء" مراد لیا گیا تھا۔

اس قول کے بارے میں نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

"والاول اولی لاجماع الجمہور علیہ" (فتح البیان ۱۸۱/۴)

بعض حضرات نے یہ قول امام کاسانی صاحب بدائع کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کے اس جملے سے کہ فی سبیل اللہ تمام ہی قربتوں کا نام ہے اس لیے اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت میں سعی کر رہا ہو، یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے لیکن ان کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ شخص محتاج ہو، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بناء مسجد وغیرہ جن میں کوئی شخص مصرف نہیں بلکہ کام مصرف ہے وہ اس ذیل میں نہیں آتے اور اگر اشخاص ہی ہوں جو کسی دینی جد وجہد میں مشغول ہوں تو وہ بھی اس شرط کے ساتھ مصرف ہوں گے کہ وہ محتاج ہوں۔ کاسانی کے پہلے جملے نے جو توسع پیدا کیا تھا، اس شرط نے اس توسع کو ختم کر دیا۔

(۲) دوسرا قول

"فی سبیل اللہ" مسلمانوں کی مصالح عامہ کو شامل ہے۔ اس قول کا حاصل یہ ہے کہ ہر طاعت و کار خیر مصرف زکوٰۃ نہیں بلکہ انھیں کاموں پر فی سبیل اللہ کی مد میں زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے جن کا تعلق مسلمانوں کی عمومی مصالح سے ہو اور جن سے مسلمانوں کے دین اور ان کی اجتماعی حیات کی بقا اور ترقی کا تعلق ہو، مثلاً جنگ کی تیاری، فوجیوں کی غذائیں، فوجی ہاسپیٹل، عمومی خیراتی اسپتال وغیرہ۔ اسی ذیل میں علوم شرعیہ کے مدارس جو مسلمانوں کی عام مصلحت سے تعلق رکھتے ہیں (بشمول اساتذہ مدارس کے جو کسی اور ذریعہ آمدنی سے علیحدہ ہو کر بالکل مدارس دینیہ میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں) آتے ہیں۔ یہ رائے عام طور پر علماء سلف میں نہیں پائی جاتی البتہ ماضی قریب میں شیخ محمد رشید رضا مصری اور شیخ شلتوت وغیرہ نے اختیار کی ہے۔

(۳) تیسرا قول

فی سبیل اللہ میں حج بھی داخل ہے۔

امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کی طرف یہ قول منسوب ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں اور فقہاء حنابلہ کے یہاں ترجیحات بھی مختلف نظر آتی ہیں[1]

ابو عبید بن قاسم بن سلام نے بعض صحابہ کی یہ رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ھذا القول مہجور غیر معمول بہ"[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی مجموعہ فتاوی میں اس رائے کو اختیار کیا ہے[3]

پھر یہ کہ جس حاجی کو زکوٰۃ دی جائے اس کا فقیر ہونا ضروری ہے یا نہیں، پھر حج فرض، حج نفل کا ایک ہی حکم ہے یا الگ، یہ سب بحثیں فقہاء حنابلہ نے اپنی کتابوں میں کی ہیں۔

فقہاء حنفیہ میں سے محمد بن الحسن کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ ایسا شخص جو سفر حج میں نکلا، قافلہ سے بچھڑ گیا، اس لیے کہ اس کے اخراجات سفر ضائع ہو گئے یا اس کی سواری اسے دھوکا دے گئی، تو یہ حاج منقطع، مصرف زکوٰۃ ہے[4]

جمہور فقہاء، امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابو ثورؒ، ابن المنذرؒ وغیرہ حجاج کو زکوٰۃ دینا جائز قرار نہیں دیتے۔

(۴) چوتھا قول

علماء مدرسین، اصحاب افتاء و قضا اور طلبہ علوم شرعی جو تحصیل علم کے لیے وقف ہیں، انھیں زکوٰۃ دینی جائز ہے۔

یہ رائے بعض متاخرین فقہاء کی ہے جنھوں نے مجاہدین و غزاۃ کے ساتھ قضاء، افتاء اور تدریس جیسے عمومی مصالح امت میں مشغول لوگوں کو ملحق قرار دیا ہے۔ جیسا کہ صنعانی نے سبل السلام جلد ۱۴۵/۲ میں اس قول کا تذکرہ کیا ہے اور بعض فقہاء احناف نے طلبہ علوم دینیہ کو باوجود غنی ہونے کے زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے[5]

---

[1] الانصاف للمرداوی ۲۳۸/۳ [2] الاموال لابی عبید، ص ۶۱۹

[3] مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۷۳/۲۸ [4] شامی ۳۴۳/۲، بدائع الصنائع ۴۶/۲

[5] شامی ۳۴۳/۲، ۳۴۴۔

(۵) پانچواں قول:

فی سبیل اللہ سے مراد غزوہ وجہاد ہے۔

علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ وجہاد داخل ہے، اس کے بعد غزوہ وجہاد کے علاوہ کسی اور کام کے فی سبیل اللہ میں داخل ہونے کے بارے میں فقہائے امت کے درمیان کچھ اختلاف ہے، لیکن فقہائے مجتہدین کی بڑی تعداد اسی کی قائل ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ و جہاد کے علاوہ کوئی اور کام داخل نہیں۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا اس بارے میں متفقہ قول یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی ہی ہیں۔ عہد صحابہ سے لے کر دور حاضر تک یہی جمہور علماء کا قول رہا ہے۔ علامہ ابن رشد فی سبیل اللہ کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال مالك سبيل الله مواضع الجهاد والرباط وبه قال ابوحنيفة وقال الشافعي هو الغازي جار الصدقة وانما اشترط جار الصدقة لأن عند أكثرهم انه لا يجوز نقل الزكوٰة من بلد الى بلد الا من ضرورة" (بداية المجتهد ۲۰۴/۱)

جمہور فقہاء کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہونے کے باوجود کہ فی سبیل اللہ میں صرف غزوہ و جہاد آتا ہے، اس سلسلہ کی کچھ تفصیلات کے بارے میں ان میں باہم اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے غازیوں اور مجاہدین کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے ان کے فقیر ہونے کی شرط لگائی ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے، بعض فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہی غازی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آئیں گے جو بیت المال سے اجرت لیے بغیر رضاکارانہ طور پر جنگوں میں حصہ لیں، غرضیکہ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہونے کے باوجود فقہاء کی غالب اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ وجہاد تک محدود ہے۔

پہلے قول کے دلائل

(۱) جو حضرات فی سبیل اللہ میں تمام نیک کاموں کو داخل کرتے ہیں ان کی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ لفظ "فی سبیل اللہ" عام ہے، لہٰذا کسی دلیل کے بغیر اس لفظ عام کو اس کے بعض افراد

کے ساتھ مخصوص کردینا درست نہیں ہے اور یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر "فی سبیل اللہ" کو غزوہ جہاد کے ساتھ مخصوص کردیا جائے۔ نواب صدیق حسن صاحب اس دلیل کو پوری قوت کے ساتھ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"واما سبیل اللہ فالمراد به ههنا الطریق الیه عزوجل. والجهاد وان کان اعظم الطریق الی اللہ عزوجل لکن لا دلیل علی اختصاص هذا السهم به بل یصح الصرف بذالك فی کل ما کان طریقا الی اللہ عزوجل، هذا معنی الآیة لغة والواجب الوقوف علی المعانی اللغویة حیثما یصح النقل هنا شرعا"[1]

(۲) فی سبیل اللہ کے عموم پر دوسرا استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ، تابعین اور فقہاء نے حج کو فی سبیل اللہ میں داخل قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ وجہاد تک محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے کار خیر بھی اس میں داخل ہیں، اور جب غزوہ وجہاد سے آگے بڑھ کر حج کو "فی سبیل اللہ" میں داخل مان لیا گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے نیک کاموں کو اس سے خارج قرار دیا جائے زکوٰۃ کے دوسرے کارہائے خیر میں صرف کرنے کے جواز کی ایک دلیل کتب حدیث کی وہ روایت بھی ہے جسے امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح کے باب "القسامۃ" میں ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی کو خیبر میں یہودیوں نے قتل کردیا، ان کے قاتل کا پتہ نہیں چل سکا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو خوں بہا صدقہ کے اونٹوں میں سے دیا۔

(۳) نواب صدیق حسن صاحب نے تمام نیک کاموں میں مشغول افراد کو زکوٰۃ دینے کے جواز پر یہ استدلال بھی پیش کیا ہے کہ صحابہ کرام ہر سال بیت المال سے عطیہ لیا کرتے تھے، بیت المال میں جمع شدہ مال کا ایک حصہ مال زکوٰۃ ہوا کرتا تھا، اور بیت المال سے عطیہ لینے والے صحابہ میں مال دار وغریب دونوں قسم کے صحابہ تھے، ایک ایک شخص کا عطیہ ہزاروں کو پہنچ جاتا تھا۔[2]

---

[1] الروضۃ الندیۃ ۲۰۶/۱

[2] الروضۃ الندیۃ ۹/۱

دوسرے قول کے دلائل

"فی سبیل اللہ" کے مصداق کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مسلمانوں کے عمومی مصالح ہیں، جن سے اجتماعی طور پر مسلمانوں کے دین کی بقاء ترقی اور مملکت کے اجتماعی امور وابستہ ہیں، قدیم مفسرین مجتہدین اور فقہاء کے یہاں یہ قول نہیں ملتا۔ سب سے پہلے شیخ محمد رشید رضا اور شیخ الازہر محمد شلتوت نے یہ قول اختیار کیا، اس کے بعد بعض دوسرے حضرات نے ان کی پیروی کی، ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) قرآن وسنت میں کوئی ایسی صراحت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر ہم فی سبیل اللہ کو کسی خاص کار خیر کے لیے مخصوص کرسکیں، لہٰذا فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے، ہر عالم وفقیہ کو اس کے بارے میں اپنی رائے دینے کا حق ہے، اس مسئلہ کا اجتہادی ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماضی اور حال میں فی سبیل اللہ کے مصداق کے بارے میں علماء اور فقہاء کا اختلاف رہا ہے، چنانچہ بعض حضرات نے "فی سبیل اللہ" کو غازیوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے، بعض حضرات نے غازیوں کے ساتھ حج وعمرہ کرنے والوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے، بعض نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا ہے۔

(۲) ان حضرات کا ایک استدلال صدقہ کے اونٹوں سے خوں بہا ادا کیے جانے کی اس حدیث سے بھی ہے جس کا تذکرہ قول اول کے دلائل کے ذیل میں آچکا ہے، استدلال کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع نزاع، اصلاح ذات البین نیز مقتول کے اولیاء کو خوش کرنے کے لیے زکوٰۃ کے مال میں سے خوں بہا ادا کیا، جب امن برقرار رکھنے کے مقصد سے رفع نزاع کے لیے مقتول کے ورثہ کو خوں بہا میں زکوٰۃ دینا جائز ہے تو یہ بات بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے کہ اسلامی مملکت میں امن وامان کے قیام اور اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کے لیے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے، مصالح عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ خرچ کرکے اسلامی مملکت کو استحکام بخشا جائے۔

(۳) فقہاء کی ایک جماعت نے زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف کے لیے صرف زکوٰۃ کی علت یہ قرار دی ہے

کہ ان مصارف پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کی عمومی حاجت اور منفعت پوری ہوتی ہے۔ جب متعدد مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ صرف کرنے کی علت مسلمانوں کی عمومی حاجت و منفعت ہے تو ہم کیوں نہ اس علت کو عام کرتے ہوئے ان تمام کاموں کو مصارف زکوٰۃ کے دائرہ میں لے آئیں جن میں مسلمانوں کی عام مصلحت اور مسلم سوسائٹی کا اجتماعی مفاد ہو۔

تیسرے قول کے دلائل

(۱) جن حضرات نے غزوہ و جہاد کے ساتھ حج کو بھی فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے ان کا استدلال چند روایات و آثار سے ہے، ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو فی سبیل اللہ میں شمار کیا اور جس شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں محبوس کر دیا تھا اسے آپ نے ہدایت دی کہ اپنا وہ اونٹ حج کرنے کے لیے دے دے۔ اس سلسلہ کی ایک روایت مسند احمد میں آتی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ام معقل رضی اللہ عنہا۔ نے اپنے شوہر ابو معقل سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے اوپر حج لازم ہے اور آپ کے پاس ایک جوان اونٹ ہے، مجھے وہ اونٹ دے دیجیے تاکہ میں اس پر حج کراؤں۔ ابو معقل نے کہا کہ تمھیں یہ بات معلوم ہے کہ میں نے وہ اونٹ فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں محبوس کر دیا ہے۔ ام معقل نے کہا کہ پھر مجھے حضور کے باغ کی فصل دے دیجیے۔ ابو معقل نے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میری کھجور کی پیداوار میرے بال بچوں کی روزی ہے۔ ام معقل نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں بات کروں گی۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو معقل اور ام معقل دونوں چل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، ام معقل نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے ذمہ حج لازم ہے اور ابو معقل کے پاس جوان اونٹ ہے۔ ابو معقل نے عرض کیا کہ ام معقل کی بات درست ہے، لیکن میں نے وہ اونٹ فی سبیل اللہ میں محبوس کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ ام معقل کو وہ اونٹ حج کرنے کے لیے دے دو، کیوں کہ حج بھی فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں ہے۔

حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں اسی طرح کا ایک واقعہ ابو طلیق اور ام طلیق کا آتا ہے۔

(۲) امام بخاری نے تعلیقاً ابو لاس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حج کرنے کے لیے صدقہ کے اونٹ پر سوار کیا (حوالہ، صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ وفی الرقاب

والغارمین وفی سبیل اللہ۔ امام احمد، ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ نے اس حدیث کی سند متصل ذکر کی ہے۔

(۳) چند صحابہ کرام سے یہ بات ثابت ہے کہ انھوں نے حج کے لیے زکوٰۃ کا مال دینے کا فتویٰ دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام آزاد کیا جائے گا اور زکوٰۃ کا مال حج میں دیا جائے گا۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ انھوں نے زکوٰۃ کا مال حج کرنے والوں کو دینے کا فتویٰ دیا۔ اس طرح کے متعدد آثار حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں نقل کیا ہے۔ یہ احادیث و آثار اس بات کے ثبوت ہیں کہ جہاد کے ساتھ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام محمد بن حسنؒ، امام احمد، اسحاق بن راہویہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

چوتھے قول کے دلائل

بعض متاخرین فقہاء نے علماء و مدرسین، اصحاب افتاء اور طلبہ علوم دینیہ کو بھی غازی کے ساتھ ملحق کر کے مصارف زکوٰۃ میں شامل کیا ہے۔ ان حضرات نے اپنے اس قول پر کوئی قابل ذکر دلیل ذکر نہیں کی ہے۔ مصنف سبل السلام اس نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "عمدۃ الاحکام کے شارح نے لکھا ہے کہ غازی کے ساتھ وہ لوگ بھی ملحق کیے جائیں گے جو مسلمانوں کی کسی عمومی مصلحت مثلاً قضاء، افتاء اور تدریس انجام دے رہے ہوں، خواہ وہ لوگ مالدار ہی ہوں۔"[2]

پانچویں قول کے دلائل

عہد صحابہ سے لے کر دور حاضر تک جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ وجہاد مراد ہے۔ دوسرے نیک کام زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہیں۔ یہی بات

---

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ۔

[2] سبل السلام ۱۳۵/۱

یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی تین صدیوں میں یہی علما کا متفقہ قول تھا۔ ہاں معدودے چند افراد ایسے ضرور تھے جنھوں نے فی سبیل اللہ میں حج کو بھی شامل کیا تھا۔

ان حضرات کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ قرآن و سنت میں اور صحابہ کرام کی زبان میں جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد غزوہ و جہاد ہی ہوتا ہے۔ شیخ المفسرین ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"وأما قوله في سبيل الله فإنه يعني وفي النفقة في نصرة دين الله وطريقه وشريعته التي شرعها لعباده لقتال أعدائه وذلك هو الغزو"[1]

ابن الاثیر لکھتے ہیں:

"السبيل في الأصل الطريق ويذكر ويؤنث والتأنيث فيها أغلب وسبيل الله عام يقع على كل عمل خالص سلك به طريق التقرب إلى الله تعالى بأداء الفرائض والنوافل وأنواع التطوعات وإذا أطلق سبيل الله فهو في الغالب واقع على الجهاد حتى صار لكثرة الاستعمال كأنه مقصور عليه"[2]

ابن جوزی لکھتے ہیں:

"إذا أطلق ذكر سبيل الله فالمراد به الجهاد"[3]

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

"سبيل الله عند الإطلاق هو الغزو"[4]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"المتبادر عند إطلاق لفظ في سبيل الله الجهاد"[5]

---

۱ تفسیر ابن جریر ۱۰/۱۴۵ ۲ النہایۃ فی غریب الحدیث ۲/۳۳۸

۳،۴ فتح الباری ۶/۲۹ ۵ فتح الباری ۶/۲۹

"المشهور في الاستعمال ان سبيل الله تعالى هو الغزو واكثر ما جاء في القرآن العزيز كذلك"[1]

ابن قدامہ حنبلی المغنی میں لکھتے ہیں:

"كل ما في القرآن من ذكر سبيل الله انما يريد به الجهاد الا اليسير فيجب حمل ما في هذه الآية (يعني آية الصدقات) على ذلك لأن الظاهر ارادته به"[2]

تمام فقہی مسالک کے اصحاب علم و تحقیق فقہاء کا مطالعہ یہی ہے کہ فی سبیل اللہ شریعت کی ایک اصطلاح ہے۔ سبیل اللہ لغوی معنی کے اعتبار سے اگرچہ عام ہے۔ اس میں ہر کار خیر داخل ہے۔ کتاب وسنت میں بھی کہیں کہیں اسی عام لغوی معنی میں سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن کتاب وسنت میں سبیل اللہ کا استعمال جب قرائن کے بغیر مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے غزوہ و جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔ قدیم مفسرین و فقہاء کے علاوہ دور جدید کے بعض علماء نے بھی کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کے استعمالات کا تتبع کر کے فی سبیل اللہ کے اسی مخصوص معنی کو ثابت کیا ہے۔ کتب حدیث میں ابواب جہاد کی حدیثوں کا مطالعہ بھی اسی نتیجہ تک پہنچاتا ہے۔

(۲) جمہور فقہاء کی طرف سے استدلال میں وہ احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں جو فن حدیث کی متعدد اہم کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة - لغاز في سبيل الله او لعامل عليها او لغارم او لرجل اشتراها بماله او لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدى المسكين للغني"[3]

اس حدیث میں زبان رسالت نے فی سبیل اللہ کے ساتھ "غاز" کی قید لگا کر زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کی مراد متعین کر دی۔ فی سبیل اللہ کے بارے میں مختلف اقوال کے تمام دلائل کا

---

[1] المجموع ۶/۲۱۲ [2] المغنی ۸/۳۳۴

[3] موطا امام مالک، سنن ابوداؤد۔

یہاں پر بیان مقصود نہیں ہے۔ تفصیلی دلائل کے لیے تفسیر، حدیث، فقہ کی اہم کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ اوپر کے صفحات میں زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کے بارے میں مختلف اقوال اور ان کے اہم دلائل اختصار کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ مختلف اقوال کے درمیان محاکمہ اور ان کے دلائل کا موازنہ اصحاب علم و بصیرت علماء اور فقہاء پر چھوڑ دیا گیا۔

ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کی خاطر جن نکات کو طے کرنا اور جن سوالات کا منقح کرنا ہمارے لیے ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) مصارف زکوٰۃ کو طے کرنے میں سب سے بنیادی حیثیت سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ "انما الصدقٰت للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفة قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم" کو حاصل ہے۔ یہ آیت زکوٰۃ کے مصارف کو حصر کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ کلمہ "انما" حصر پر دلالت کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس آیت کے ذریعہ مصارف زکوٰۃ کا جو حصر بیان کیا گیا ہے وہ حصر حقیقی ہے یا حصر اضافی؟ منشأ سوال یہ ہے کہ اگرچہ عہد صحابہ سے لے کر دور حاضر تک جمہور مفسرین، فقہاء اور علماء مصارف زکوٰۃ والی آیت کا حصر حقیقی قرار دیتے رہے اور یہ صراحت کرتے رہے کہ اس آیت میں مذکورہ آٹھ مصارف کے باہر زکوٰۃ کا صرف کرنا قیامت تک کے لیے ناجائز ہے۔ زکوٰۃ انھی مصارف میں صرف کی جائے گی۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس حصر کو اضافی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"...... وعلى هذا فالحصر في قوله تعالى "إنما الصدقات" إضافي بالنسبة إلى ما طلبه المنافقون في صرفها فيما يشتهون على ما يقتضيه سياق الآية والسر في ذلك أن الحاجات غير محصورة وليس في بيت المال في بلاد العامة للمسلمين غير الزكوة كثير مال. فلابد من توسعة لتكفي نوائب المدينة والله أعلم[1]

(۲) جمہور مفسرین و فقہاء نے آیت مصارف زکوٰۃ میں مذکورہ فی سبیل اللہ سے غازی مراد

۱۔ حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۴۵

لیا ہے، ان حضرات نے "لاتحل الصدقات لغنی الا لخمسۃ لغاز فی سبیل اللہ الخ" والی حدیث کے علاوہ ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ کتاب وسنت میں اگرچہ فی سبیل اللہ کا اطلاق مختلف دینی کاموں کے لیے کیا گیا ہے، لیکن جب کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کا استعمال مطلق طور پر کسی قید و ترجیح کے بغیر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی نے "فقہ الزکوٰۃ" میں کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کے استعمالات کا استقراء و تتبع کر کے یہی بات ثابت کرنی چاہی ہے۔ کیا آپ جمہور فقہاء کے اس دعویٰ سے متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب وسنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوا کرتا ہے۔

(۳) یہ ایک حقیقت ہے کہ قرون اولیٰ میں زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تشریح میں دو ہی قول ملتے ہیں۔ صحابہ، تابعین، مفسرین، فقہاء کی غالب اکثریت نے فی سبیل اللہ کو غزوہ میں محصور کیا ہے۔ اور دوسرا قول یہ رہا کہ فی سبیل اللہ میں حج بھی شامل ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آیات احکام میں سے کسی آیت کی تشریح میں قرون اولیٰ میں صرف دو قول پائے جاتے ہوں تو کیا ہمارے لیے لازم ہے کہ انھیں دونوں اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کریں یا ہم ان دو اقوال کو چھوڑ کر آیت کی تفسیر و تشریح میں کوئی تیسرا یا چوتھا قول بھی اختیار کر سکتے ہیں؟

(۴) فقہائے احناف کے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق جو لوگ بھی ہوں بہرحال فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آنے والے لوگ فقیر ہونے ہی کی صورت میں زکوٰۃ کے مستحق ہوں گے، عاملین زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقہائے احناف فقر کی شرط لگاتے ہیں، اسی لیے جن فقہائے احناف نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا ہے یا تمام امور خیر کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے (مثلاً صاحب فتاویٰ ظہیریہ اور علامہ کاسانی) ان کی اس تشریح سے مستحقین زکوٰۃ کے مسئلہ میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں پیدا ہوا، کیوں کہ جب ان حضرات کے نزدیک فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آنے والے لوگ فقر کی شرط کے ساتھ ہی مستحق زکوٰۃ ہوئے تو وہ لوگ زکوٰۃ کے پہلے مصرف فقراء میں متفقہ طور پر داخل ہو چکے، فقہائے احناف کے نزدیک فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط ہونے ہی کی وجہ سے غالباً ان حضرات کے قول پر زیادہ رد و قدح نہیں ہوئی جنھوں نے فی سبیل اللہ میں تمام امور خیر کو داخل کیا یا طلبہ کو اس کے مصداق قرار دیا، کیوں کہ فقر کی شرط لگانے کے بعد فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین میں اختلاف تعبیر کے

اعتبار سے کوئی حقیقی اختلاف نہیں رہ جاتا۔ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کے نزدیک جو لوگ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر کی شرط نہیں ہے۔ فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط نہ لگانے کی صورت میں اس کے مصداق کی تعیین میں اختلاف ایک حقیقی اختلاف بن جاتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں فی سبیل اللہ کی تشریح میں زیادہ احتیاط اور حساسیت ہے۔ فقہائے مالکیہ اور فقہائے شافعیہ کے یہاں متفقہ طور پر یہ بات ملتی ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی ہے، اور فقہ حنبلی میں دو قول ملتے ہیں۔

(۱) فی سبیل اللہ سے صرف غازی مراد ہے۔

(۲) فی سبیل اللہ میں غزوہ کے ساتھ حج بھی شامل ہے۔

مذکورہ بالا معروضات کو سامنے رکھ کر آپ تحریر فرمائیں کہ .....

(الف) زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا آپ کے نزدیک کیا مصداق ہے؟ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں کون کون لوگ آتے ہیں؟ اس کے دائرہ کی وسعت کہاں تک ہے؟

(ب) جو لوگ بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہوں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر کی شرط ہے یا نہیں؟

(۵) مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہیں یا نہیں؟ یعنی کیا یہ بات درست ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تعلیل کرکے اشتراک علت کی بنا پر ان آٹھ مصارف کے علاوہ کچھ دوسری قسموں کو مصارف زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کیا جائے اور ان پر زکوٰۃ کا صرف کیا جانا جائز قرار دیا جائے۔ بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری کو قرار دینے کے باوجود جہاد قلمی، جہاد فکری وغیرہ کو جہاد عسکری پر قیاس کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق اگرچہ جہاد عسکری ہی ہے لیکن اس پر قیاس کرتے ہوئے جہاد قلمی، جہاد فکری، جہاد ثقافتی وغیرہ پر بھی زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز ہے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ نقطۂ نگاہ قابل قبول ہے؟ اور اصولاً کیا اس کی گنجائش ہے کہ مصارف زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کچھ اور قسموں کو مصارف زکوٰۃ میں شامل کیا جائے؟

(۶) یہ واقعہ ہے کہ دور حاضر میں مختلف دینی اور دعوتی کاموں کے لیے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت ہے۔ دور حاضر کی ترقیات اور جدید وسائل نے دینی کاموں کی ضروریات اور مصارف کو بہت بڑھا دیا ہے۔ اور یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آج کل مسلمان دینی کاموں کے لیے جو سرمایہ دیتے ہیں اس کا کم و بیش اسی فیصد

فی صد زکوٰۃ ہی کی رقم سے ہوتا ہے۔ صدقات نافلہ اور غیر زکوٰۃ کی مدوں میں دینے کا رواج دن بہ دن کم ہوتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں دینی کام کرنے والے اداروں (مدارس، اکیڈمیاں، تنظیمیں وغیرہ) کے لیے یہ پابندی بہت دشوار ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مختلف اخراجات اور منصوبوں میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہ کریں۔ کیا اس دشواری کے پیش نظر آپ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کر دیا جائے اور اس سلسلہ میں دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر متأخر یا معاصر علماء کے تعمیم و توسیع والے قول کو اختیار کر لیا جائے؟

(۷) اگر آپ کے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں تعمیم ہے یعنی اس کے دائرہ میں غزوہ اور حج کے علاوہ کچھ اور کام بھی آتے ہیں تو یہ وضاحت بھی مطلوب ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے، اس کے حدود کیا ہیں؟ اور آپ فی سبیل اللہ کا دائرہ اور جو حدود سمجھتے ہیں، مختصراً اس کے دلائل کیا ہیں؟۔

مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ
کے بارے میں قائم کردہ سوالات کے مختصر جوابات

از ـــــ مولانا عتیق احمد قاسمی، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فی سبیل اللہ کے بارے میں قائم کردہ سوالات کے جوابات:

جواب سوال ۱: سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے مصارف حصر کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ میری معلومات اور مطالعہ کی حد تک مذکورہ بالا آیت میں حصر کا حقیقی ہونا اجماعی ہے۔ قرون اولیٰ سے لے کر دور حاضر تک فقہاء، مجتہدین، مفسرین اور علماء امت نے اس حصر کو حقیقی قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں علماء امت کی چند تصریحات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

آیت مصارف کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا امام شافعیؒ نے لکھا ہے:

"قد احکم اللہ عز وجل فرض الزکاۃ فی کتابہ ثم اکدھا فقال فریضۃ من اللہ ولیس لاحد ان یقسمها علی غیر ما قسمہ اللہ"[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

"ولا یجوز صرف الزکاۃ الی غیر من ذکر اللہ تعالیٰ من بناء المساجد والقناطر ...... واشباہ ذلک من القرب التی لم یذکرها اللہ تعالیٰ"[2]

۱؎ کتاب الام ۲/۷۲   ۲؎ المغنی ۲/۲۷۶

آیت بالا میں حصر کے حقیقی ہونے پر اجماع امت کے علاوہ ایک نہایت محکم دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درج ذیل حدیث بھی ہے،

"قال زیاد ابن حارث الصدائی اتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعتہ فاتاہ رجل فقال اعطنی من صدقۃ فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إن اللّٰہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزئہا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الأجزاء اعطیتک"[1]

زیاد ابن حارث صدائی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر میں نے آپؐ سے بیعت کی۔ اس کے بعد ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا کہ مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دے دیجیے۔ رسول کریمؐ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا۔ صدقات کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرمائے۔ اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں زکوٰۃ دے دوں گا۔

اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ سورہ توبہ کی آیت ۶۰ میں مصارف زکوٰۃ کا جو حصر بیان کیا گیا ہے وہ حقیقی اور دائمی ہے۔ ان مصارف سے ہٹ کر زکوٰۃ کو کسی اور محل میں خرچ کرنا کسی دور میں جائز نہیں ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس سے بظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ شاہ صاحبؒ آیت مصارف کے حصر کو اضافی قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجماع امت اور حدیث صریح کے برخلاف حضرت شاہ صاحبؒ کی اس شاذ رائے کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ امت کے اجماعی نقطۂ نظر کے خلاف اس طرح کی شاذ آراء خواہ کتنے ہی بڑے فقہاء اور علماء کی ہو قابل التفات نہیں ہوتی۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکاۃ۔ باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی۔

جواب سوال ۵:

مجھے جمہور مفسرین و فقہاء کے اس نقطۂ نظر سے پورا اتفاق ہے کہ کتاب و سنت میں اگرچہ فی سبیل اللہ کا اطلاق مختلف دینی کاموں کے لیے کیا گیا ہے لیکن کتاب و سنت میں جب فی سبیل اللہ کا استعمال مطلق طور پر (کسی قید و قرینے کے بغیر) ہوتا ہے تو اس سے غزوہ و جہاد مراد ہوتا ہے۔ سوال نامے میں اس سلسلہ میں ابن الاثیرؒ، ابن جوزیؒ، ابن جریرؒ، ابن قدامہ حنبلیؒ، علامہ نوویؒ کی جو تصریحات پیش کی گئی ہیں وہ اس نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

جواب سوال ۶:

آیاتِ احکام میں سے کسی آیت کی تفسیر اگر عہدِ صحابہؓ سے لے کر صدیوں تک دو ہی قول رہے ہیں، تو ان دونوں اقوال سے ہٹ کر کوئی تیسرا قول اختیار کرنا ہرگز درست نہیں۔ ایسی صورت میں کوئی تیسرا قول اختیار کرنے کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ صدیوں تک اس آیت کا صحیح مفہوم و مصداق امت سے مخفی رہا، خصوصاً ایسی آیت جو کثیر الوقوع عمل سے تعلق رکھتی ہو اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن کی ادائیگی اس سے متعلق ہو۔ اگر اس کی اجازت دی گئی تو معانی قرآن میں تحریف کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا اور قرآن بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔

جواب سوال ۷:

الف: میرے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین ہیں۔ ساتویں مصرف میں نہ تو حج شامل ہے اور نہ ہی دوسرے انفرادی یا اجتماعی کارِ خیر۔

ب: مجھے فقہاء احناف کے اس نقطۂ نظر سے اتفاق ہے کہ مجاہدین فقر ہی کی صورت میں زکوٰۃ کا مال لے سکتے ہیں۔ ہاں اگر ایک شخص فی الوقت صاحبِ نصاب ہے اور جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہے لیکن آلاتِ جہاد خریدنے کے لیے اس کا مال کافی نہیں ہے یعنی اگر وہ اپنے ذاتی مال سے آلاتِ جہاد خریدتا ہے اور سفرِ جہاد کے انتظامات کرتا ہے تو اس کا مال یا تو سرے سے ختم ہو جائے گا یا نصاب سے کم ہو جائے گا، ایسی صورت میں وہ شخص آلاتِ جہاد خریدنے کے لیے مالِ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

جواب سوال ۵:

مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل نہیں ہے کیوں کہ مصارف زکوٰۃ والی آیت میں حصر تحقیق پایا جاتا ہے۔ یعنی قرآن پاک کی صراحت کے مطابق انھیں آٹھ مصارف میں زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے جن کا آیت مصارف میں صراحۃً ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر ہم مصارف زکوٰۃ کو قیاس شرعی کا محل قرار دیں گے اور اس بات کی اجازت دیں گے کہ مصارف زکوٰۃ کی علت تلاش کر کے ہم آٹھ مصارف کے علاوہ اس اور افراد نیز جماعتوں پر بھی زکوٰۃ صرف کی جائے تو یہ بات خود آیت مصارف کے مفہوم و مدعا کے خلاف ہوگی۔ جہاد عسکری کو فی سبیل اللہ کا مصداق قرار دے کر جہاد قلمی، جہاد فکری کو بذریعۂ قیاس جہاد عسکری سے ملحق کرنا اور جہاد قلمی وغیرہ پر زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دینا اصولاً غلط ہے۔

جواب سوال ۶:

سوال ۵ کے تحت فی سبیل اللہ کے دائرہ میں توسیع والے قول کو اختیار کرنے کے جو مبررات بیان کیے گئے ہیں وہ میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں۔ بلاشبہ دور حاضر میں مختلف دینی اور دعوتی کاموں کے لیے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت ہے اور کم از کم ہندوستان کی حد تک یہ بھی واقعہ ہے کہ آج کا مسلمان دینی کاموں کے لیے جو سرمایہ دیتے ہیں، اس کا کم و بیش ۸۰، ۹۰ فی صدی مد زکوٰۃ ہی سے ہوتا ہے لیکن اس دشواری کا حل یہ نہیں ہے کہ فہم آیت کے سلسلہ میں امت کے صدیوں کے نقطۂ نظر کو ترک کر کے بالکل بے وزن اور بے دلیل اقوال کو آنکھ بند کر کے اختیار کر لیا جائے۔ مسلمانوں کے اس رجحان میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ دینی کاموں کے لیے زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور رقم نہیں نکالتے۔ رہا دینی کام کرنے والے اداروں (مدارس، اکیڈمیاں، تنظیمیں وغیرہ) کی دشواری کا حل اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر ان اداروں کے ذمہ دار اپنے غیر ضروری اخراجات اور تعلیات میں تخفیف کریں اور پوری فکرمندی کے ساتھ جائز حدود میں رہتے ہوئے اپنے اداروں کی مالی مشکلات کا حل تلاش کریں تو ان شاء اللہ ایسی راہیں نکل آئیں گی جو شرعاً جائز اور قابل قبول ہونے کے علاوہ اطمینان بخش بھی ہوں۔ میری یہ بات صد درجہ اجمالی ہے اس کی تفصیل کے لیے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔

جواب سوال ۷:

پچھلے سوالات کے ذیل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ میرے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق صرف

مجاہدین ہیں۔ اس مصداق میں تعمیم و توسیع جائز نہیں۔

زکوٰۃ کا ساتواں مصرف "فی سبیل اللہ"

کتاب و سنت اور ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں

زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے۔ مالی عبادات میں زکوٰۃ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن پاک میں بار بار نماز قائم کرنے کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اسلامی نظام حیات کا ایک بنیادی عنصر ہے، اس کے بغیر اسلامی زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کا حکم دیا۔

زکوٰۃ اسلامی اقتصادیات کا ایک اہم ستون ہے اس کے ذریعہ قوم کے اس ضعیف اور بے سہارا طبقہ کی پرورش ہوتی ہے جو اپنی ضروریات مہیا کرنے سے معذور ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعہ یتیموں، بیوہ عورتوں، اپاہج اور معذور انسانوں، فقیروں اور مسکینوں کی کفالت ہوتی ہے، لیکن زکوٰۃ کا اولین اور اہم ترین مقصد خود زکوٰۃ دینے والے کا تزکیہ و تطہیر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

"خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا وصل علیہم ان صلوٰتک سکن لہم واللہ سمیع علیم[۱]"

ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا اولین مقصد خود زکوٰۃ دینے والے کے باطن کا تزکیہ اور اس کے مال کی تطہیر ہے، تزکیۂ باطن سے مراد بخل، حرص اور حب مال وغیرہ کا ازالہ اور خوبیوں اور محمود وصفوں کے ساتھ

۱۔ سورہ توبہ : ۱۰۳

ہمدردی، غم خواری، تعاون اور انفاق کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ زکوٰۃ کے اسی پہلو کو مرکزی حیثیت دینے کی وجہ سے اسے عبادات میں شمار کیا گیا ہے۔ قرآن و سنت میں اس کے احکام و مسائل بہت واضح کر دیے گئے ہیں۔ اس کی جزوی تفصیلات بھی قرآن و سنت میں محفوظ کر دی گئیں۔ زکوٰۃ کی آمد و صرف کا معاملہ اسلامی حکومت کے اختیار تمیزی پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ خود خالق کائنات نے اس کی ضروری تفصیلات واضح فرما دی۔

مصارفِ زکوٰۃ قرآن کی روشنی میں

سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کلمۂ حصر کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور مد میں زکوٰۃ کا استعمال جائز نہیں؛ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صدقات (زکوٰۃ) کے مال میں سے مانگا، آپ نے فرمایا، صدقات کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حوالے نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف بیان فرمائے۔ اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمھیں دے سکتا ہوں[1]۔

سورۂ توبہ کی وہ آیت جس میں مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے وہ درج ذیل ہے:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰہ وابن السبیل فریضۃ من اللّٰہ واللّٰہ علیم حکیم[2]

صدقات (زکوٰۃ) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے) میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

عہد نبوی سے لے کر عہد حاضر تک اسی آیت کی روشنی میں زکوٰۃ کے مال کی تقسیم ہوتی رہی اسلامی

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکاۃ [2] توبہ: ۶۰

حکومتیں اور مسلمان اغنیا انھیں مصارف میں زکوٰۃ صرف کرتے ہیں۔ اس وقت ہمیں زکوٰۃ کے انھیں آٹھ مصارف میں سے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کے معنی و مصداق پر بحث کرنی ہے۔

تفسیر قرآن کے بارے میں ایک بنیادی اصول

سب سے پہلے یہ بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہیے کہ زیر بحث مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق آیاتِ احکام میں سے ایک آیت کے بعض الفاظ کی تفسیر و تشریح سے ہے۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے قدیم مفسرین، فقہا اور محدثین کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ انھوں نے سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں مذکور "فی سبیل اللہ" کا کیا معنی سمجھا۔ احادیثِ رسول اور آثارِ صحابہ و تابعین سے صراحۃً یا اشارۃً مصارفِ زکوٰۃ میں مذکور "فی سبیل اللہ" کا کیا معنی و مصداق متعین ہوتا ہے۔ آیاتِ احکام کے ہر ہر پہلو کو صحابہ و تابعین، مفسرین، فقہا و محدثین نے خوب خوب واضح کیا ہے۔ کسی پہلو کو تشنۂ بحث نہیں چھوڑا۔ اسی لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم زیر بحث مسئلہ میں کوئی قطعی فیصلہ دینے سے پہلے احادیث و آثار اور فقہائے مجتہدین کے اجتہادات پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس سلسلہ میں وہ بنیادی حقیقت بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے جس کی نشان دہی شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اس عبارت میں کی ہے۔

"وفي الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم إلى ما يخالف ذلك كان مخطئا في ذلك بل مبتدعا وإن كان مجتهدا مغفورا له خطؤه۔

فالمقصود بيان طرق العلم وأدلته وطرق الصواب ونحن نعلم أن القرآن قرأه الصحابة والتابعون وتابعوهم وأنهم كانوا أعلم بتفسيره ومعانيه كما أنهم أعلم بالحق الذي بعث الله به رسوله فمن خالف قولهم وفسر القرآن بخلاف تفسيرهم فقد أخطأ في الدليل والمدلول جميعا"[1]

---

[1] مقدمة في اصول التفسير: ص ۳۶، مطبوعہ دار الآثار الوطنية دمشق۔

"حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے مذاہب اور ان کی تفسیر کو ترک کر کے مخالف مذہب اور تفسیر اختیار کرنے والا خطا کار بلکہ بدعت کا ارتکاب کرنے والا ہے، اگرچہ ایسا شخص مجتہد ہی ہو جس کی خطا معاف ہے۔ یہاں پر مقصود علم کے طریقوں اور دلیلوں اسی طرح ثواب کی راہوں کا بیان ہے۔ ہمیں اس بات کا علم و یقین ہے کہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین نے قرآن پڑھا اور یہ لوگ قرآن کی تفسیر اور معانی سے سب سے زیادہ واقف تھے، جس طرح یہ لوگ اس سچائی سے سب سے زیادہ واقف تھے جس کو لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے لہٰذا جس شخص نے ان کے قول کی مخالفت کی اور ان کی تفسیر کے خلاف قرآن کی تفسیر کی اس نے دلیل اور مدلول دونوں میں غلطی کی۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ بالا تحریر سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم سے جس طرح قرآن کے الفاظ سیکھے اسی طرح معانی بھی سیکھے۔ الفاظ و معانی کی یہ امانت مسلمانوں کی ہر بعد والی نسل نے پہلی نسل سے حاصل کی، اس لیے آیات قرآنی کا معنی و مصداق طے کرنے سے پہلے یہ ضروری ہو کہ ہم ان کے بارے میں صحابہؓ، تابعی، مفسرین اور فقہاء مجتہدین کا فہم معلوم کریں کہ ان حضرات نے آیت کا کیا مفہوم سمجھا اور جمہور امت نے آیت کی کس تفسیر کو قبول کیا۔ تنہا لغت و ادب کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کرنے والے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور بھیانک گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ احادیث و آثار اور قدیم تفاسیر سے بے نیاز ہو کر تفسیر قرآن کے میدان میں ایک قدم سلامتی کے ساتھ چلنا ممکن نہیں۔

فی سبیل اللہ کی لغوی تشریح

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کے بارے میں تفسیری اور فقہی ذخیرے پر نظر ڈالنے سے پہلے آئیے ہم مستند اہل لغت کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ "سبیل اللہ" سے لغت عرب میں کیا مراد ہوتا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری النہایہ فی غریب الحدیث میں لکھتے ہیں:

"السبیل فی الاصل: الطریق وسبیل اللہ عام یقع علی کل عمل خالص سلک بہ طریق التقرب الی اللہ عزوجل باداء الفرائض

والنوافل وانواع التطوعات وإذا أطلق فهو في الغالب يقع على الجهاد
حتى صار لكثرة الاستعمال كأنه مقصور عليه[1]

سبیل کا اصل معنی راستہ ہے اور سبیل اللہ عام ہے جو ہر اس عمل خالص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو مثلاً فرائض و نوافل کی ادائیگی، مختلف قسم کے نیک کام اور جب سبیل اللہ مطلق بولا جائے تو عموماً اس سے مراد جہاد ہوتا ہے حتی کہ کثرت استعمال کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے گویا سبیل اللہ جہاد ہی میں محصور ہے۔

النہایہ کی مذکورہ بالا عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) لغت کے اعتبار سے سبیل اللہ کا اصل معنی ہر اس عمل خالص کو شامل ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو۔ لہٰذا اس میں تمام نیک کام شامل ہوں گے خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی۔

(۲) سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے قرائن کے بغیر تو اس سے عموماً جہاد مراد ہوتا ہے جہاد کے مفہوم میں کثرت استعمال کی وجہ سے سبیل اللہ گویا جہاد ہی کے معنی میں محصور ہو گیا۔ علامہ طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار[2] میں ابن الاثیر کی تحقیق کی تائید کی ہے۔

مشہور لغوی علامہ ابن منظور نے اپنی مستند ترین کتاب "لسان العرب" میں سبیل اللہ کے تحت لکھا ہے:

"كل ما أمر الله به من الخير فهو من سبيل الله واستعمال
السبيل في الجهاد أكثر لأنه السبيل الذي يقاتل فيه على
عقد الدين وقوله في سبيل الله أريد به الذي يريد الغزو
ولا يجد ما يبلغه مغزاه فيعطى من سهمه[3]"

"یعنی اللہ تعالیٰ نے جن نیک کاموں کا حکم دیا ہے سب سبیل اللہ میں شامل ہیں، لیکن زیادہ تر

---

[1] النهاية في غريب الحديث ۲/۱۵٦ ـ مطبوعہ قاہرہ مصر

[2] مجمع بحار الانوار ۳۹/۳

[3] لسان العرب ۹۱/۲ ـ ترتیب جدید مطبوعہ دار لسان العرب، بیروت

سبیل اللہ کا استعمال جہاد کے معنی میں ہوا ہے۔ کیوں کہ جہاد ہی وہ راستہ ہے جس میں دین کو برپا کرنے کے لیے قتال کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول فی سبیل اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قتال کا ارادہ کرتے ہیں اور میدان جنگ تک پہنچنے کے لیے وسائل نہیں پاتے تو انھیں فی سبیل اللہ کے حصہ میں سے دیا جائے گا۔

قرآن میں سبیل اللہ کے استعمالات

شیخ یوسف القرضاوی نے قرآن مجید میں سبیل اللہ کے استعمالات پر اچھی بحث کی ہے، اس کا خلاصہ یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں سبیل اللہ کا استعمال کبھی عن کے ساتھ آتا ہے اور کبھی فی کے ساتھ۔ فی کے ساتھ سبیل اللہ کا استعمال زیادہ ہوا ہے، عن کے ساتھ استعمال ہونے کی صورت میں اس سے پہلے یا تو فعل صد استعمال ہوا ہے یا اضلال، فی سبیل اللہ کے ساتھ یہ افعال استعمال ہوئے ہیں:

انفاق۔ ھجرت۔ جہاد۔ قتال۔ قتل۔ ضرب۔ مخمصہ وغیرہ۔

سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں فی سبیل اللہ کا استعمال مذکورہ بالا کسی فعل کے ساتھ نہیں ہوا ہے لیکن صدقہ سے انفاق کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ گویا انفاق کے ساتھ فی سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے۔

قرآن پاک میں انفاق کے ساتھ فی سبیل اللہ کے استعمالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر سبیل اللہ سے مراد کبھی عام معنی ہوتا ہے جس میں ہر کار خیر اور ہر طرح کی طاعات داخل ہیں اور کبھی خاص طور پر جہاد مراد ہوتا ہے۔ کلام کے سیاق و سباق اور قرائن ہی سے یہ دونوں معانی ایک دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ کی آیت میں فی سبیل اللہ سے عام معنی مراد لینا درست نہیں، کیوں کہ اس عموم سے تو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں اتنی وسعت ہو جائے گی کہ اس کے افراد کا شمار کیا ہوا اس کے اصناف کا شمار ممکن نہ ہوگا۔ اور یہ عموم مصارف زکوٰۃ کے آٹھ میں محصور کرنے کے منافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معنی عام کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کے دائرے میں فقراء، مساکین اور زکوٰۃ کے تمام مصارف آ جائیں گے، پھر ساتویں مصرف

فی سبیل اللہ اور اس کے ماقبل اور مابعد کے مصارف میں فرق کیا رہا؟ قرآن مجید سراپا بلاغت و اعجاز ہے۔ اسے اس بے فائدہ تکرار سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ فی سبیل اللہ سے معنی خاص مراد لیا جائے تاکہ زکوٰۃ کا یہ مصرف دوسرے مصارف سے جدا ہو سکے۔ زمانہ قدیم سے اسی نکتہ کو سمجھ کر ہمارے مفسرین اور فقہاء نے فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا اور کہا کہ جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے۔ بہت سی احادیث صحیحہ کے استعمالات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سبیل اللہ کا معنی غالباً جہاد ہے ...... یہ قرائن اس بات کی ترجیح کے لیے کافی ہیں کہ مصارف زکوٰۃ کی آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔[1]

فی سبیل اللہ کی تفسیر ایک حدیث کی روشنی میں

سبیل اللہ کی لغوی بحث سے فارغ ہونے کے بعد آئیے احادیث و آثار اور قدیم تفاسیر کی طرف رجوع کریں۔

فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرنے کے سلسلہ میں ہمیں ایک حدیث نبوی سے پوری رہنمائی ملتی ہے۔ یہ حدیث زکوٰۃ ہی کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور فن حدیث کی مستند کتابوں میں مذکور ہے۔ ناقدین حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة لعامل علیها او رجل اشتراها بماله او غارم او غاز فی سبیل اللہ او مسکین تصدق علیه منها فاهدى لغنی منها"[2]

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ صرف

---

[1] فقہ الزکوٰۃ ۲/ ۶۵۲ تا ۶۵۵۔

[2] یہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مستدرک حاکم وغیرہ میں آئی ہے۔

پانچ قسم کے اغنیاء کے لیے حلال ہے۔ (۱) عامل صدقہ (۲) جس شخص نے اپنے مال کے بدلے میں صدقہ کا مال خریدا (۳) مقروض شخص (۴) راہ خدا میں جہاد کرنے والا (۵) کسی مسکین کو صدقہ کا مال دیا گیا، اس مسکین نے اس میں سے کسی مالدار کو ہدیہ کر دیا۔

اس حدیث کو متعدد محدثین نے صحیح اور قابل احتجاج قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کی قید لگا کر زبان نبوت نے زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی مراد واضح کر دی ہے۔ اسی لیے فی سبیل اللہ کے مصداق پر بحث کرتے ہوئے متعدد مفسرین نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ فقہاء اور محدثین کے یہاں بھی فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث بطور سند پیش کی جاتی ہے۔

امام شافعیؒ کے معاصر فقیہ و مجتہد امام ابو عبیدؒ قاسم ابن سلام (متوفی ۲۲۳ھ) اپنی مشہور کتاب "کتاب الاموال" میں مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قال ابو عبيد فارخص صلى الله عليه وسلم للغازي أن يأخذ من الصدقة وان كان غنيا ونراها تأويل هذه الآية قوله في سبيل الله[1]"

ابو عبید نے کہا کہ اس حدیث میں رسول اکرمؐ نے غازی کو غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ لینے کی اجازت دی اور ہم اسی کو قرآن پاک کی آیت (مصارف زکوٰۃ والی آیت) میں مذکور فی سبیل اللہ کی تفسیر سمجھتے ہیں۔

مشہور شارح حدیث شیخ ابو سلیمان خطابی "لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة" والی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فاما سهم السبيل فهو على عمومه وظاهره في الكتاب وقد جاء في هذا الحديث ما بينه وكذا امره فلا وجه للذهاب عنه[2]"

فی سبیل اللہ والا مصرف قرآن پاک میں اپنے ظاہر اور عموم پر معلوم ہوتا ہے لیکن اس حدیث

---

۱ کتاب الاموال: ص ۶۱۰، ۶۱۱   ۲ معالم السنن ۲/۲۲۵

کے بعض الفاظ نے فی سبیل اللہ کا معنی واضح کردیا ہے اور اسے مؤکد کردیا ہے لہٰذا اس حدیث سے جو مفہوم واضح ہوتا ہے اسے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

علامہ ابن حزم فی سبیل اللہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سبیل اللہ سے مراد راہ حق میں جہاد ہے .... حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کسی غنی کے لیے حلال نہیں سوائے پانچ کے۔ (۱) راہ خدا میں جہاد کرنے والا (۲) عامل صدقہ (۳) مقروض شخص (۴) وہ شخص جس نے صدقہ کا مال اپنے مال کے بدلے میں خریدا (۵) جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو جسے صدقہ دیا گیا، مسکین نے وہ صدقہ اپنے مالدار پڑوسی کو ہدیہ کردیا .... اگر سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حج سبیل اللہ (راہ خدا) میں سے ہے اور حضرت ابن عباس کا فتویٰ ہے کہ زکوٰۃ کا مال حج میں دیا جائے گا تو ہم جواب دیں گے کہ ہر کار خیر سبیل اللہ (راہ خدا) میں سے ہے لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ صدقات کی تقسیم میں فی سبیل اللہ سے مراد نیکی کے تمام کام نہیں ہیں، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ یہاں پر سبیل اللہ سے اس کے علاوہ کوئی اور چیز مراد لی جائے جسے نص حدیث نے بیان کردیا ہے اور نص حدیث میں بیان کردہ چیز وہی ہے جسے ہم نے ذکر کیا۔"[۱]

دور حاضر کے محدثین میں سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ نے بھی فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین ان حدیث کی روشنی میں کی۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ مؤطا امام مالکؒ کی شرح "أوجز المسالک" میں حدیث بالا کے ٹکڑے "لغاز فی سبیل اللہ" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"هذا احد التفاسير في قوله تعالى في مصارف الصدقة وفي سبيل الله قال الباجي هو الغزو والجهاد قاله مالك وجمهور الفقهاء وقال ابن حنبل الحج. قلت وبالأول قال ابو يوسف وبالثاني قال محمد وفي

---

[۱] المحلی لابن حزم، جلد ۴، جزء ۶، ص ۱۵۱، دار الفکر بیروت۔

البدائع فی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجا قلت لکن المراد ھہنا الأول لتقیید الحدیث بغاز فی سبیل اللہ"[1]

مولانا عبید اللہ مبارک پوری مشکوٰۃ المصابیح کی شرح مرقاۃ المفاتیح میں مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ پر تفصیلی بحث کرتے ہیں، اور اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"القول الراجح عندی ھو ماذھب الیہ الجمھور من ان المراد بہ الغزو والجھاد خاصۃ لان سبیل اللہ اذا اطلق فی عرف الشرع فھو فی الغالب واقع علی الجھاد حتی کأنہ مقصور علیہ قال ابن العربی فی احکام القرآن" قولہ فی سبیل اللہ قال مالک سبل اللہ کثیرۃ ولکنی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللہ ھہنا الغزو لحدیث عطا ابن یسار الذی نحن فی شرحہ وھو حدیث صحیح مفسر لقولہ" فی سبیل اللہ" فی الآیۃ، فیجب حملہ علیہ ولم ارھنہ جیوا باشافیا من: احد"[2]

میرے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ اور جہاد مراد ہے کیونکہ شریعت کے عرف میں جب سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اکثر وہ جہاد پر محمول ہوتا ہے گویا کہ سبیل اللہ جہاد کے لیے مخصوص ہے۔ ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے، فی سبیل اللہ کے بارے میں امام مالک نے فرمایا ہے اللہ کی راہیں (سبیل اللہ) اگرچہ بہت ہیں لیکن مجھے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں معلوم کہ یہاں پر سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ جمہور کا قول عطا ابن یسار کی اس حدیث کی وجہ سے بھی راجح ہے جس کی ہم اس وقت شرح کر رہے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور

---

[1] اوجز المسالک ۳/۲۲۳

[2] مرعاۃ المفاتیح جز ثالث، ص ۱۱۰، ط اول۔

آیت مصارف میں مذکور فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرتی ہے لہٰذا فی سبیل اللہ کو مجاہدین پر محمول کرنا واجب ہے۔ جمہور کے اس استدلال کا کوئی تشفی بخش جواب میں نے مخالفین کی طرف سے نہیں دیکھا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث مرفوع زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تفسیر سے متعلق نہیں ملتی۔ ہاں اس سلسلہ میں بعض تابعین کے آثار ضرور ملتے ہیں۔

اس سلسلے کے دو آثار یہاں نقل کیے ہیں۔ مشہور مفسر امام ابن جریر طبری نے فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"واما قوله (وفی سبیل اللہ) فانه یعنی وفی النفقة فی نصرة دین اللہ وطریقه وشریعته التی شرعها لعباده بقتال اعدائه وذلک هو غزو الکفار وبالذی قلنا فی ذلک قال اهل التاویل ذکر من قال ذلک حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وهب قال قال ابن زید فی قوله (وفی سبیل اللہ) قال الغازی فی سبیل اللہ"[1]

علامہ سیوطی الدر المنثور میں لکھتے ہیں:

"(وفی سبیل اللہ) اخرج ابن ابی حاتم عن مقاتل فی قوله (وفی سبیل اللہ) قال هم المجاهدون واخرج ابن ابی حاتم وابو الشیخ عن ابن زید فی قوله (وفی سبیل اللہ)"[2]

ابن جریر طبری کی روایت میں جو ابن زید مذکور ہیں ان سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مراد ہیں۔ موصوف تابعین میں سے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں طبقۂ تابعین کے مختلف مفسرین کا ذکر کیا ہے۔ اس فہرست میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا نام بھی شامل ہے۔ ان مفسرین کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] جامع البیان ۱۴/۳۲۰، تحقیق محمود شاکر

[2] الدر المنثور ۳/۲۵۲

"فہولاء قدماء المفسرین وغالب اقوالہم تلقوہا عن الصحابۃ"[1]

یہ لوگ قدمائے مفسرین ہیں، ان کے اکثر اقوال صحابہ کرام سے سیکھے ہوئے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ "مقدمۃ فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں:

"اعلم الناس بالتفسیر اہل مکۃ لانہم اصحاب ابن عباس کمجاہد وعطاء بن ابی رباح وعکرمۃ مولیٰ ابن عباس وسعید بن جبیر وطاؤس وغیرہم وکذالک فی الکوفۃ اصحاب ابن مسعود وعلماء اہل المدینۃ فی التفسیر مثل زید بن اسلم الذی اخذ عنہ ابنہ عبد الرحمٰن بن زید ومالک بن انس اھ"

علامہ جلال الدین سیوطی نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے جو جملہ روایت نقل کی ہے اس میں مقاتل سے مقاتل بن سلیمان مراد ہیں۔ امام شافعیؒ نے ان کی تفسیر کو صالح قرار دیا ہے، لیکن ناقدین رجال کی نظر میں ان کی شخصیت بہت کچھ مختلف فیہ ہے۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم اور مقاتل بن سلیمان کے مذکورہ بالا اقوال و آثار کو اس بنا پر زیادہ تقویت مل جاتی ہے کہ جمہور فقہاء و مجتہدین نے فی سبیل اللّٰہ کی وہی تفسیر اختیار کی ہے جو ان دونوں حضرات سے منقول ہے۔

فی سبیل اللہ اور مفسرین اسلام

جمہور مفسرین کے نزدیک فی سبیل اللّٰہ سے مراد دین کی سربلندی کے لیے کفار سے قتال ہے اور فی سبیل اللّٰہ کے مصداق راہ خدا میں غزوہ و قتال کرنے والے مجاہدین ہیں۔ قدیم تفاسیر میں مستند ترین تفسیر ابن جریر طبری کی "جامع البیان" مانی جاتی ہے۔ جامع البیان بعد میں لکھی جانے والی تمام تفاسیر کا بنیادی ماخذ ہے۔ طبری کا دستور یہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں اگر اختلاف ہوتا ہے تو عموماً مختلف اقوال کو ذکر کر کے کسی قول کو ترجیح دیا کرتے ہیں، لیکن انھوں نے فی سبیل اللہ کے بارے میں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا ہے۔ ابن جریر کی تفسیر درج ذیل ہے:

---

[1] الاتقان، جلد ۲، ص ۳۱۸

"أما قوله في سبيل الله فإنه يعني وفي النفقة في نصرة دين الله وطريقه وشريعته التي شرعها لعباده بقتال أعدائه وذلك هو غزو الكفار وبالذي قلنا في ذلك قال أهل التأويل.......
حدثني يونس قال أخبرنا ابن وهب قال قال ابن زيد في قوله "في سبيل الله" قال الغازي في سبيل الله"[۱]

فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کے دشمنوں یعنی کفار سے قتال کر کے اللہ کے دین، راستے اور اللہ کی شریعت کی نصرت کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ غرضیکہ اس سے مراد کفار سے جنگ کرنا ہے۔ ہم نے فی سبیل اللہ کی جو تفسیر بیان کی ہے وہی تفسیر دوسرے علماء تفسیر نے بھی بیان کی ہے۔ مجھ سے یونس نے بیان کیا کہ انہیں ابن وہب نے خبر دی کہ ابن زید نے فرمایا فی سبیل اللہ کا مصداق راہ خدا میں جہاد کرنے والا شخص ہے۔

اس کے بعد ابن جریر نے دو احادیث درج کی ہیں جن سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن کی کوئی بھی مستند تفسیر اٹھا کے دیکھ لیجیے ہر جگہ میں آپ کو یہی ملے گا کہ جمہور مفسرین و مجتہدین کے نزدیک "فی سبیل اللہ" سے مراد راہ خدا میں غزوہ و قتال کرنے والے مجاہدین ہیں۔ ہاں صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور مجتہدین میں امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحٰق بن راہویہ کا یہ قول تفسیر و فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حج کرنے والے افراد بھی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل ہیں۔

مشہور مفسر و فقیہ قاضی ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) نے اپنی مایہ ناز کتاب احکام القرآن میں فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال مالك سبل الله كثيرة ولكني لا أعلم خلافا في أن المراد بسبيل الله هنا الغزو من جملة سبيل الله إلا ما يؤثر عن أحمد و إسحاق فإنهما قالا إنه الحج والذي يصح عندي من قولهما أن

---

[۱] جامع البیان فی تفسیر القرآن ۱۰/۱۱۳، جز ۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

الحج من جملة السبل مع الغزو لأنه طريق بر وهذا يحل عقد الباب ويخرم قانون الشريعة بنحل سلك النظر وماجاء قط باعطاء الزكاة في الحج اثر ۱؎

امام مالکؒ نے فرمایا۔ اللہ کی راہیں بہت ہیں لیکن مجھے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں معلوم کہ اس مقام پر اللہ کی تمام راہوں میں سے راہِ خدا میں جہاد مراد ہے۔ ہاں احمد ابن حنبلؒ اور اسحاقؒ سے منقول ہے کہ فی سبیل اللہ سے حج مراد ہے۔ میرے نزدیک ان دونوں کے قول کا صحیح محمل یہ ہے کہ جہاد کے ساتھ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، کیوں کہ وہ بھی نیکی کا کام ہے۔ فی سبیل اللہ کی یہ تفسیر بند دروازہ کھول دے گی، قانون شریعت میں شگاف ڈال دے گی اور استدلال کی لڑی کو بکھیر دے گی۔ حج کی مد میں زکوۃ دینے کے بارے میں ایک حدیث بھی نہیں آئی ہے۔

یہ اقتباس ان لوگوں کے لیے بڑا فکر انگیز ہے جو فی سبیل اللہ کا لفظی عموم دیکھ کر سلف کے اجماع سے آنکھیں بند کر کے ہر کارِ خیر کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔

ابو عبداللہ محمد ابن احمد انصاری قرطبی اپنی مشہور تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

" قوله تعالى "وفي سبيل الله" وهم الغزاة وموا ضع الرباط يعطون ماينفقون في غزوهم كانوا اغنياء أو فقراء وهذا قول اكثر العلماء وهو تحصيل مذهب مالك رحمه الله وقال ابن عمر الحجاج والعمار ويؤثر عن احمد واسحاق رحمهما الله انهما قالا، سبيل الله الحج ۲؎

مشہور مفسر و فقیہ امام جصاص رازیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) فی سبیل اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" وفي سبيل الله روى ابن ابي ليلى عن عطية العوفي عن ابي سعيد الخدريؓ

۱؎ احکام القرآن لابن العربی ۲/۹۶۹

۲؎ الجامع لاحکام القرآن، جز ثامن ۸/۱۸۵

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحل الصدقة لغنی الا فی سبیل اللہ أو ابن السبیل أو رجل لہ جار مسکین تصدق علیه فاهدی له واختلف الفقهاء فی ذلك فقال القائلون هی للمجاهدین الاغنياء منهم والفقراء وهو قول الشافعی وقال الشافعی لا يعطى منها الا الفقراء منهم ولا يعطى الاغنياء من المجاهدين فان اعطوا ملكوها واجزأ المعطى وان لم يصرفه فی سبيل اللہ لان شرطها تمليكه وقد حصل لمن هذه صفته، فاجزأ وقد روی ان عمر تصدق بفرس فی سبيل اللہ فوجده يباع بعد ذلك فاراد ان يشتری فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعد فی صدقتك فلم يمنع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المحمول على الفرس فی سبيل اللہ من بيعها وان اعطى حاجا منقطعا به اجزی ايضا وقد روی عن ابن عمرؓ ان رجلا اوصى بماله فی سبيل اللہ فقال ابن عمر ان الحج فی سبيل اللہ فاجعله فيه وقال محمد ابن الحسن فی السير الكبير فی رجل اوصى بثلث ماله فی سبيل اللہ انه يجوز أن يجعل فی الحاج المنقطع به وهذا يدل على ان قوله تعالى وفی سبيل اللہ قد اريد به عند محمد الحاج المنقطع به. وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال الحج والعمرة من سبيل اللہ روی عن ابی يوسف فی من اوصى بثلث ماله فی سبيل اللہ انه الفقراء الغزاةؒ[1]

ظاہر ہے کہ مفسرین نے عموماً فی سبیل اللہ کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ہیں پہلا قول جمہور مفسرین و فقہا کا ہے، جس کے مطابق فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین ہیں۔ اور دوسرا

---

[1] احکام القرآن للجصاص، جزء ۳، ص ۱۲۹

قول یہ ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں شامل ہے۔

فقہاء کے اقوال وآراء

کتب تفسیر کے مذکورہ بالا اقتباسات سے فقہاء مجتہدین کی فی سبیل اللہ کے بارے میں آراء واضح ہو چکی ہیں۔ پھر بھی ہم کتب فقہ وغیرہ سے چند مزید اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے فقہاء مجتہدین کے اقوال اور دلائل زیادہ آئینہ ہو کر سامنے آجائے۔ مشہور فلسفی وفقیہ ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ) نے فی سبیل اللہ کے بارے میں مجتہدین امت کے مذاہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے،

"واما فی سبیل اللّٰہ فقال مالک سبیل اللّٰہ مواضع الجھاد والرباط وبہ قال ابوحنیفۃ وقال غیرہ الحجاج والعمار وقال الشافعی ھو الغازی جار الصدقۃ[1]

فی سبیل اللہ کے بارے میں امام مالکؒ نے فرمایا، اس سے مراد جہاد و رباط کی جگہیں ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ اس سے مراد حج اور عمرہ کرنے والے لوگ ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا، اس کا مصداق وہ غازی ہے جو صدقہ نکالنے کی جگہ کا رہنے والا ہو۔

مشہور حنبلی فقیہ صاحب "الشرح الکبیر علی متن المقنع" نے زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

"امام احمدؒ کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ حج فی سبیل اللہ کے اندر آتا ہے کہ نہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم حج میں صرف نہیں کی جائے گی۔ یہی مسلک امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ امام سفیان ثوری، شافعی، ابوثور اور ابن المنذر کا ہے۔ اور یہی مسلک زیادہ صحیح ہے کیوں کہ سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں سبیل اللہ استعمال کیا گیا ہے سوا دو چند جگہوں کو چھوڑ کر اس سے جہاد ہی مراد ہے

---

[1] بدایۃ المجتہد ۱/۲۷۸ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر

روى مثله عن ابن عمرؓ واستدل له بحديث أم معقل الصحابية رضى الله عنها قالت لما حج رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع وكان لنا جمل فجعله ابومعقل فى سبيل الله وأصابنا مرض نهلك أبومعقل وخرج النبى صلى الله عليه وسلم فلما فرغ من حجه جئته فقال: يا أم معقل ما منعك أن تخرجى معنا ؟ قالت: فقلت لقد تهيأنا فهلك ابومعقل وكان لنا جمل هو الذى نحج عليه فأوصى به ابومعقل فى سبيل الله قال فهلا خرجت عليه ؟ فإن الحج فى سبيل الله.

وعن ابن عباس رضى الله عنها قال: أراد رسول الله صلى الله صلى الله عليه وسلم الحج فقالت: امرأة لزوجها: احجنى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما عندى ما احجك عليه، فقالت: أحجنى على جملك فلان قال: ذلك حبيس فى سبيل الله عزوجل فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إن امرأتى تقرأ عليك السلام ورحمة الله وانها سألتنى الحج معك قالت: أحجنى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت ما عندى ما أحجك عليه فقالت احجنى على جملك فلان فقلت ذلك حبيس فى سبيل الله فقال: أما انك لو احججتها عليه كان فى سبيل الله (قال) وانها أمرتنى أن أسئلك مايعدل حجة معك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرأها السلام ورحمة الله تعالى وبركاته واخبرها انها تعدل حجة (معى) يعنى عمرة فى رمضان - رواهما ابوداؤد فى سننه فى أواخر كتاب الحج فى باب العمرة والثانى اسناده صحيح وأما الأول حديث أم معقل فهو من رواية محمد ابن اسحاق وقال فيه (عن) وهو

مدلس والمدلس اذا قال (عن) لا يحتج به بالاتفاق ۔

واحتج أصحابنا بأن المفهوم في الاستعمال المتبادر إلى الافهام ان سبيل اللّٰه تعالیٰ هو الغزو وأكثر ما جاء في القرآن العزيز كذلك واحتج الأصحاب أيضاً بحديث ابی سعید السابق فی فصل الغارمین " لا تحل الصدقة لغنی إلا لخمسة " فذكر منهم الغازی ولیس فی الاصناف الثمانية من يعطی باسم الغزاة إلا الذين يعطيهم من سهم سبيل اللّٰه تعالیٰ ۔ واما الحديثان اللذان احتج بهما (فالاول) ضعيف كما سبق (والجواب) عن الثانی أن الحج يسمی سبيل اللّٰه ولكن الآية محمولة علی الغزو لما ذكرناه[۱]

فی سبیل اللّٰہ اور فقہائے احناف

فی سبیل اللّٰہ کے بارے میں فقہاء احناف کی آراء کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک عاملین زکوٰۃ اور مؤلفۃ قلوب کے علاوہ زکوٰۃ کے تمام مصارف میں استحقاق زکوٰۃ کے لیے فقر کی شرط ہے یعنی فی سبیل اللّٰہ کا مصداق جس طبقہ کو بھی قرار دیا جائے وہ فقر اور حاجت مند ہونے ہی کی صورت میں زکوٰۃ کا مستحق ہوگا۔ اس لیے فی سبیل اللّٰہ کے مصداق کے بارے میں فقہاء احناف کے درمیان جو بھی اختلاف ہو وہ زکوٰۃ کے تعلق سے لفظی اختلاف ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس تمہید کے بعد فی سبیل اللّٰہ کے بارے میں فقہاء احناف کا مسلک لکھا جاتا ہے :

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے :

" (وفی سبيل اللّٰه منقطع الغزاة عند ابی يوسف) لانه المتفاهم عند الاطلاق (وعند محمد رحمه اللّٰه منقطع الحاج) لما روی ان رجلا جعل بعيرا له فی سبيل اللّٰه فامره رسول اللّٰه

---

[۱] كتاب المجموع شرح المهذب ۱۵۸/۶-۱۵۹ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان یحمل علیہ الحاج ولا یصرف إلی اغنیاء الغزاۃ عندنا لان المصرف ھو الفقراء[1]

امام یوسفؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق محتاج غازی ہیں، کیوں کہ مطلق بولے جانے کی صورت میں وہی متبادر ہوتے ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس کا مصداق ضرورت مند حاجی ہیں کیوں کہ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنا ایک اونٹ راہ خدا میں نذر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس پر حج کرنے والے کو سوار کرے۔ مالدار غازیوں کو ہمارے نزدیک زکوٰۃ نہیں دی جائے گی کیوں کہ مصرف زکوٰۃ فقراء ہی ہیں۔

مشہور محدث وفقیہ علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"قولہ (وفی سبیل اللہ) وھو منقطع الغزاۃ عند ابی یوسف ومنقطع الحاج عند محمد وفی المبسوط (وفی سبیل اللہ) فقراء الغزاۃ عند ابی یوسف وعند محمد فقراء الحاج وقال ابن المنذر وفی الاشراف قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد سبیل اللہ ھو الغازی غیر الغنی وحکی ابو ثور عن ابی حنیفۃ انہ الغازی دون الحاج وذکر ابن بطال انہ قول ابی حنیفۃ و مالک والشافعی ومثلہ النووی فی شرح المہذب"[2]

ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں تمام ائمہ احناف کے نزدیک فقر کی شرط لگانے کے بعد شیخین (امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ) اور امام محمدؒ کا اختلاف زکوٰۃ کے بارے میں زیادہ موثر اور نتیجہ خیز نہیں رہ جاتا پھر بھی فقہاء احناف نے عموماً شیخین کے قول کو صحیح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صاحب اوجز المسالک شرح موطا امام مالک میں لکھتے ہیں:

"وفی شرح الاحیاء قال ابوحنیفۃ ھذا السہم مخصوص بجنس خاص من الغزاۃ وھو الفقیر المنقطع منہم وبہ فسر فی سبیل اللہ

---

[1] ھدایہ ۱/۱۸۵ [2] عمدۃ القاری ۹/۴۵

وبه قال ابو يوسف وهو المفهوم من اللفظ عند الاطلاق فلا يصرف الى اختيار الغزاة واختاره النسفي وقال الاسبيجابي هو الصحيح وقال الاتقاني هو الاظهر[۱]

مشہور حنفی فقیہ علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

"وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة وقيل الحاج وقيل طلبة العلم وفسره في البدائع بجميع القرب وثمرة الاختلاف في نحو الاوقاف فلو وقف او وصى لمنقطع الغزاة .... وهذا التفسير اختيار ابي يوسف كان في غاية البيان وهو الاظهر وقال الاسبيجابي انه الصحيح هو .... وقد علمت ان المختار قول ابي يوسف"[۲]

مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) نے امام محمدؒ کے استدلال پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ثم فيه نظر لان المقصود ما هو المراد بسبيل الله المذكور في الآية والمذكور في الحديث لا يلزم كونه اياه لجواز انه اراد الامر الاعم وليس ذلك المراد في الآية بل نوع مخصوص والا فكل الاصناف في سبيل الله بهذا المعنى"[۳]

میرے مطالعہ و تحقیق کی حد تک فقہاء احناف میں فی سبیل اللہ کے مصداق میں تعمیم کرنے والے پہلے شخص ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود (متوفی ۵۸۷ھ) ہیں۔ ملک العلماء کاسانی صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) کے معاصر ہیں۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"واما قوله تعالى وفي سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا"[۴]

---

۱ البحر الرائق ۲/۲۴۳ ۲ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۱/۴۳۶، طبع ۱۲۸۳

۳ فتح القدیر ۲/۲۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان ۴ بدائع الصنائع ۲/۴۵

اللہ تعالیٰ کے قول وفی سبیل اللہ سے مراد تمام امور خیر ہیں، لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت اور امور خیر میں سعی کرے بشرطیکہ وہ شخص محتاج ہو۔

کاسانی کے بعد دوسرے شخص صاحب فتاویٰ ظہیریہ ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد (متوفی ۶۱۹ھ) ہیں، انھوں نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا۔ بعد کے فقہاء نے برسبیل تذکرہ ان دونوں کی رائے بھی نقل کر دی لیکن ترجیح جمہور کے مسلک کو دی جاتی رہی۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جمہور مفسرین وفقہاء کے مقابلہ میں ان دونوں حضرات کی رائیں زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ جمہور کے مسلک کی تائید بعض احادیث مرفوعہ اور آثار سے ہوتی ہے اور اگر ان رایوں کو قابل لحاظ قرار دیا جائے تو بھی اس تعمیم سے زکوٰۃ کے مسئلہ میں کوئی حقیقی اختلاف پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ ملک العلماء کاسانی وغیرہ کے نزدیک فی سبیل اللہ کے مصرف میں فقر واحتیاج کی شرط ضروری ہے۔ کاسانی وغیرہ کے نقطۂ نظر سے غازیوں کے علاوہ جو لوگ اس مصرف میں داخل ہوئے وہ سب زکوٰۃ کے پہلے مصرف (فقراء) میں پہلے سے داخل تھے اسی وجہ سے شیخ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

"اما مانقل عن البدائع عن تفسيره بجميع القرب والطاعات فقد اشترط فيه تمليك الزكوٰة لشخص فلا تعطى لجهة عامة كما اشترط فيه ان يكون الشخص فقيرا لهذا لايخرج هذا الرای عن دائرة المضيقين فی مدلول سبيل الله"[1]

بدائع میں سبیل اللہ کی جو تفسیر تمام کارہائے خیر اور طاعات سے کی گئی ہے اس میں صاحب بدائع نے کسی شخص کو زکوٰۃ کا مالک بنانے کی شرط لگائی ہے۔ لہٰذا کسی رفاہ عامہ کی مد میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اسی طرح یہ بھی شرط لگائی ہے کہ جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے وہ فقیر ہو۔ لہٰذا یہ رائے بھی سبیل اللہ کے مفہوم میں تنگی کرنے والوں کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔

---

[1] فقه الزكوٰة ۲/۶۴۲ طبع دارالارشاد بیروت

فی سبیل اللہ اور اجماعِ امت

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" پر اگر ہم ایک اور پہلو سے غور کریں تو کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچنے میں زیادہ آسانی ہوگی، وہ پہلو یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی چند صدیوں میں یہ بات متفق علیہ اور اجماعی رہی کہ مسجد کی تعمیر، رفاہی کاموں اور مختلف متعین نیک کاموں (مثلاً تکفین میت) میں زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اب اگر ہم فی سبیل اللہ کو عام کر کے تمام رفاہی کاموں اور نیک کاموں کو اس کے دائرے میں لے آئیں تو اس سے صدیوں تک برقرار اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔

تعمیر مسجد وغیرہ میں زکوٰۃ صرف کرنے کا عدم جواز بیان کرتے ہوئے امام شافعیؒ کے معاصر امام ابوعبید قاسم بن سلام لکھتے ہیں:

"فاما قضاء الدین عن المیت والعطیة فی کفنه وبنیان المساجد واحتفار الانهار وما اشبه ذلك من انواع البر فان سفیان واهل العراق وغیرهم من العلماء یجمعون علی ان ذلك لایجزئ من الزکوٰة لانه لیس من الاصناف الثمانیة .... وقد اجمعت العلماء ان لایعطی من الزکوٰة فی دین میت"[1]

صاحب "الافصاح عن معانی الصحاح" عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ (متوفی ٥٦٠ھ) اس بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کرتے ہیں:

"واتفقوا علی انه لایجوز ان تخرج الزکوٰة الی بناء مسجد ولاتکفین میت وان کان من القرب لتعیین الزکوٰة لما عینت له"[2]

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کی تکفین میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں اگرچہ یہ سب کارِ خیر ہیں کیونکہ زکوٰۃ چند مصارف کے لیے متعین کر دی گئی ہے۔

---

[1] کتاب الاموال، ص ٦٠٣، طبع دارالکتب العلمیة بیروت

[2] الافصاح عن معانی الصحاح ١/٢٢٣

ابن ہبیرہ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

"ہبیرہ اتفاق ابی حنیفۃ ومالک والشافعی واحمد واصحابہم علی عدم تجویز ذلک وھذا نتیجۃ اتفاق من قبلہم من فقہاء الصحابۃ والتابعین"[1]

ابن ہبیرہ کی مراد یہ ہے کہ ان کاموں میں زکوٰۃ صرف کرنے کے عدم جواز پر امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ان حضرات کے شاگردوں کا اتفاق ہے اور ان حضرات کا اتفاق ان سے پہلے گزرے ہوئے فقہاء، صحابہ و تابعین کے اتفاق کا نتیجہ ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہری المحلی میں فی سبیل اللہ کی بحث میں لکھتے ہیں:

"لاخلاف فی انہ لم یرد کل وجہ من وجوہ البر فی قسمۃ الصدقات"[2]

یہ بات متفق علیہ ہے کہ صدقات کی تقسیم میں سبیل اللہ سے مراد نیکی کے تمام کام نہیں ہیں۔

تعمیر مسجد وغیرہ میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کے عدم جواز پر اجماع نقل کرنے کے بعد چاروں معروف و مروج فقہی مسالک کی مستند کتابوں سے اس مسئلہ کے بارے میں ایک ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

مشہور حنفی فقیہ ملک العلماء کاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

"وعلی ھذا یخرج صرف الزکاۃ الی وجوہ البر من بناء المساجد والرباطات والسقایات واصلاح القناطر وتکفین الموتی ودفنہم انہ لایجوز لانہ لم یوجد التملیک اصلاً"[3]

اس سے معلوم ہوا کہ مسجدوں، رباطوں اور سقایوں کی تعمیر، پلوں کی درستگی، مردوں کی تکفین و تدفین میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں، کیوں کہ ان میں تملیک بالکل نہیں پائی جاتی۔

فقہ مالکی کی مستند ترین کتاب "الخرشی علی مختصر سیدی خلیل" میں تحریر ہے

---

[1] مقالات الکوثری، ص ۱۰۹
[2] المحلی جلد ۳ جزء ۶، ص ۱۵۱، طبع دارالفکر بیروت۔
[3] بدائع الصنائع ۳۹/۱

"ولا یجوز صرف شیء من الصدقات فی غیر الوجوہ المذکورۃ من عمارۃ المساجد او بناء القناطر او تکفین الموتی او فک الاساری او غیر ذلک من المصالح"[1]

اوپر ذکر کردہ مدوں کے علاوہ کسی اور مد میں زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں مثلاً مسجدوں یا پلوں کی تعمیر یا مُردوں کی تکفین، قیدیوں کی رہائی یا ان کے علاوہ دوسرے رفاہی کام۔

فقہ شافعی کے مشہور متن "فتح المعین" میں ہے:

"ولا یصرف من الزکاۃ شیء لکفن میت او بناء مسجد"[2]

زکوٰۃ میں سے کچھ بھی میت کی تکفین یا مسجد کی تعمیر میں صرف نہیں کیا جائے گا۔

مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ) اپنی مشہور کتاب "المغنی" میں لکھتے ہیں:

"ولا یجوز صرف الزکاۃ الی غیر من ذکر اللہ تعالی من بناء المساجد والقناطر والسقایات واصلاح الطرقات وسد البثوق وتکفین الموتی والتوسعۃ علی الاضیاف واشباہ ذلک من القرب التی لم یذکرہا اللہ تعالی"[3]

اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ مصارف کے علاوہ دوسرے کاموں میں زکوٰۃ صرف کرنا درست نہیں، مثلاً مسجدوں، پلوں، سقایوں کی تعمیر، راستوں کی درستگی، دریا کے پشتوں کی مرمت، مُردوں کی تکفین، مہمانوں کی خاطر داری، اور اس طرح کے دوسرے نیک کام جنہیں اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ میں ذکر نہیں فرمایا۔

اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں مجاہدین کے داخل ہونے پر امت کا اجماع ہے، جو حضرات فی سبیل اللہ کے دائرے میں حاجیوں کو

---

[1] الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ۲/۲۱۹، طبع دار صادر بیروت۔

[2] فتح المعین بشرح قرۃ العین، ص ۵۲

[3] المغنی مع الشرح الکبیر ۲/۶۶۷

شامل کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی مجاہدین فی سبیل اللہ میں آتے ہیں، قاضی ابوبکر بن العربی کا جو اقتباس مفسرین کے اقوال و آراء کے ضمن میں پیش کیا جا چکا ہے اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اور ابن قدامہ حنبلیؒ وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"فاما الجهاد فهو اعظم سبيل الله بالنص والاجماع وكذلك الحج في الاصح[1]"

جہاد سبیل اللہ کا عظیم ترین فرد ہے نص اور اجماع کی بنا پر، اسی طرح صحیح تر قول کے مطابق حج بھی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

ابن قدامہ حنبلی صاحب المقنع کے قول "السابع في سبيل الله" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لا خلاف في استحقاقهم وبقاء حكمهم ولا خلاف في انهم الغزاة لان سبيل الله عند الاطلاق هو الغزو[2]"

ان تصریحات کو نقل کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ دور حاضر کے بعض مصنفین نے فی سبیل اللہ کو عام کرنے کے جوش میں یہ دعویٰ کر دیا کہ فی سبیل اللہ کے دائرے میں مجاہدین کا شامل ہونا بھی مختلف فیہ رہا ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر دو نام پیش کیے جاتے ہیں، صحابہ میں حضرت ابن عمرؓ کا اور فقہاء مجتہدین میں امام محمد بن الحسن شیبانیؒ کا۔ یہاں پر ہم حضرت ابن عمرؓ اور امام محمد بن الحسنؒ سے ایسی صراحتیں نقل کرنا چاہتے ہیں جن سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک بھی مجاہدین فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حافظ ابو محمد عبدالغنی نے تخریج کی ہے...... عبدالرحمٰن ابن ابی نُعم (جن کی کنیت ابوالحکم ہے) بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھا، اسی دوران ایک خاتون حاضر ہوئیں اور حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا: اے ابو عبدالرحمٰن میرے شوہر نے اپنا مال

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ ۳۴/۱۳۔ مطبوعہ دارالافتاء۔ ریاض

[2] الشرح الکبیر علی المقنع ۲۳۹/۱

فی سبیل اللہ دینے کی وصیت کی تھی، میں اسے کہاں خرچ کروں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا
اس کی وصیت کے مطابق وہ مال فی سبیل اللہ خرچ کرو۔ میں نے عرض کیا، اس خاتون کے
سوال کا آپ نے تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، اے ابن ابی نعم تمہاری کیا
رائے ہے، کیا میں خاتون کو یہ حکم دوں کہ وہ مال ان فوجیوں کو دے جو زمین میں فساد برپا کرتے
ہیں اور رہزنی کرتے ہیں۔ ابن ابی نعم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا، پھر آپ
عورت کو وہ مال کہاں خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، میں اسے حکم
دیتا ہوں کہ یہ مال صالحین کی جماعت کو دے یعنی بیت اللہ کے حاجیوں کو، وہ لوگ اللہ کے مہمان
ہیں۔ وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں، وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں، شیطان کے وفد کی طرح نہیں
ہیں (حضرت ابن عمرؓ نے یہ باتیں تین بار فرمائی) میں نے عرض کیا اے ابو عبدالرحمٰن شیطان
کا وفد کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا: جو لوگ ان امراء کے پاس جا کر چغلیاں کھاتے ہیں، مسلمانوں
کی جھوٹی شکایتیں کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انہیں انعامات اور عطیوں سے نوازا جاتا ہے۔ [1]

اس روایت سے دو باتیں بہت کھل کر واضح ہو جاتی ہیں:

(۱) عہد صحابہ میں فی سبیل اللہ کا مصداق عموماً مجاہدین کو سمجھا جاتا تھا، اسی لیے حضرت ابن عمرؓ نے ابن ابی نعم کے ٹوکنے پر فوراً یہ سمجھا کہ وہ اس زمانے کی عام رائے کے مطابق فی سبیل اللہ کا مصداق صرف فوجیوں کو سمجھتے ہیں اور جب حضرت ابن عمرؓ نے وہ مال وصیت فوجیوں کو دینے کی مخالفت کی تو ابن ابی نعم نے حیرت سے پوچھا کہ پھر وہ مال آپ کہاں خرچ کرنے کا حکم دیں گے۔

(۲) اس روایت سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی کہ حضرت ابن عمرؓ فی سبیل اللہ کی مد میں وصیت شدہ مال فوجیوں کو دینے کی مخالفت اس لیے نہیں کر رہے تھے کہ ان کے نزدیک فی سبیل اللہ میں مجاہدین شامل نہیں تھے بلکہ ان کی مخالفت کی بنیاد یہ تھی کہ ان کی رائے میں اس دور کے فوجی صحیح طور پر راہِ خدا میں جہاد نہیں کر رہے تھے بلکہ زمین میں فتنہ و فساد مچا رہے تھے اور رہزنی کر رہے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک مجاہدین فی سبیل اللہ میں شامل تھے اس کا بہت واضح ثبوت

---

[1] الجامع الاحکام القرآن جلد ۳، جزء ۲، ص ۱۸۵

مؤطا امام مالکؒ کی ایک روایت سے ملتا ہے۔

"مالک عن نافع عن عبد اللّٰہ بن عمر انہ کان اذا اعطی شیئاً فی سبیل اللّٰہ یقول لصاحبہ اذا بلغت وادی القری فشانک بہ"[1]

امام مالکؒ نافع سے روایت کرتے ہیں وہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے تھے کہ جب وہ کسی کو فی سبیل اللہ کوئی چیز دیتے تھے تو اس سے کہتے کہ جب وادی القریٰ پہنچ جاؤ تو پھر اس میں جس طرح چاہو تصرف کرو۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں:

"(عن عبد اللّٰہ بن عمر انہ کان اذا اعطی) الرجل (شیئاً) کالنفقة والفرس والسلاح (فی سبیل اللّٰہ) ای لیغزوا مع ذلک (یقول لصاحبہ) المعطی (اذا بلغت) بصیغة الخطاب (وادی القری) بضم القاف وفتح الراء مقصور موضع بقرب المدینة لانہ راس المغزاة فمنہ یدخل الی ارض الشام فانہ الثغر ...... (فشانک بہ) بالرفع فی اکثر النسخ ای امرک وخطبک متلبس بہ واشار صاحب المحلی الی النصب اذ قال فالزم شانک بالشیء المعطی وما قیل الا فعل مرجع بہ الی نفسک۔ انتہی وعلم منہ ان حملہ علی التملیک فی وادی القری فی الذهاب للغزو"[2]

کتب فقہ میں امام محمدؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق منقطع الحاج کو قرار دیا گیا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین نہیں ہیں دوسرے ائمہ کی طرح امام محمدؒ کے نزدیک بھی غزوہ و جہاد کرنے والے فی سبیل اللہ کا اولین مصداق ہیں۔ امام محمدؒ نے اپنی مشہور کتاب "مؤطا امام محمدؒ" میں "لا تحل الصدقة لغنی" والی حدیث روایت کرتے

۱۔ مؤطا امام مالک کتاب الجہاد باب العمل فیمن اعطی شیئاً فی سبیل اللّٰہ۔

۲۔ اوجز المسالک جلد ۸ ص ۲۳۳

کے بعد جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کا یہ موقف اور نقطۂ نظر صحت و واضح طور پر سامنے آتا ہے:

"اخبرنا مالک حدثنا زید بن اسلم عن عطاء بن یسار ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لاتحل الصدقة لغنی الالخمسة لغاز فی سبیل اللّٰہ اولعامل علیہا اولغارم اولرجل اشتراھا بمالہ اولرجل لہ جار مسکین تصدق علی المسکین فاھدی الی الغنی قال محمد وبھذا ناخذ والغازی فی سبیل اللّٰہ اذاکان لہ عنہا غنی یقدر بغناہ علی الغزو لم یستحب لہ ان یاخذ منہا شیئاً وکذلک الغارم ان کان عندہ وفاء بہ دینہ وفضل تجب فیہ الزکوٰة لم یستحب لہ ان یاخذ منہا شیئاً وھو قول ابی حنیفة رحمہ اللّٰہ"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، صدقہ (زکوٰۃ) کسی مال دار کے لیے حلال نہیں ہے سوائے پانچ کے. (۱) راہ خدا میں جہاد کرنے والا (۲) زکوٰۃ وصول کرنے والا (۳) مقروض شخص (۴) وہ شخص جس نے اپنے مال سے زکوٰۃ کا مال خریدا (۵) جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو، اس مسکین کو زکوٰۃ کا مال ملا اور اس نے وہ مال اپنے مال دار پڑوسی کو ہدیہ کر دیا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ ہاں غازی کو اگر مال زکوٰۃ کی ضرورت ہو، اپنی تونگری کے ذریعہ وہ جہاد کر سکتا ہو تو اس کے لیے کچھ بھی مال زکوٰۃ لینا مستحب نہیں اسی طرح اگر مقروض شخص کے پاس اتنا مال ہو جس سے قرض ادا کر سکتا ہو، اس کے بعد بھی اس کے پاس اتنا مال بچے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو اس کے لیے کچھ بھی مال زکوٰۃ لینا مستحب نہیں رہی امام ابو حنیفہؒ کا بھی قول ہے۔

اس اقتباس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غازی زکوٰۃ لے سکتا ہے اور یہ حقیقت بھی دو دو چار کی طرح واضح ہے کہ زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف میں غازی صرف مصرف فی سبیل اللہ میں داخل ہو سکتا ہے کسی اور مصرف میں نہیں آسکتا ہے۔

---

[1] مؤطا امام محمد کتاب الزکوٰۃ باب من تحل لہ الصدقة۔

فی سبیل اللہ کی تعمیم کا نظریہ

دورِ حاضر میں جو حضرات فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کے داعی ہیں ان کی طرف سے امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر کے حوالے سے بعض گمنام فقہاء کا قول بڑے جوش و خروش کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ فی سبیل اللہ کی تعمیم کا نظریہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم مختصراً اس حوالہ کا تجزیہ کر کے اس کی علمی و فقہی قدر و قیمت متعین کرنا چاہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے پہلے جمہور مفسرین و فقہاء کا قول نقل کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

"واعلم ان ظاهر اللفظ فی قوله (وفی سبیل الله) لایوجب القصر علی کل الغزاة فلهذا المعنی نقل القفال فی تفسیره عن بعض الفقهاء انهم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارة المساجد لان قوله (وفی سبیل الله) عام فی الکل"[۱]

اللہ تعالیٰ کے قول وفی سبیل اللہ کے ظاہری الفاظ غازیوں میں انحصار ثابت نہیں کرتے۔ اسی کو دیکھتے ہوئے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے تمام نیکی کے کاموں میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز قرار دیا ہے۔ مثلاً مُردوں کی تکفین، قلعوں اور مسجدوں کی تعمیر، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قول فی سبیل اللہ سب کے لیے عام ہے۔

امام رازی نے قفال کی تفسیر کے حوالے سے بعض فقہاء کی رائے نقل کی، اس کی تائید میں ایک حرف بھی نہیں لکھا، نہ ان بعض فقہاء کے ناموں کی نشان دہی کی جس سے ان کا مرتبہ و مقام جانا جا سکے، نہ قفال ہی کا پورا نام لکھا۔

ہمیں حیرت ہے کہ جو حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء مجتہدین کی متفقہ رائے کے مقابلہ میں تفسیر کبیر کا یہ اقتباس بڑی گھن گرج کے ساتھ پیش کرتے ہیں انھوں نے یہ تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ قفال

---

[۱] التفسیر الکبیر ۱۹/۱۱۳

اس کی تائید تصور نہیں کیا جاتا۔ قفال نے بعض مجہول فقہا، کا قول اگر پسندیدگی کی نظر سے بھی نقل کیا ہو تو اسے اس کے دور اعتزال کی یادگار سمجھا جائے گا اور ہم انتہائی ادب سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی درج ذیل عبارت کا اعادہ کریں گے، کیوں کہ عقلیت کے زور میں روایات سے معتزلہ کی لاپرواہی محتاج بیان نہیں۔

"وفی الجملة من عدل من مذاهب الصحابة والتابعین وتفسیرهم
إلی ما یخالف ذلك کان مخطئًا فی ذلك بل مبتدعًا وإن کان مجتهدًا
مغفورًا له خطأه"[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کے مذاہب اور ان کی تفسیر کو ترک کر کے مخالف مذہب اختیار کرنے والا خطاکار بلکہ بدعت کا ارتکاب کرنے والا ہے، اگرچہ ایسا شخص مجتہد ہی ہو، اس کی خطا معاف ہو۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ وہ بعض فقہار کون ہیں جن کا قول قفال نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے؟ اس کی تحقیق اب تک کوئی نہیں کر سکا۔ خدا جانے قفال نے ان بعض فقہا، کا نام ذکر کیا ہے یا نہیں؟ قفال کی تفسیر دستیاب نہیں ہے کہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ قفال کبیر سے پہلے کے فقہا، مجتہدین کی تصنیفات، آرا، اجتہادات کا عظیم الشان ذخیرہ بحمداللہ اسلامی کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ تحقیق و تلاش کی ہفت خواں طے کرنے کے باوجود فی سبیل اللہ میں تعمیم کرنے والے قفال کبیر سے متقدم کسی فقیہ یا مجتہد کا نام پیش نہیں کر سکے جس نے وضاحت کے ساتھ فی سبیل اللہ کو بالکل عام قرار دیا ہو۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ قفال کبیر کو ان بعض فقہا، کی بات سمجھنے میں مغالطہ ہوا، جس طرح مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ متوفی سنہ ۶۲۰ھ غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ ابن قدامہ حنبلی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "المغنی" میں جمہور فقہار کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ کو آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور کار خیر میں خرچ کرنا درست نہیں، مثلاً مساجد، پلوں، راستوں کی تعمیر اور درستگی، میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ۔ اس کے بعد ابن قدامہ نے انس ابن مالک اور حسن البصری کی طرف یہ رائے منسوب کی ہے کہ زکوٰۃ کا مال پلوں اور راستوں کی تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں

---

[1] مقالات الکوثری؛ ص ۱۹۱

سے کون سی شخصیت مراد ہے، وہ کس دور کے تھے اور ان کے کیا رجحانات تھے، نیز وہ بعض گم نام فقہا کون ہیں جن کی رائے قفال نے نقل کی ہے؟

شیخ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکوٰۃ کی فہرس الاعلام (شخصیات کا انڈکس) میں مذکورہ بالا قفال کے بارے میں لکھا ہے:

"لعله القفال الصغير عبد الله بن احمد المتوفى ۴۱۷ھ"[1]

شاید قفال سے مراد قفال صغیر عبداللہ بن احمد متوفی ۴۱۷ھ ہیں۔

میرے خیال میں شیخ یوسف القرضاوی کی یہ قیاس آرائی درست نہیں، اس لیے کہ قفال صغیر کے حالات و تصنیفات میں کسی تفسیر کا ذکر نہیں آتا۔ امام رازی سے قبل تین قفال گزرے ہیں (۱) محمد بن علی اسماعیل القفال الکبیر متوفی ۳۶۵ھ (۲) عبداللہ بن احمد القفال الصغیر متوفی ۴۱۷ھ (۳) محمد بن احمد بن حسین متوفی ۵۰۷ھ۔ ان میں سے دوسرے اور تیسرے قفال کے حالات و تصنیفات میں کسی تفسیر کا ذکر نہیں آتا، ہاں قفال کبیر محمد بن علی بن اسماعیل متوفی ۳۶۵ھ کے حالات میں ان کی تفسیر قرآن کا ذکر آتا ہے لہٰذا میرا خیال یہ ہے کہ امام رازی نے جس قفال کا حوالہ دیا ہے وہ یہی قفال کبیر ہیں۔ میرے اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ داؤدی نے طبقات المفسرین میں امام نووی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قفال کبیر کا ذکر تفسیر، حدیث، اصول، کلام میں بار بار آتا ہے۔ اس کے برخلاف قفال صغیر مروزی کا ذکر صرف علم فقہ میں آتا ہے داؤدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام رازی نے قفال کبیر کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔[2]

قفال کبیر محمد بن علی بن اسماعیل متوفی ۳۶۵ھ ممتاز ترین شافعی عالم ہیں، لیکن ان کے بارے میں کسی معاند نے نہیں بلکہ ایک پرجوش شافعی فقیہ و تذکرہ نگار علامہ تاج الدین سبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے لکھا ہے کہ قفال کبیر اپنے ابتدائی دور میں معتزلی تھے اور ان کی تفسیر اسی زمانۂ اعتزال کی یادگار ہے۔ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:

"حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے کہا، مجھ تک یہ بات پہنچی کہ کبیر اپنے ابتدائی دور میں جادۂ اعتدال

---

[1] فقه الزكوٰة ۲/۱۱۵۵، دار الارشاد، بیروت۔

[2] طبقات المفسرين ۲/۱۹۷۔

تعمیم کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ نے انس بن مالک اور حسن بصری کے مقولہ " ما اعطیت فی الجسور والطرق فہی صدقۃ ماضیۃ " کا یہی مطلب سمجھا کہ پلوں اور راستوں میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنا درست ہے، لیکن مشہور مجتہد ابو عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ نے کتاب الاموال میں بڑی تفصیل کے ساتھ انس بن مالک اور حسن بصری کے مذکورہ مقولہ کی روایت کی ہے۔ ابراہیم نخعی، شعبی وغیرہ سے بھی اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ اور اس مقولہ کا یہ مطلب لیا ہے کہ سڑکوں اور پلوں پر متعین عاشر (حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وعشر وغیرہ وصول کرنے والے) اموال تجارت اور اموال ظاہرہ میں سے جو کچھ وصول کرتے ہیں اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجاتی ہے، میمون بن مہران کا مسلک یہ تھا کہ اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ " باب من قال یحتسب بما اخذ العاشر " میں درج کیا ہے اور ان روایات کا وہی مفہوم سمجھا ہے جو ابو عبید قاسم بن سلام نے بیان کیا، اس لیے بے تردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابن قدامہ حنبلیؒ سے انس بن مالک اور حسن بصری کا مقولہ سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ کیا بعید ہے کہ قفال کبیر کو بھی بعض فقہاء کی اسی طرح کی عبارتوں سے مغالطہ ہوا ہو اور اسی کو بنیاد بنا کر انھوں نے تعمیم والا نظریہ بعض فقہاء کی طرف منسوب کردیا ہو، یہ شبہ اس لیے ہوتا ہے کہ کتب تفسیر وحدیث وفقہ کی طرف کافی مراجعت کے باوجود ہمیں کہیں نہیں ملا کہ قفال کبیر کے معاصر یا متقدم کسی فقیہ نے تمام امور خیر کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہو۔

بعض شاذ آرا،

قاضی عیاض مالکی کے بارے میں علامہ نووی نے شرح مسلم میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ انھوں نے بعض علما کی طرف مصالح عامہ میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا جواز منسوب کیا ہے، اس موقع پر ہم امام نوویؒ کا اقتباس نقل کرنے کے بعد اس موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں۔ امام نووی کی عبارت خاصی طویل ہے لیکن اس موضوع پر بھرپور ہے، لہٰذا طویل ہونے کے باوجود اسے نقل کیا جاتا ہے:

" قولہ (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم أعطی عقلہ) أی دیتہ وفی الروایۃ الاخری فوداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے منحرف اور معتزلی تھے پھر ابو الحسن اشعری کا مذہب اختیار کیا۔[1]

میں کہتا ہوں: یہ بڑا فائدہ ہے جس سے ایک بڑا اشکال دور ہو گیا وہ یہ کہ قفال کبیر سے اصول دین میں کچھ ایسی آرا منقول ہیں جو معتزلہ کے قواعد پر چل ہی سکتی ہیں اس سلسلے میں کافی بحث و تحقیق ہوئی حتیٰ کہ بعض لوگوں کو ان کے معتزلی ہونے کا وہم ہو گیا۔ قفال کو معتزلی قرار دینے والوں نے ابو الحسن صفار کی اس روایت سے استدلال کیا کہ انھوں نے فرمایا: میں نے ابو سہل صعلوکی کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب کہ ان سے امام ابوبکر قفال کبیر کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا: "اس تفسیر کو ایک اعتبار سے پاکیزہ و مجود اور ایک اعتبار سے ناپاک مجود یعنی مذہب اعتزال کی حمایت کرنے کی وجہ سے اسے ناپاک کہو۔"[1]

تفسیر کبیر کے مذکورہ بالا اقتباس پر تنقید کرتے ہوئے شیخ زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

"واما ما حكاه الفخر الرازي عن القفال الشاشي من عزو القول بتعميم "سبيل الله" لوجوه البر الى مجهول من الفقهاء على خلاف رأي الجماعة فشأنه شأن رواية المجاهيل والآراء التافهة للمجاهيل على أنه لا رأي يعتد به ضد الاجماع الذي حكيناه عن مالك وابن حزم مع العلم بأن الرازي ليس من رجال تمحيص الروايات ثم الشاشي كان صنف التفسير معتزليا لا يتحاشى نقل آراء المبتدعة ممن لا يقام لكلامهم وزن"[2]

امام رازی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ قفال نے بعض فقہا کا قول فی سبیل اللہ کی تعمیم کے بارے میں نقل کیا ہے۔ اس جانب اشارہ بھی نہیں کیا ہے کہ قفال نے اسے اختیار کر لیا یا اسے ترجیح دی ہے۔ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں بہت سے شاذ و منکر اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ بعض اقوال و آرا کی تردید اس لیے نہیں کرتے کہ ان کا باطل و مردود ہونا ان کی نظر میں بدیہی ہوتا ہے۔ اسی لیے مفسرین کا کوئی چیز نقل کر دینا

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳/۲۰۳، تحقیق محمود محمد الطناحی۔

[2] مقالات الکوثری، ص ۱۹۱

من قبله وفي رواية من عنده فقوله وداه بتخفيف الدال دفع
ديته وفي رواية فكره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبطل
دمه فوداه مائة من ابل الصدقة إنما وداه رسول الله صلى الله
عليه وسلم قطعا للنزاع واصلاحا لذات البين فان أهل القتيل
لا يستحقون إلا أن يحلفوا أو يستحلفوا المدعى عليهم وقد
امتنعوا من الأمرين وهم مكسورون بقتل صاحبهم فأراد صلى
الله عليه وسلم جبرهم وقطع المنازعة واصلاح ذات البين
بدفع ديته من عنده وقوله فوداه من عنده يحتمل أن
يكون من خالص ماله في بعض الأحوال صادف ذلك عنده ويحتمل
أنه من مال بيت المال ومصالح المسلمين وأما قوله في الرواية
الأخيرة من ابل الصدقة فقد قال بعض العلماء انها غلط من الرواة
لأن الصدقة المفروضة لا تصرف هذا المصرف بل هي لأصناف
سماهم الله تعالى وقال الإمام ابو اسحاق المروزي من
اصحابنا يجوز صرفها من ابل الزكاة لهذا الحديث فأخذ بظاهره
وقال جمهور أصحابنا وغيرهم معناه اشتراها من اهل الصدقات
بعد أن ملكوها ثم دفعها تبرعا إلى اهل القتيل وحكى القاضي
عن بعض العلماء أنه يجوز صرف الزكاة في مصالح العامة
وتأول هذا الحديث عليه وتأوله بعضهم على أن أولياء القتيل
كانوا محتاجين ممن تباح لهم الزكاة وهذا تأويل باطل لأن هذا
قدر كثير لا يدفع إلى الواحد الحامل من الزكاة بخلاف أشراف
القبائل ولأنه سماه دية وتأوله بعضهم على أنه دفعه من
سهم المؤلفة من الزكاة استئلافا لليهود لعلهم يسلمون و
هذا ضعيف لأن الزكاة لا يجوز صرفها إلى كافر فالمختار

ماحکیٰ عن الجمهور أنه اشترا ها من ابل الصدقة[1]

امام نووی کے اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دیت والی حدیث سے مصالح مسلمین میں زکوٰۃ صرف کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ دیت والے واقعہ کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے دیت ادا کی تھی، اس حدیث کے بعض طرق میں جو یہ بات ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ مقتول کی دیت کے طور پر دیے۔ اسے محدثین نے یا تو راوی کی غلطی قرار دی یا اس میں تاویل کی۔ قاضی عیاض مالکیؒ نے ان بعض علماء کے نام کی نشاندہی نہیں کی جنھوں نے دیت والے واقعہ کو بنیاد بنا کر مصالح مسلمین میں زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ کسی ایسے شخص کی رائے کو کیا اہمیت دی جاسکتی ہے جس کا نام تک معلوم نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ وہ رائے اجماع امت کے خلاف ہو اور کمزور دلیل پر مبنی ہو۔ ابو اسحاق مروزی چوتھی صدی ہجری کے مشہور فقیہ ہیں۔ زکوٰۃ کی رقم سے دیت ادا کرنے کے بارے میں ان کی رائے اسی حدیث پر مبنی ہے جس پر علامہ نووی نے تفصیلی کلام کیا ہے۔ امام نووی کی بحث امام ابو اسحاق مروزی کے استدلال کی کمزوری واضح ہوچکی، خود فقہاء شافعیہ میں سے کسی ایک نے بھی اس مسئلہ میں ابو اسحاق مروزی کی تائید نہیں کی۔ علماء اور فقہاء کی اس طرح کی شاذ آراء کی اتباع درست نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں امام اوزاعیؒ کی یہ فکر انگیز تنبیہ ہمیشہ مدنظر رہنی چاہیے۔

"من اخذ بنوادر العلماء خرج عن الاسلام"[2]

جس شخص نے علماء کی نادر آراء کو اختیار کیا وہ اسلام سے باہر ہوگیا۔

فی سبیل اللہ اور حج

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کے بارے میں ابتداء اسلام سے دو مسلک معروف رہے۔ جمہور صحابہؓ اور اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین کو بتایا اور بعض صحابہؓ اور بعض فقہاء کے نزدیک مجاہدین کے ساتھ حجاج بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں۔ ان دو مسالک میں سے

---

[1] الجامع الصحیح للمسلم مع شرح النووی، جزء ۱۱، ص ۱۳۹-۱۴۰، ج ۶، طبع دوم داراحیاء تراث العربی بیروت، لبنان۔ [2] حاشیہ الموافقات للشاطبی ۴/۱۴۲

پہلے مسلک کو امت میں قبولیت عامہ حاصل ہوئی، لیکن دوسرا مسلک بھی کسی نہ کسی درجہ میں تاریخ اسلام کے تقریباً ہر دور میں موجود رہا، اگرچہ بعض ادوار میں اس کو اختیار کرنے والے اس درجہ کم یاب تھے کہ بعض باخبر اور صاحب نظر فقہاء کو دوسرا مسلک متروک و مہجور محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے معاصر مشہور مجتہد ابو عبید قاسم بن سلام متوفی سنہ ۲۲۴ھ نے زکوٰۃ کی رقم حاجیوں کو دینے کے جواز کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

"قال ابو عبيد وليس الناس على هذا ولا اعلم أحدا افتى به أن تصرف الزكاة الى الحج واما اشترى هو والعتق لأنه ليس بمسمى فى الاصناف الثمانية إلا بالتأول واما العتق فهو مسمى وهو قوله تبارك وتعالى "وفى الرقاب"۔[1]

نواب صدیق حسن خاں کے نظریہ کا جائزہ

فی سبیل اللہ کے بارے میں کئی سو سال تک یہی دو مسلک معروف و مروج رہے۔ اس سلسلہ میں تیسرا قول کئی سو سال کے بعد وجود میں آیا۔ جسے امام رازیؒ نے قفال کے حوالے سے بعض گم نام فقہاء کی طرف منسوب کیا۔ اس قول میں فی سبیل اللہ کے لغوی عموم کا سہارا لے کر ہر کار خیر کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا گیا ہے۔ یہ قول علمی لحاظ سے اس قدر کمزور ہے کہ اس کا ضعف بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن دور حاضر میں مختلف اسباب کی بنا پر اس قول کو رواج حاصل ہو رہا ہے اس لیے مختصراً اس کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ میری معلومات کی حد تک فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کی سب سے بھرپور وکالت نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنی کتاب "الروضة الندية" میں کی ہے۔ اس لیے نواب صاحب کا استدلال پیش کر کے اس کا علمی جائزہ قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"یہاں پر فی سبیل اللہ سے مراد اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ جہاد اگرچہ خدا تک

---

[1] کتاب الاموال، ص ۶۰۱ - ۶۰۲

رسائی کا سب سے عظیم راستہ ہے لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ والا حصہ جہاد کے لیے مخصوص ہے بلکہ زکوٰۃ کے اس حصہ کا ان تمام کاموں میں خرچ کرنا درست ہے جو راہ خدا میں شامل ہوں، لغت کے اعتبار سے یہی آیت کا معنی ہے اور صحیح نقل شرعی نہ ہونے کی صورت میں لغوی معانی پر انحصار کرنا واجب ہے ....

سبیل اللہ (راہ خدا) میں خرچ کرنے کی ایک صورت ان علماء پر خرچ کرنا ہے جو مسلمانوں کے دینی امور انجام دے رہے ہیں، خواہ وہ مال دار ہوں یا فقیر، کیونکہ اللہ کے مال میں ان کا حصہ ہے۔ بلکہ اس مد میں خرچ کرنا زیادہ اہم ہے کیوں کہ علماء انبیاء کے وارثین اور دین کے حاملین ہیں .... انھیں کے ذریعہ دین اسلام اور شریعت محمدی کی حفاظت ہوتی ہے۔

علماء صحابہ اتنا عطیہ لیا کرتے تھے جو ان کی ضرورت سے بہت زیادہ ہوا کرتا، جس سے وہ لوگ اپنے پاس آنے والے فقراء وغیرہ کی ضرورتیں بھی پوری کرتے تھے۔ یہ بات مشہور ہے، بعض علماء صحابہ ایک لاکھ درہم سے زائد لیا کرتے تھے، اور زکوٰۃ کا مال بھی ان اموال میں سے ہوتا تھا جو مذکورہ بالا طریقے پر مسلمانوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ کہتے ہوئے لینے سے عذر کیا کہ "جو لوگ مجھ سے زیادہ حاجت مند ہیں انھیں دے دیجیے" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، "اشراف نفس اور سوال کے بغیر تمہارے پاس جو مال آئے اسے لے لو، اور مال اس طرح نہ آئے اس کے پیچھے اپنے آپ کو نہ تھکاؤ۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ اور معاملہ ظاہر ہے۔[1]

نواب صدیق حسن خاں کے دلائل کا تجزیہ کرنے سے پہلے یہ بات ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے اپنی تفسیر "فتح البیان" میں جمہور فقہاء کے قول کو اختیار کیا ہے۔ انھوں نے پہلے جمہور کا یہ قول نقل کیا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی اور مرابط ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق ابن راہویہ کا قول ذکر کیا، پھر تحریر فرمایا:

---

[1] الروضۃ الندیۃ ۱/۲۰۶-۲۰۷، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت۔

"وقیل إن اللفظ عام فلا یجوز قصره علی نوع خاص ویدخل فیه جمیع وجوه الخیر والقول الأول أولی لإجماع الجمهور علیه"[1]

بعض لوگوں نے کہا کہ فی سبیل اللہ (راہ خدا) کا لفظ عام ہے لہٰذا اسے کارِ خیر کی کسی خاص قسم میں محدود کرنا درست نہیں بلکہ اس میں کارِ خیر کی تمام صورتیں داخل ہیں۔ پہلا قول (جمہور کا قول) قابلِ ترجیح ہے کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔

فتح البیان اور الروضۃ الندیہ کے سنینِ اشاعت اور بعض دوسرے قرائن سے یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ نواب صاحب نے تفسیر فتح البیان، الروضۃ الندیہ کے بعد تصنیف کی ہے۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نواب صاحب نے الروضۃ الندیہ میں پیش کردہ تعمیم کے نظریے سے اپنی تفسیر میں رجوع کر لیا لیکن دورِ حاضر میں فی سبیل اللہ کی تعمیم کرنے والے چونکہ بڑی شد و مد اور پختگی کے ساتھ الروضۃ الندیہ میں پیش کردہ نواب صاحب کے دلائل کا اعادہ کرتے ہیں اس لیے آئندہ صفحات میں ان دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب کے استدلال کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ سبیل اللہ لغت کے اعتبار سے عام ہے، اس میں ہر وہ عمل داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہو اور شریعت نے سبیل اللہ کو کوئی خاص مفہوم نہیں دیا ہے یعنی فی سبیل اللہ شریعت کے اصطلاحی الفاظ میں سے نہیں ہے، لہٰذا اسے لغوی معنی پر محمول کرنا ضروری ہے۔

نواب صاحب کی اس دلیل کا پہلا مقدمہ بالکل درست ہے، بلاشبہ سبیل اللہ لغت کے اعتبار سے عام ہے اس میں ہر کارِ خیر شامل ہے۔ لیکن اس دلیل کا دوسرا مقدمہ غلط ہے۔ یہ کہنا کہ شریعت نے فی سبیل اللہ کو کوئی خاص مفہوم نہیں دیا ہے اور یہ لفظ اصطلاحاتِ شرعیہ میں سے نہیں ہے غلط ہے۔ آیات و احادیث کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب و سنت میں جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے (کسی قید اور قرینہ کے بغیر) تو اس سے غزوہ و جہاد مراد ہوتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر لکھتے ہیں:

"وإذا أطلق سبیل اللہ فهو الغالب واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة

---

[1] تفسیر فتح البیان ج۴/ص۱۴۳، طبع اول ۱۳۰۲ھ۔

"الاستعمال كانه مقصور عليه"[1]

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

"اذا اطلق ذكر سبيل الله فالمراد به الجهاد"[2]

امام نووی لکھتے ہیں:

"المتبادر إلى الافهام ان سبيل الله تعالى هو الغزو واكثر ماجاء في القرآن العزيز كذلك"[3]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"المتبادر عند اطلاق لفظ في سبيل الله الجهاد"[4]

فقہاء، محدثین، مفسرین کی اس طرح کی بے شمار عبارتیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے، حدیث کی کتابوں میں کتاب الجہاد کا مطالعہ کیا جائے تو ایسی بہت سی حدیثیں ملیں گی جن میں فی سبیل اللہ کو مطلق استعمال کیا ہے اور محدثین اس سے جہاد مراد لیتے ہیں اور علماء امت نے ہمیشہ ان احادیث میں فی سبیل اللہ سے جہاد کا مفہوم سمجھا۔ مثال کے طور پر چند حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

(۱) "عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لغدوة في سبيل الله او روحة خير من الدنيا وما فيها"[5]

(۲) "عن ابي مسعود الانصاري قال جاء رجل بناقة مخطومة فقال هذه في سبيل الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لك بها يوم القيامة سبع مائة ناقة كلها مخطومة"[6]

(۳) "عن ابي عبس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اغبرتا قدما عبد في سبيل الله فتمسه النار"[7]

---

[1] النہایۃ فی غریب الحدیث ۲/۳۳۸ [2] فتح الباری ۶/۴۸ [3] المجموع شرح المہذب ۶/۲۱۲ [4] فتح الباری ۶/۴۹
[5] صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ [6] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ وتضعیفہا۔ [7] صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ۔

(۴) "عن خريم بن فاتك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أنفق نفقة في سبيل الله كتبت بسبعمائة ضعف رواه النسائي والترمذي وقال حديث حسن"[1]

(۵) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من عبد يصوم يوما في سبيل الله إلا باعد الله بذلك اليوم وجهه عن النار سبعين خريفا رواه البخاري والترمذي والنسائي"[2]

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ کتب احادیث کے ابواب الجہاد میں ایسی حدیثیں کثرت سے ملتی ہیں جن میں فی سبیل اللہ مطلق استعمال ہوا ہے اور اس سے محدثین نے عسکری جہاد مراد لیا ہے۔

متعدد احادیث سے دور نبوی اور دور صحابہ کا یہ عرف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام فی سبیل اللہ بول کر جہاد مراد لیا کرتے تھے، اس سلسلے کی ایک حدیث یہاں نقل کی جاتی ہے۔

امام منذری نے الترغیب والترہیب میں معجم طبرانی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے، اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ایک روز رسول اکرم کے ساتھ تھے صحابہ کرام نے ایک بھرپور جوانی اور طاقت والے شخص کو دیکھا تو کہا "لو كان شبابه وجلده في سبيل الله" (کاش اس کی جوانی اور قوت راہ جہاد میں صرف ہوتی) صحابہ کرام نے اپنے اس جملے میں فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا۔

فی سبیل اللہ کے لغوی عموم سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے علامہ زاہد الکوثری لکھتے ہیں

"هذا الحديث يبين أن المراد بسبيل الله هنا هو الغزو فيكون حقيقة شرعية لا يعدل عنها إلا بصارف ولا صارف ....
والحقيقة الشرعية هي المتبادرة إلى الأفهام في تخاطب أهل الشريعة والحقيقة اللغوية لا تكون متبادرة إليها فهم إرادة المعنى اللغوي من اللفظ المشتهر في معنى خاص هي تكون

---

[1] الترغيب والترهيب، جلد ۲، كتاب الجهاد، باب الترغيب في النفقة في سبيل الله وتجهيز الغزاة۔

[2] الترغيب والترهيب، جلد ۲، ترغيب الغزاة والمرابطين في الإكثار من العمل الصالح من الصوم وغيره۔

فی حاجة الی قرینة صارفة عن الحقیقة الشرعیة ولو فرض احتمال (سبیل اللّٰه) فی مصارف الزکوٰة للمعنیین لکان هذا الحدیث مبینا للاجمال فتعین حمله علی الغزو .....

ثم ان شمول (سبیل اللّٰه) بالمعنی اللغوی لوجوه البر فی غیر آیة مصارف الزکوٰة الواردة بصیغة الحصر لامانع من قوله اذا کان هناک صارف عن الحقیقة الشرعیة کان یکون الکلام فی الصدقات النفل ونحو ذلک کما فی الآیات التی سردها صاحب التوقیع فان معها من القرائن ما یعین ان المراد منها المعنی اللغوی کالانفاق العام والهجرة وقصر الاحصار علی الفقراء واطلاق الاموال والمن ومضاعفة الاجر ونحو ذلک فاذ ذاک یحمل سبیل اللّٰه علی وجوه البر مطلقا واذا خلت من تلک القرائن تحتمل علی المعنی الشرعی والحقیقة الشرعیة وفی مصارف الزکوٰة مع ذلک حدیث یبین المراد بسبیل اللّٰه وهو الغزو کما سبق فلا یعدل عنه اصلاً[1]

اگر ان حقائق سے صرف نظر کر لیا جائے کہ فی سبیل اللہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اور مطلق استعمال ہونے کی صورت میں اس سے جہاد مراد ہوتا ہے تو بھی مصارف زکوٰۃ والی آیت میں فی سبیل اللہ سے معنیٰ عام مراد نہیں لیا جا سکتا کیوں کہ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ کتاب و سنت میں فی سبیل اللہ کا استعمال معنیٰ عام (ہر نیک کام) معنیٰ خاص (جہاد) دونوں کے لیے ہوا ہے۔ فی سبیل اللہ کے ان دونوں معانی کو اگر یکساں حیثیت دی جائے اور معنیٰ خاص (جہاد) کو حقیقت شرعیہ کا مقام نہ دیا جائے تو بھی آیت مصارف میں معنیٰ خاص (جہاد) مراد لینے کو مختلف اسباب کی وجہ سے ترجیح ہوگی۔

(۱) آیت مصارف (سورۂ توبہ کی آیت ۶۰) میں حصر کے ساتھ زکوٰۃ صرف کرنے کی آٹھ مدیں متعین کی گئی ہیں، حصر کے ساتھ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف متعین کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ شریعت

---

[1] مقالات الکوثری، ص: ۱۹۲تا۱۹۳

زکوٰۃ صرف کرنے کے لیے کچھ حدود متعین کرنا چاہتی ہے اور بند شیں لگانا چاہتی ہے، اگر زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کو معنی عام پر محمول کرتے ہوئے اس میں ہر کار خیر کو شامل کر لیا گیا تو حصر کے ساتھ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف متعین کرنا بے معنی ہو کر رہ جائے گا اور مصارف کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جائے گا کہ شاید ہی کوئی مسلمان اس دائرہ سے باہر رہ جائے۔

(۲) سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں، ان میں ساتواں نمبر فی سبیل اللہ کا ہے، اس کے بعد آٹھویں مصرف " ابن السبیل " کا ذکر کیا گیا ہے، اگر فی سبیل اللہ کو معنی عام (ہر نیک کام) پر محمول کیا جائے تو باقی ساتوں مصارف اسی میں شامل ہو جائیں گے اور جس کے اعتبار سے زکوٰۃ کا صرف ایک مصرف ہو جائے گا، یعنی فی سبیل اللہ، ایسی صورت میں باقی سات مصارف کا تذکرہ زائد از ضرورت ہوگا اور قرآن پاک میں بے جا تکرار لازم آئے گا، اس لیے بھی لازم ہے کہ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ سے معنی خاص " جہاد " مراد لیا جائے۔

(۳) اگر مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ سے معنی عام مراد ہوتا تو کلام عرب کے اسلوب کے اعتبار سے یہ لازم تھا کہ اس کا ذکر سب سے ابتداء میں یا سب سے آخر میں کیا جاتا کیوں کہ عربی زبان کا معروف اسلوب یہی ہے کہ اگر چند مخصوص امور اور ایک امر عام کا بذریعہ عطف ایک ساتھ ذکر ہوتا ہے تو امر عام کو یا تو بالکل شروع میں لاتے ہیں یا سب سے آخر میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی تخصیص کے بعد تعمیم ہوتی ہے یا تعمیم کے بعد تخصیص ہوتی ہے، عربی زبان کے لیے یہ اسلوب بالکل نامانوس ہے کہ امر عام کا ذکر چند خاص افراد کے درمیان کیا جائے، امر عام سے پہلے چند مخصوص امور کا ذکر ہو اور امر عام کے بعد بھی کسی فرد خاص کا ذکر لایا جائے۔

(۴) مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ سے معنی عام مراد نہ ہونے کا ایک واضح قرینہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس کا ذکر بار بار ہو چکا ہے، اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے ساتھ " غازی " کی قید نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ فی سبیل اللہ سے معنی خاص جہاد ہی مراد ہے۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ قرآن سے معانی مراد لینے کے بارے میں چند ضابطے علامہ سیوطی کی کتاب " الاتقان " سے نقل کر دیے جائیں۔ علامہ سیوطی رقم طراز ہیں:

" وکل لفظ احتمل معنيين فصاعدا فهو الذى لا يجوز لغير العلماء

الاجتهاد فيه وعليهم اعتماد الشواهد والدلائل دون مجرد الرأي.

فإن كان أحد المعنيين أظهر وجب الحمل عليه إلا أن يقوم دليل على أن المراد هو الخفي.

وإن استويا والاستعمال فيهما حقيقة لكن في أحدهما حقيقة لغوية أو عرفية وفي الآخر شرعية فالحمل على الشرعية أولى إلا أن يدل دليل على إرادة اللغوية كما في "وصل عليهم إن صلاتك سكن لهم".

ولو كان في أحدهما عرفية والآخر لغوية فالحمل على العرفية أولى۔[1]

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے "الروضۃ الندیۃ" میں زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس پر تنقید کرتے ہوئے صاحب تفسیر المنار سید رشید رضا لکھتے ہیں:

"اس لفظ "سبیل اللہ" کا عموم ہر اس امر شرعی کو شامل ہے جس سے اللہ کی رضامندی مقصود ہو، اللہ کا کلمہ بلند کرکے اس کا دین قائم کرکے، اچھی طرح اس کی بندگی کرکے، اس کے بندوں کو نفع پہنچا کر، اس میں وہ مالی وجانی جہاد شامل نہیں جو ریاکاری اور شہرت طلبی کے لیے ہو۔ اس عموم کا اطلاق وانطباق میں سے کوئی قائل نہیں اور نہ عموم ہی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ اخلاص جس کے نتیجے میں کوئی عمل راہ خدا میں شمار ہوتا ہے باطنی چیز ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا حکومت کے مالی حقوق اس پر دائر نہیں ہو سکتے اگر یہ کہا جائے کہ مومن کی ہر طاعت میں اصل یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے ہوگی، لہٰذا ظاہر کو دیکھتے ہوئے حقوق میں اس کی رعایت کی جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ ہر نمازی، روزہ دار، صدقہ دہندہ، تلاوت قرآن کرنے والا، اللہ کو یاد کرنے والا، راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے والا، اپنے اس عمل کے نتیجہ میں شرعی زکوٰۃ کا مستحق ہو جائے تو مالدار بھی، یہ بات بھی اجماع امت کے خلاف۔ چہ جائیکہ

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن، جلد دوم، ص ۱۸۱

> عموم کا لزوم مستحقین زکوٰۃ آٹھ مصارف میں منحصر ہونے کے منافی ہے کیونکہ اس صورت میں صرف ایک ہی قسم فی سبیل اللہ کے اصناف بے حد و شمار ہو جائیں گے۔ افراد کا تو کہنا ہی کیا۔ اور جب اس کا معاملہ سلاطین و امراء کے سپرد کر دیا جائے گا تو وہ لوگ اپنی خواہشات نفس سے اس میں ایسے تصرفات کریں گے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔[1]

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنے استدلال میں دوسری بات پیش کی ہے کہ علماء پر خرچ کرنا فی سبیل اللہ کی اہم ترین مد ہے کیوں کہ علماء وارثین انبیاء، عاملین دین و محافظین اسلام ہیں اللہ کے مال میں ان کا حق ہے اور علماء صحابہ بیت المال سے عطیات لیا کرتے تھے۔ نواب صاحب کی یہ باتیں دلیل کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کوئی شخص اعتراض کر کے پوچھ سکتا ہے کہ کیا وارثین انبیاء اور عاملین دین ہونے کی حیثیت سے علماء کا اعزاز یہی ہے کہ فقر و احتیاج کے بغیر زکوٰۃ کے مال سے اپنے کو ملوث کریں، جب کہ زکوٰۃ کو اوساخ الناس یعنی لوگوں کا میل کچیل قرار دیا گیا ہے۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی وراثت کا تقاضا یہی ہے کہ علماء ہر حال میں زکوٰۃ کو اپنا حق سمجھیں اور اسے لینے میں اعزاز و خوشی محسوس کریں۔ "علماء صحابہ بیت المال سے عطیات لیا کرتے تھے" اس سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھیں زکوٰۃ کی رقم دی جاتی تھی اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال وہ لوگ فقر و احتیاج کے بغیر لیتے تھے۔ نواب صاحب کا دعویٰ اس وقت ثابت ہوتا جب وہ کم از کم ایک واقعہ ایسا پیش کرتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو اس کے مالدار ہونے کے باوجود محض اس کی علمی و دینی خدمات کی بنا پر مال زکوٰۃ میں سے دیا ہو۔ . . .

نواب صاحب مرحوم کی تحریر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین میں بیت المال میں ہر مد اور مصرف کا مال ایک ہی جگہ جمع کر دیا جاتا تھا خواہ عشر و زکوٰۃ کا مال ہو یا غنیمت و فیء کا مال ہو یا خراج و جزیہ حاصل ہونے والا مال ہو۔ بیت المال میں مختلف ذرائع آمدنی کا الگ الگ حساب کتاب نہیں تھا بلکہ سب کو ایک ہی میں خلط ملط کر دیا جاتا تھا۔ اسلام کے عہد زریں میں اسلامی بیت المال کی یہ تصویر بڑی مغالطہ انگیز اور تاریک ہے۔ قرآن و سنت میں بیت المال کے مختلف ذرائع آمدنی سے حاصل ہونے والے اموال کی الگ الگ مدیں بتا دی گئی ہیں۔ ہر قسم کے مال کے مصارف شریعت میں متعین کر دیے گئے

---

[1] تفسیر المنار ۱۰/ ۵۰۳ - ۵۰۴

ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خلفاء راشدین کتاب وسنت کی تصریحات کو پس پشت ڈال کر بیت المال میں آنے والا اموال اکٹھا جمع کرتے رہیں اور پھر جب مصرف میں خرچ کرنے کی ضرورت پڑے اسی مشترکہ فنڈ سے خرچ کیا کریں، لہٰذا اگر کسی کے بارے میں ثابت ہو کہ اسے بیت المال سے کچھ دیا گیا تو ہم یقین سے کہہ سکیں کہ زکوٰۃ کی رقم بھی اس میں شامل تھی۔

حدیث وتاریخ کے ذخیرے پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عہد نبوی ہی سے بیت المال میں جمع ہونے والے مختلف مالوں کا الگ الگ حساب وکتاب رہتا تھا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے نظام کو اور زیادہ منظم کیا، انھیں خطوط پر اسلامی بیت المال کی آمد وصرف کا تسلسل بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا، بنو عباس کے دور میں الگ الگ مدوں کا حساب وکتاب رکھنے میں کچھ بے احتیاطی ہونے لگی تو قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں خلیفۂ وقت ہارون رشید کو اس طرف متوجہ کیا۔

علماء صحابہ کو بیت المال سے جو بڑے بڑے عطیے ملتے تھے اس کے بارے میں نواب صاحب نے کس طرح سمجھ لیا کہ یہ عطیے زکوٰۃ کی رقم سے دیے جاتے تھے یا اس میں زکوٰۃ کی رقم بھی شامل ہوتی تھی، جب کہ علماء، قضاۃ اور اسلامی حکومت کے کارندوں پر صرف کرنے کے لیے جزیہ وخراج وغیرہ کی رقم بڑی مقدار میں بیت المال میں موجود رہتی تھی نیز ان عطیات میں سے ایک بڑا حصہ اہل بیت نبوی کے لیے مقرر تھا، حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ، حضرت عباسؓ اور ازواج مطہرات کے لیے حضرت عمرؓ نے جو عطیے مقرر کیے تھے ان کی تفصیل طبقات ابن سعد اور کتاب الخراج میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اگر یہ عطیات زکوٰۃ کی مد سے دیے جاتے ہوں یا زکوٰۃ کی رقم بھی اس میں شامل رہتی ہو تو شرعاً اس کی گنجائش کہاں تھی کہ اہل بیت نبوی کو اس میں سے دیا جائے، خانوادۂ نبوت کے افراد اسے قبول کرنا کیسے گوارہ کرتے۔ تفسیر وحدیث، سیرت وتاریخ کے ناپیدا کنار ذخیرے سے ایک تو الگ ہی ایسا پیش کرنا ممکن نہیں ہے جس میں صراحت ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین کے عہد میں کسی صاحب نصاب عالم وقاضی کو اس کی دینی خدمت کی بنا پر زکوٰۃ کے مال میں سے دیا گیا ہو یا مال زکوٰۃ سے دینی خدمت گاروں کی تنخواہیں مقرر کی گئی ہوں۔

شیخ یوسف القرضاوی کے نظریہ کا جائزہ

دور حاضر میں زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے بارے میں ایک نیا نظریہ وجود میں آیا ہے جو دور حاضر کے مشہور مصنف شیخ یوسف القرضاوی کی دریافت ہے۔ فی سبیل اللہ کی بحث ختم کرنے سے پہلے اس نئے نظریے کا جائزہ بھی ضروری ہے۔ شیخ یوسف القرضاوی اس بات کی پرزور مخالفت کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کے

ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کو معنی عام پر محمول کیا جائے لیکن پھر وہ دوسرے انداز سے فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ موصوف کے نقطۂ نظر کا خلاصہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہے:

"میں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں اتنی وسعت پیدا کرنے کا قائل نہیں ہوں کہ اس میں تمام نیکیاں اور ملت کے تمام اجتماعی کام آجائیں، اسی طرح میں سبیل اللہ کا دائرہ اتنا تنگ کرنے کا بھی قائل نہیں ہوں کہ وہ عسکری جہاد میں محدود ہو جائے۔ جہاد جس طرح نیزے اور تلوار سے ہوتا ہے اسی طرح زبان و قلم سے بھی ہوتا ہے جہاد جس طرح عسکری ہوتا ہے اسی طرح فکری، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی بھی ہوتا ہے اور جہاد ان تمام قسموں میں مالی تعاون اور سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

زمانۂ ماضی میں مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء نے اگر فی سبیل اللہ کو بالحصر مجاہدین اور سرحدوں کے محافظین کی تیاری اور امداد کے لیے مخصوص کر دیا تھا تو ہم دور حاضر میں ان مجاہدین و مرابطین کے ساتھ ایک دوسرے نوع کے مجاہدین اور مرابطین کو شامل کرتے ہیں یعنی ان لوگوں کو جو تعلیمات اسلام اور دعوت اسلام کے ذریعہ دلوں اور دماغوں کے میدان میں جہاد کرتے ہیں، وہ لوگ جن کی زبان اور قلم اسلامی عقائد و احکام کے دفاع کے لیے وقف ہیں۔

جہاد کے معنیٰ میں وسعت پیدا کرنے کے سلسلے میں ہمارے دلائل:

(١) اسلام میں جہاد عسکری جہاد میں منحصر نہیں ہے، حدیث صحیح میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے افضل جہاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ظالم بادشاہ کے پاس حق بات کہنا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، مشرکین سے اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔

(٢) ہم نے اسلامی سرگرمیوں اور جہاد کی جن صورتوں کا ذکر کیا اگر وہ نصوص قرآن و سنت کی بنا پر جہاد کے مفہوم میں داخل نہ بھی ہوں تو انھیں قیاس کے ذریعہ جہاد سے ملحق کرنا ضروری ہے، کیوں کہ ان دونوں کا مقصود اسلام کی طرف سے دفاع اور نصرت، دشمنان اسلام کا مقابلہ اور دنیا میں کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے۔[1]

---

[1] فقہ الزکوٰۃ ٢/٦٥٧، ٦٥٨۔

شیخ یوسف القرضاوی کے دلائل کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد ہم ان کا تجزیہ قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ جمہور فقہاء و مفسرین نے آیت مصارف میں مذکور فی سبیل اللہ کی تفسیر مطلق جہاد کے ساتھ نہیں کی ہے بلکہ غزو وقتال کے ساتھ کی ہے۔ غزو وقتال کا اطلاق صرف عسکری جہاد پر ہوتا ہے۔ قلمی اور لسانی جہاد کے لیے عہد نبوت میں غزو وقتال کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔ فقہاء اسلام نے فی سبیل اللہ کا مصداق غازیوں کو قرار دیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی وہ روایت جو سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے اور جس سے فی سبیل اللہ کی تفصیل میں مدد مل جاتی ہے اس میں بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے الفاظ نہیں بلکہ غازی فی سبیل اللہ کے الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ خود شیخ یوسف القرضاوی نے جن احادیث کے استعمالات سے فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کے نظریہ کی تردید کی ہے ان میں فی سبیل اللہ عسکری جہاد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قلمی، فکری اور ثقافتی جہاد کے لیے نہیں۔ ذخیرۂ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب قرائن وقیود کے بغیر ہوتا ہے تو اس سے عسکری جہاد مراد ہوتا ہے۔ امت مسلمہ نے ہمیشہ فی سبیل اللہ کے اطلاق سے عسکری جہاد ہی سمجھا ہے۔ امت کے اجماعی فہم کو بھی اگر حجت نہ مانا گیا تو پورا دین تحریف وتشکیک کی زد میں آ جائے گا اور ضروریات دین تک کے انکار کی راہ کھل جائے گی۔ کتب احادیث کے ابواب الجہاد میں ایسی حدیثیں کثرت سے ملتی ہیں جن میں فی سبیل اللہ مطلق استعمال ہوا ہے اور اس سے محدثین نے عسکری جہاد مراد لیا ہے۔ خود شیخ یوسف القرضاوی نے بھی ایسی بہت سی حدیثیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔

یہ بات ثابت ہونے کے بعد جمہور مفسرین وفقہاء نے آیت مصارف میں فی سبیل اللہ کی تفسیر غزو وقتال سے کی ہے، مطلق جہاد سے نہیں کی، شیخ یوسف القرضاوی کے نظریہ کی عمارت زمین پر آ رہتی ہے۔ یوسف القرضاوی صاحب کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ جمہور نے فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا ہے اور اسلام میں جہاد صرف عسکری حرب وضرب میں محصور نہیں بلکہ حق کو غالب اور سربلند کرنے کے لیے جو فکری، لسانی، قلمی کوششیں کی جائیں وہ بھی جہاد کے دائرے میں آتی ہیں، لہٰذا دین کی راہ میں کسی بھی نوع کا جہاد کرنے والے زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس استدلال کی پہلی اینٹ ہی اپنی جگہ سے کھسک گئی کیوں کہ احادیث وآثار میں نیز مفسرین وفقہاء کی تصریحات میں فی سبیل اللہ کا مصداق صرف عسکری جہاد کو قرار دیا گیا ہے، ہر نوع کے جہاد کو نہیں، لہٰذا خواہ فی سبیل اللہ کو پہلے ہی مرحلے میں عام قرار دیا جائے یا فی سبیل اللہ سے صرف جہاد مراد لے کر جہاد کے دائرے کو وسیع تر قرار دیا جائے دونوں کا حاصل ایک ہی

نکلتا ہے، جمہور امت کے فہم و فکر کی مخالفت جس طرح پہلی شکل میں ہے اسی طرح دوسری شکل میں بھی جمہور امت کے مسلک سے کھلی ہوئی برگشتگی اور ایک نئے قول کی ایجاد ہے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھا اور لکھا کہ وہ صرف عسکری جہاد سے آشنا تھے، لسانی، قلمی اور فکری جہاد کا ان کے یہاں تصور نہیں تھا، محض اپنی ناواقفیت کا ثبوت فراہم کرنا ہے اسلام کی پوری تاریخ میں جہاد کے ایسے ایسے محاذ کھلے ہوئے تھے جن کا ہم تصور نہیں کر سکتے، اسلاف کے انھیں مجاہدات اور متنوع جہاد کے بدولت اسلام اپنی اصلی شکل میں اب تک موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک موجود رہے گا، غرضیکہ جہاد کی وہ تمام شکلیں جنھیں بڑے زور و شور کے ساتھ گیا جا رہا ہے دور حاضر کی پیداوار نہیں ہے، تاریخ کے ہر دور میں لسانی، فکری اور قلمی جہاد کے مختلف محاذ کھلے ہوئے تھے اور علماء اسلاف ان محاذوں پر اپنی علمی و فکری توانائیاں صرف کر رہے تھے، اس کے باوجود ان سب نے زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق صرف عسکری جہاد کو قرار دیا، جہاد کی دوسری قسموں کو فی سبیل اللہ میں شامل قرار نہیں دیا۔

شیخ یوسف القرضاوی صاحب کے استدلال کے ساتھ ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں، انھوں نے بزعم خود یہ بنیاد قائم کر کے کہ جمہور نے فی سبیل اللہ کی تفسیر مطلق جہاد سے کی ہے اپنے نظریہ کے دو دلائل ذکر کیے ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اسلام میں جہاد عسکری جہاد میں محدود نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے افضل جہاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا، اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مشرکین سے اپنی جانوں، مالوں اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔

اس سلسلے میں ہم عرض کریں گے کہ قرآن وسنت میں جن چیزوں پر وقتاً فوقتاً جہاد کا اطلاق کیا گیا، ان سب کو اگر ہم زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں شامل کریں گے تو وہی صورت حال پیش آجائے گی، جو فی سبیل اللہ کی تعمیم میں پیدا ہوئی تھی، یعنی ہر دین دار مسلمان اس مصرف میں شامل ہو گا۔

صحیح بخاری کی روایت ہے جس کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ ازواج مطہرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، نعم الجهاد الحج۔ حج کیا ہی اچھا جہاد ہے[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب جهاد النساء

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا "المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة اللّٰه" حقیقی مجاہد وہ شخص ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے[1]

اس حدیث کی رو سے نفس پر گراں ہوتے ہوئے اسلامی احکام کی تعمیل حقیقی جہاد ہے لہٰذا جو شخص بھی نفس کے میلانات اور خواہشات کو کچل کر پنج وقتہ نمازیں ادا کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے یا کوئی اور کار خیر کرتا ہے وہ مجاہد ہے۔ اس کا یہ عمل جہاد ہے، بھلا بتائیے جہاد کے مفہوم میں اس توسیع کے بعد کون مسلمان زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ سے باہر رہ جائے گا۔

اگر جہاد سے مراد دین کی نصرت کا عمل ہو تو بھی اس میں کوئی تخصیص پیدا نہیں ہو سکتی کیوں کہ ہر وہ مسلمان جو اسلامی احکام کی پابندی کرتا ہے اور اپنے دائرے میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ کی کوشش کرتا ہے وہ دراصل ادائے فرض کے ساتھ دین کی نصرت بھی کر رہا ہے، غرضیکہ شیخ یوسف القرضاوی صاحب کی توسیع کی آڑ میں فی سبیل اللہ کی تعمیم کا جو راستہ کھلا ہے اس کے لیے کوئی بندش لگانا اور خط فاصل کھینچنا دشوار تر ہوگا، اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مجاہدین کے اقسام کا شمار کرنا مشکل ہوگا، یہ عموم مصارف زکوٰۃ آٹھ میں منحصر ہونے کے منافی ہوگا، کتاب اللہ میں بے فائدہ تکرار لازم آئے گا، غرضیکہ شیخ یوسف القرضاوی نے تعمیم کے نظریہ پر جو تنقید کی ہے اسی کا مستحق ان کا یہ نظریہ توسیع قرار پایا۔

جہاد کی حقیقت

مصارف زکوٰۃ کی بحث سے قطع نظر یہ حقیقت واضح کر دینا مناسب ہے کہ کتاب و سنت میں اگرچہ جہاد کا لفظ مختلف دینی اعمال کے لیے استعمال کیا گیا ہے لیکن کتاب و سنت میں مجاہد اور جہاد کے استعمالات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا لفظ شریعت کی ایک اصطلاح بن چکا ہے اور قرآن و سنت نیز فقہاء کی عبارتوں میں جب کسی قید و قرینہ کے بغیر مطلق اس کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے وہی اصطلاحی معنیٰ مراد ہوتا ہے، کسی لفظ کے اصطلاح شرعی بن جانے کے بعد قرآن و سنت میں اس کا لغوی معنیٰ اسی وقت مراد لیا جا سکتا ہے جب کہ اصطلاحی معنیٰ مراد نہ ہونے پر واضح قرینہ پایا جاتا ہو یا اصطلاحی معنیٰ مراد لینا وہاں ممکن نہ ہو۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ / ۲۱، فضالہ ابن عبید انصاری، مطبوعہ دار الفکر بیروت

صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ کی طرح جہاد بھی شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، یہ لفظ اگرچہ قرآن آیات واحادیث میں اپنے لغوی معانی میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن اکثر وبیشتر اس کا استعمال اصطلاحی معنی میں ہوا ہے، کتاب وسنت اور اقوال ائمہ سلف میں جب یہ لفظ کسی قرینے کے بغیر استعمال ہوگا تو اس سے جہاد کا اصطلاحی معنی ہی مراد ہوگا، جہاد کا اصطلاحی معنی جاننے کے لیے علماء محققین کی بے شمار تحریروں میں سے چند تحریریں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کا پایہ علوم اسلامیہ خصوصاً علوم حدیث میں جس قدر بلند ہے اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں، ذخیرۂ احادیث پر ان کی طرح وسیع اور گہری نظر رکھنے والے پوری اسلامی تاریخ میں بہت چند ہوں گے، موصوف اپنی شہرۂ آفاق کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں :

"والجهاد بكسر الجيم أصله لغة المشقة يقال جهدت جهادا بلغت المشقة وشرعا بذل الجهد في قتال الكفار ويطلق أيضا على مجاهدة النفس والشيطان والفساق"[1]

جہاد جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے، لغت میں اس کا اصل معنی مشقت ہے، جہدت جہادا کا معنی ہے میں مشقت میں پڑ گیا، شریعت کی اصطلاح میں جہاد کا مفہوم ہے کفار سے قتال میں پوری طاقت صرف کرنا، جہاد کا اطلاق نفس، شیطان اور فساق کے خلاف مجاہدہ کے لیے بھی ہوتا ہے۔

مشہور فقیہ وفلسفی ابن رشد اندلسی کے نام سے کون ناواقف ہوگا، موصوف کی کتاب "بدایۃ المجتہد" فقہ اسلامی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ ان کے دادا ابن رشد الجد اپنے دور کے جلیل القدر فقیہ وقاضی تھے۔ ان کی مشہور کتاب "المقدمات الممہدات" اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے۔ ابن رشد الجد کے فتاوی بھی کئی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ موصوف نے اپنی کتاب "المقدمات الممہدات" میں جہاد کا لغوی معنی اس کے مختلف استعمالات بیان کرنے کے بعد تحریر کیا ہے :

"فكل من أتعب نفسه في ذات الله فقد جاهد في سبيله إلا أن الجهاد في سبيل الله إذا أطلق فلا يقع بإطلاقه إلا على مجاهدة

---

[1] فتح الباری ۶/۳، کتاب الجہاد والسیر۔

الکفار بالسیف حتی یدخلوا فی الاسلام أو یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون[۱]

لہٰذا ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو تھکایا اس نے راہِ خدا میں جہاد کیا، لیکن مطلق بولے جانے کی صورت میں جہاد فی اللہ کا مفہوم مرتب ہوگا: کفار سے تلوار کے ذریعہ جہاد کرنا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا ذلیل ہوکر اپنے ہاتھوں جزیہ ادا کریں۔

حدیث کے مشہور شارح فاضل قاری صاحب "مرقاۃ المفاتیح" جہاد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الجہاد بکسر أولہ وھو لغۃ المشقۃ وشرعاً بذل المجھود فی قتال الکفار مباشرۃ أو معاونۃ بالمال أو بالرأی أو بتکثیر السواد أو غیر ذلک[۲]

لغت میں جہاد مشقت کے معنیٰ میں آتا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں جہاد کا مفہوم ہے کفار سے قتال میں پوری طاقت صرف کرنا براہِ راست قتال کرکے یا قتال کرنے والوں کا مال یا رائے سے تعاون کرکے یا اُن کا جتھا بڑھا کر یا کسی اور طریقے سے۔

بلند متکلم و فقیہ محقق ابن ہمام صاحب "فتح القدیر" رقم طراز ہیں:

"الجہاد ھو دعوۃ الکفار الی الدین الحق وقتالھم ان لم یقبلوا"

جہاد کا مطلب ہے کفار کو دینِ اسلام کی طرف بلانا اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے قتال کرنا۔

علماء محققین کی ان چند عبارتوں سے جہاد کا شرعی اصطلاحی معنیٰ واضح ہو جاتا ہے۔ محدثین نے کتاب الجہاد کے نام سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت جو حدیثیں درج کی ہیں ان کا تعلق دین میں کی جانے والی تمام کوششوں سے نہیں بلکہ راہِ خدا میں غزو و قتال سے ہے، اس سے بھی واضح

---

[۱] مقدمات ابن رشد، ص ۲۸۵

[۲] مرقاۃ المفاتیح ۲/ ۳۳۶، ملتان

ہوتا ہے کہ جہاد ایک شرعی اصطلاح ہے جیسے ہمارے محدثین نے اسی اصطلاحی مفہوم میں استعمال کر کے ہی انہوں نے کتاب الجہاد یا کتاب السیر میں جہاد کے موضوع پر جو بحثیں کی ہیں ان سے جہاد کا ایک شرعی اصطلاح ہونا متعین ہو جاتا ہے۔

"افضل الجہاد کلمة حق عند سلطان جائر" (سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے) اس طرح کی حدیثوں سے یہ ثابت کرنا کہ جہاد عسکری جہاد ہی میں محصور نہیں، استدلال کرنے والوں کی عجلت اور سطحیت کی غمازی کرتا ہے۔ مذکورہ احادیث پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ زبان نبوت سے سیکڑوں بار مطلق جہاد بول کر عسکری جہاد ہی مراد لیا ہے، لیکن جہاد کے عمل کی جو عظمت اور اس کا جو بے پناہ ثواب کتاب و سنت میں بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے عمل کی غیر معمولی اہمیت بیان کرنی چاہی تو اسے جہاد کے ساتھ تشبیہ دے دی، اور کبھی کبھی تشبیہ میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے عین جہاد قرار دے دیا۔ افضل الجہاد والی وہ حدیث جس سے شیخ یوسف القرضاوی نے اپنے دعویٰ پر استدلال کیا ہے اس میں یا تو جہاد لغوی معنی پر محمول کیا جائے گا یا اسے تشبیہ و استعارہ کا طرز بیان قرار دیا جائے گا۔ اس حدیث کو سمجھنے میں آپ کو زیادہ آسانی ہوگی اگر آپ درج ذیل احادیث کو بھی پیش نظر رکھیں۔

"أفضل الرباط انتظار الصلاة و لزوم مجالس الذكر"[1]

"أفضل الجهاد حج مبرور"[2]

"أفضل الصدقة إصلاح ذات البين"[3]

"أفضل الإيمان حسن الخلق"[4]

"أفضل الهجرة أن تهجر ما كره الله"[5]

ان تمام احادیث کا پیرایۂ بیان وہی ہے جو "افضل الجہاد کلمة حق عند سلطان جائر" کا ہے۔

---

١ المطالب العالیہ ۱/۱۰۲، حدیث ۳۹۱

٢ صحیح بخاری کتاب الحج باب ۴

٣ مجمع الزوائد جزء ۸، ص ۸۰

٤ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان

٥ کنز العمال، حدیث [illegible]

ہو ہے لیکن کیا ان احادیث کی بنا پر کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہجرت، صدقہ، رباط وغیرہ شریعت کے اصطلاحی الفاظ نہیں ہیں جن کا ایک خاص متعین مفہوم ہے۔ ان تمام احادیث میں تشبیہ و استعارہ کا بلیغ اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور بعض دوسرے دینی کاموں کو ہجرت، جہاد، رباط اور صدقہ کے ساتھ انتہائی بلیغ پیرائے میں تشبیہ دی گئی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر بالفرض مفسرین اور فقہاء نے فی سبیل اللہ کی تفسیر مجاہد اور جہاد سے کی ہوتی تو بھی اس توسیع کی گنجائش نہیں تھی جسے شیخ یوسف القرضاوی نے اختیار کیا ہے۔

شیخ یوسف القرضاوی نے اپنے نظریۂ توسیع کے سلسلے میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ ہم نے اسلامی سرگرمیوں اور جہاد کی جن صورتوں کا ذکر کیا ہے اگر وہ نصوص قرآن وسنت کی بنا پر جہاد کے مفہوم میں داخل نہ بھی ہوں تو انھیں قیاس کے ذریعہ جہاد سے ملحق کرنا ضروری ہے، کیوں کہ دونوں کا مقصد اسلام کی طرف سے دفاع، اسلام کی نصرت، دشمنان اسلام کا مقابلہ اور دنیا میں کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے۔

یہ استدلال واقعی لاجواب ہے اگر عبادات کو بھی ہم نے قیاس و استنباط کا تختۂ مشق بنا دیا تو عبادات کی شکل وصورت مسخ ہو کر رہ جائے گی اور عبادات اپنی معنویت کھو بیٹھیں گی، اس طرح کی تعلیلات سے مصارف زکوٰۃ میں اضافہ کرنے سے زکوٰۃ کو آٹھ مصارف میں منحصر کرنے کا خداوندی مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ قیاس و استنباط کا موضوع نہیں بن سکتے کیوں کہ سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف حصر کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف انھیں آٹھ مصارف میں صرف ہو سکتی ہے ان کے علاوہ کسی اور کام میں زکوٰۃ صرف کرنا درست نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم نے قیاس واجتہاد کے ذریعہ کچھ اور مدوں کو مصارف زکوٰۃ میں شامل کر دیا تو زکوٰۃ کے مصارف آٹھ میں محصور کہاں رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ پر غور کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مصارف زکوٰۃ کی تعلیل کر کے اشتراک علت کی بنا پر ان آٹھ مصارف کے علاوہ کچھ دوسری مدوں کو مصارف زکوٰۃ میں شامل کرنا درست نہیں۔

اصول فقہ کی تمام کتابوں میں قیاس کی بحث میں صحت قیاس کے لیے کچھ شرطیں ذکر کی جاتی ہیں ان میں سے متعدد شرطیں مصارف زکوٰۃ میں نہیں پائی جاتیں، مشہور حنفی اصولی وفقیہ امام سرخسی متوفی ۴۹۰ھ میں اپنی مشہور کتاب "اصول سرخسی" میں قیاس کے لیے پانچ شرطیں ذکر کی ہیں، ان میں سے شرط اول یہ ہے کہ اصل "مقیس علیہ جس پر قیاس کیا جا رہا ہو" کا حکم اسی کے ساتھ خاص نہ ہو اور شرط ۲ یہ ہے کہ تعلیل "علت دریافت

کر کے قیاس کرنا " کی وجہ سے نص کے کسی لفظ کو باطل کرنا لازم نہ آتا ہو۔[1]

مصارف زکوٰۃ کے مسئلہ میں صحت قیاس کی یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لیے کہ سورہ توبہ کی آیت ۶۰ صاف طور پر بتا رہی ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف صرف انھیں آٹھ مدوں کے لیے خاص ہے" لہٰذا شرط نمبر ایک مفقود ہوئی۔ نیز اگر مصارف زکوٰۃ کی علت تلاش کر کے کچھ نئی مدوں کو ان پر قیاس کریں تو نص سورہ توبہ کی آیت ۶۰ کے بعض الفاظ کا ابطال لازم آتا ہے، یعنی "انما" جو حصر کے لیے ہے" کے تقاضے پر عمل نہیں ہوتا" لہٰذا شرط نمبر پانچ مفقود ہوئی۔ قیاس کی یہ شرطیں اصول فقہ کی تمام متداول کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ان دو شرطوں کو امام غزالیؒ نے شفاء الغلیل میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

" الشرط السابع ان لا یتغیر النص الذی منه الاستنباط بالتعلیل بل یبقی علی ما کان قبل التعلیل ....

الأصل الذی یمتنع القیاس علیه المعتقد الذی ذکرناه لابعد وثلاثة أوجه أحدها ان یدل نص او اجماع علی اختصاص الحکم بموردہ فیمتنع الحاق غیرہ به لما فیه من ابطال الاختصاص"[2]

ہمارے فقہاء نے عبادات کے مسائل میں قیاس سے کام لینے میں غیر معمولی احتیاط برتی ہے، بعض مجتہدین نے عبادات میں قیاس کو بروئے کار لانے سے مکمل اجتناب کیا ہے، اور بعض نے عبادات میں قیاس تو کیا لیکن اس کا دائرہ بہت محدود رکھا۔ اس سلسلہ میں مشہور مالکی فقیہ و اصولی علامہ شاطبیؒ نے "الموافقات" کے جلد دوم، صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۳ پر اچھی بحث کی ہے، امام غزالیؒ نے بھی اس موضوع پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو شفاء الغلیل صفحہ ۲۳، ۲۴۔

---

[1] اصول السرخسی ۲/۱۴۹، ۱۵۰

[2] شفاء الغلیل، ص ۶۳۲

فی سبیل اللہ

زکوٰۃ کا ایک اہم مصرف

از ـــــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام
حیدرآباد

قرآن مجید نے زکوٰۃ کے جو مصارف ہشت گانہ بیان کیے ہیں، ان میں ایک فی سبیل اللہ ہے
فی سبیل اللہ سے متعلق تین اہم مباحث ہیں۔

اول یہ کہ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

دوسرے اس مد میں بھی مالک بنانے کی شرط ہے یا نہیں؟

تیسرے اس مد میں بھی فقر و احتیاج ضروری ہے یا نہیں؟

پہلے نکتہ پر سلف صالحین میں بہت کم اختلاف ہے، لیکن دوسرے اور تیسرے نکات پر ائمہ مجتہدین کے دور سے اختلاف رہا ہے۔ اس وقت ان تینوں نکات پر گفتگو کی جاتی ہے۔

فی سبیل اللہ میں کچھ لوگ مطلق توسع کے قائل ہیں، بعض حضرات ایک گونہ تحدید کے، اور جمہور محدثین و فقہاء کے نزدیک اس کا دائرہ نہایت محدود ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اہل علم کی آراء پیش کی جائیں گی، پھر متوسعین اور جمہور کی دلیلیں، اس کے بعد ان دلائل کا تجزیہ کیا جائے گا تاکہ کسی نتیجہ تک پہونچا جاسکے۔

جمہور فقہاء کی رائے

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں۔ حنفیہ کی رائے طحطاوی نے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"قولہ فی سبیل اللہ ھو منقطع الغزاۃ والحجاج[1]"

یہی بات مجمع الانہر میں بھی گئی ہے[2]۔ شوافع کے نقطۂ نظر کی ترجمانی سیوطی نے ان الفاظ میں کی ہے:

"القائمین بالجھاد ممن لافیئ لھم ولو اغنیاء[3]"

کار جہاد انجام دینے والے جن کا وظیفہ مقرر نہ ہو گو وہ مالدار ہوں۔

قرطبی نے مالکیہ کی رائے نقل کی ہے کہ "فی سبیل اللہ وھم الغزاۃ[4]" حنابلہ کے یہاں بھی مجاہدین اس کا مصداق اولین ہیں:

"اما فی سبیل اللہ فمنھم الغزاۃ الذین لاحق لھم فی الدیوان عند الامام احمد[5]"

یہاں تک کہ امام مالکؒ نے فرمایا فی سبیل اللہ کا لفظ گو اپنے معنی کے اعتبار سے عام ہے مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت میں مجاہدین ہی اس کا مصداق ہیں:

"سبل اللہ کثیرۃ ولکن لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللہ ھھنا الغزو من جملۃ سبل اللہ[6]"

عینی قائل ہیں:

"وقال الکاکی منقطع الغزاۃ وھو المراد من قولہ فی سبیل اللہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف والشافعی ومالک وعند احمد ومحمد منقطع الحاج[7]"

---

[1] طحطاوی ۱/۳۰۲ [2] مجمع الانہر ۱/۲۲۲ [3] جلالین

[4] الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۸۵ [5] تفسیر ابن کثیر ۲/۳۶۴

[6] احکام القرآن لابن العربی ۲/۹۶۹ [7] عینی علی الہدایہ ۱/۳۵

ائمہ مجتہدین تک ہمیں فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین میں صرف دو مواقع پر توسع نظر آتا ہے۔ ایک یہ کہ مالکیہ کے یہاں مجاہدین کی مدد کے علاوہ آلاتِ جہاد کی فراہمی اور دفاعی تیاریوں پر بھی اس کے خرچ کی اجازت ہے[1] جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق نیز امام محمد کے نزدیک ایسے حاجی کو بھی اس مد سے دیا جا سکتا ہے جو حج فرض ہونے کے بعد استطاعتِ حج سے محروم ہو گیا ہو،[2] لیکن حنفیہ نے عام طور پر امام محمد کے اس قول کو قابلِ ترجیح نہیں کہا ہے، اکثر متون میں اس کو صیغۂ تمریض (قیل) کے ساتھ نقل کیا گیا ہے (نسفی، حصکفی، اسبیجابی) اور اکثر فقہاء نے اس رائے کو معتمد نہیں مانا ہے[3]۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان زکوٰۃ کے مسئلہ میں فی سبیل اللہ کے مصداق میں یہ وسعت اور تنگی لفظی اختلاف کا درجہ رکھتی ہے کہ حنفیہ کے یہاں مجاہد ہو یا حاجی اس کے مصرفِ زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر[4] ضروری ہے اور فقر بجائے خود استحقاقِ زکوٰۃ کے لیے کافی ہے[5]۔ امام احمد سے بھی ایک قول فی سبیل اللہ سے حجاج مراد ہونے کا منقول ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہی ان کی معروف و ظاہر رائے ہے۔

"وقال احمد في اظهر الروايتين الحج من سبيل الله[6]"

متوسعین

بعد کے فقہاء میں ایک گروہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے جس نے فی سبیل اللہ کے معنی میں عموم و وسعت کی راہ اختیار کی ہے ان میں سر فہرست چھٹی صدی کے نامور فقیہ و عالم ملک العلماء کاسانی کا نام نامی آتا ہے وہ فرماتے ہیں:

"واما سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات[7]"

مگر علامہ کاسانی نے ایک طرف تو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں جو وسعت برتی تھی، دوسری طرف

---

۱ دیکھیے: حاشیہ دسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۴۹۷ ۲ رد المحتار ۲/۶۰ ۳ البحر الرائق ۲/۲۶۰ ۴ [illegible] بعض فقہاء اس
سے مختلف بھی ہیں، دیکھیے "الافصاح علی الاصح" ۱/۳۰۲ ۶ رحمۃ الامۃ ۱/۹۲
۷ بدائع الصنائع ۲/۴۵

قائل تھے، شاید ایسا اس لیے ہوا ہو کہ اس زمانہ میں یہ قول "شذوذ" کا درجہ رکھتا تھا اس لیے انھوں نے اس کو قابل ذکر بھی نہ سمجھا ہو، اس کے بعد تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک اس رائے کی کوئی تائید ہوتی نظر نہیں آتی، سوائے اس کے کہ بعض مصنفین نے مذاہب و آراء کی نقل کے ذیل میں ایک ایسی رائے کی حیثیت سے اس کا ذکر کر دیا جس کے حامیین اور قائلین بھی پردہ ابہام میں ہوں، پھر گیارہویں صدی کے مشہور محقق اور محدث علامہ مرتضیٰ زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے اس کی تائید میں چند سطریں لکھیں، فرماتے ہیں:

"يمكن ان يراد به المجاهدين والانفاق منها في الجهاد لانه يطلق عليه هذا الاسم عرفا ويمكن ان يراد به سبيل الخير كلها القربة الى الله"[1]

پھر اپنے مذاق متصوفانہ کی وجہ سے اس میں وہ عموم پیدا کر کے مجاہدین کا رزار سے لے کر مجاہدۂ نفس کرنے والوں تک اس کا دائرہ وسیع کر دیا اور پیاسے جانوروں اور درختوں کی بھی اس مد زکوٰۃ سے محرومی گوارا نہ کی، لکھتے ہیں:

"...... بل ما تقتضيه المصلحة العامة لكل انسان بل لكل حيوان حتى الشجرة يراها تموت عطشا فيكون عنده بما يشترى لها ما يسقيها به من مال الزكوٰة فيسقيها بذلك فانه من سبيل الله وان اراد المجاهدين فالمجاهدون معلومون بالعرف من هم والمجاهدون انفسهم ايضا في سبيل الله فيعانون بذالك على جهاد انفسهم"[2]

اس کے بعد کم درجہ کی توسیع علامہ صنعانی کے ہاں ملتی ہے، انھوں نے مجاہدین پر قیاس کرتے ہوئے قضاۃ، مفتیین اور مدرسین کو بھی اسی زمرہ میں رکھا ہے:

"ويلحق به من كان قائما بمصلحة عامة من مصالح المسلمين كالقضاء والافتاء والتدريس وان كان غنيا"[3]

۱۔ اتحاف ۳/۲۸۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ سبل السلام ۲/۴۳

ہر چند کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے صراحۃً اس مد کی کوئی ایسی تشریح نہیں کی ہے جو وسعت کو بتاتی ہو، لیکن ان کی بعض عبارتوں سے مترشح ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں وہ تحدید و حصر کے قائل نہیں ہیں، بلکہ قرآن مجید کی تعبیر کو محض حصر اضافی مانتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"فالحصر فی قولہ تعالیٰ (انما الصدقات) اضافی بالنسبۃ إلی ما طلبہ المنافقون فی صرفہا فی ما یشتہون علی ما یقتضیہ سیاق الآیۃ والسر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلابد من توسعۃ لتکفی نوائب المدینۃ، واللّٰہ اعلم"[۱]

سترہویں صدی کے صنعتی اور فکری انقلاب کے بعد مغرب بڑی قوت سے اسلام پر حملہ زن ہوا اور اس نے عالم اسلام پر استقلال کے ساتھ ساتھ اسلام پر بھی فکری اور نظری یلغار اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ شروع کر دی۔ دوسری طرف اسلام کے خادمین اور اس کے فکری و علمی محافظین کا رشتہ حکومت و سلطنت سے کٹ کر رہ گیا اور وسائل و ذرائع سے محرومی ان کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن گئی کہ ان حالات میں کہ باطل پورے مادی وسائل کے ساتھ علم و قلم کی شمشیر بے نیام لے کر بڑھ رہا ہے، اسلامی سلطنتیں مغربی تہذیب کے سامنے سپر انداز ہو چکی ہیں اور ان کے بیش قدر ذرائع ہیں ثقافت و تہذیب کے نام پر بد دینیوں کے لیے تو وافر حصہ ہے لیکن حفاظت اسلام کے لیے نہ صرف کوئی حصہ نہیں، بلکہ وہ ایک جرم کا درجہ رکھتا ہے ان حالات میں وہ اسلام کی فکری مورچہ بندی اور اہل باطل کی صف شکنی اور مدافعت کے لیے کہاں سے وسائل لائیں؟

اس صورت حال نے پورے جذبۂ اخلاص کے ساتھ ان کو یہ راہ بتائی کہ فی سبیل اللّٰہ کے معروف مفہوم کی بجائے اس کے وسیع لغوی معنی کو اختیار کرتے ہوئے زکوٰۃ سے اس ضرورت کی تکمیل کی جائے۔ اسی لیے اس صدی سے پہلے جہاں محقق علماء کے یہاں اس رائے کو ایسا شذوذ سمجھا جاتا تھا کہ یہ تک کسی نے نہیں لکھا کہ اس وسعت کا قائل کون ہے؟ اس صدی میں عالم اسلام کے وہ علماء جو اسلام کے قلب و جگر اور زبان و ذہن

---

[۱] حجۃ اللّٰہ البالغۃ ۲/۱۲۷ طبع فرنگی محل

بن کر اسلام کی فکری سربلندی کا اثبات کرتے رہے اور کلمۃ اللہ ہی العلیا کا ذریعہ بنا، ان کو نصیب ہوا، انھوں نے ہی وسعت و کشائش کا آواز و بلند کیا، یہ ہیں صاحب المنار علامہ رشید رضا مصری جنھوں نے غالباً سب سے پہلے اس نقطۂ نظر کو دلائل و براہین کے پیرہن کے ساتھ پیش کیا۔ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام، نواب صدیق حسن خاں، ماضی قریب کے علماء میں مولانا سید احمد عروج قادری، موجودہ اہل علم میں مولانا امین احسن اصلاحی اور بعض دوسرے علماء۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی جن کی فقہ الزکوٰۃ اسلامی کتب خانہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے ــــــ نے اس تحدید و توسیع کے درمیان ایک اعتدال کی راہ نکالی کہ فی سبیل اللہ سے مراد ہیں گو مجاہدین ہی، لیکن جہاد سے صرف جہاد بالسیف ہی مراد نہیں ہے، جہاد بالقلم اور جہاد باللسان وغیرہ بھی اس میں داخل ہے۔ ہر چند کہ قرضاوی صاحب نے رشید رضا کی بے روک ٹوک توسیع پر نقد کر کے یہ راہ وسط نکالی ہے، لیکن جہاد کے مفہوم میں اس عموم کے بعد حقیقت یہی ہے کہ رشید رضا اور قرضاوی صاحب کی رائے میں عملاً کوئی بڑا فرق باقی نہیں رہ پاتا۔

جمہور کے دلائل

جمہور فقہاء جو اس مد کو مجاہدین اور غزاۃ تک محدود مانتے ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱ ــــ "انما" کا لفظ عربی زبان میں حصر کو بتلاتا ہے اور فی سبیل اللہ کو لغوی معنی کے اعتبار سے عام رکھا جائے تو پھر مصارف زکوٰۃ میں کوئی تحدید باقی نہیں رہتی۔

۲ ــــ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کی تعیین اس بات کی متقاضی ہے کہ ان تمام مدات میں نوعیت کا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن فی سبیل اللہ میں اگر اس درجہ عموم روا رکھا جائے تو ادنیٰ تکلف کے بغیر بقیہ ساتوں مصارف بھی فی سبیل اللہ کے تحت آجاتے ہیں۔

۳ ــــ احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ مصارف میں تحدید اور انحصار ہی شارع کا منشأ ہے اور فی سبیل اللہ میں عموم کے بعد اس منشأ کی تکمیل ممکن نہیں۔ ابوداؤد شریف میں مروی ہے:

---

[۱] ترجمان القرآن ۳/۳۱۹

[۲] تدبر قرآن ۳/۵۹۲

"عن زیاد بن حارث الصدائی قال اتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعتہ و ذکر حدیثا طویلا فاتاہ رجل فقال اعطنی من الصدقۃ فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزأھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک حقک"[1]

۴ــــــ فی سبیل اللہ کی حیثیت ایک اصطلاح شرع کی ہے۔ لہٰذا جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مجاہدین فی سبیل اللہ ہی مراد ہوں گے۔ چنانچہ امام مالکؒ نے فرمایا،

"سبل اللّٰہ کثیرۃ ولکن لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللّٰہ ھھنا الغزو فی سبیل اللّٰہ"[2]

اس طرح کی تصریحات دوسرے اہل علم کے یہاں بھی موجود ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

۵ــــــ غور کیا جائے تو چوتھی صدی ہجری تک فی سبیل اللہ کے مصداق میں دو کے سوا کوئی تیسرا قول نہیں تھا، ایک مجاہدین اور متعلقات جہاد، دوسرے حجاج۔ گویا ائمہ مجتہدین کے دور میں اس پر اجماع منعقد ہو چکا، اس کے بعد کسی اور رائے کا اظہار گویا خرق اجماع کے مترادف ہے۔

۶ــــــ مصارف زکوٰۃ کی آیت سے پہلے قرآن مجید میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اور "انفروا خفافا وثقالا" کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ایک مسئلہ کے ذکر کے بعد جب دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ان دونوں میں کوئی مناسبت اور باہمی ربط ہوا کرتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں۔[3]

متوسعین کی دلیلیں

۱ــــــ فی سبیل اللہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے عام ہے اور کتاب و سنت میں جو عام وارد ہوں وہ

---

[1] ابو داؤد ۲۳/۲، کتاب الزکوٰۃ۔ نیز ملاحظہ ہو، درمنثور ۲۲۱/۴

[2] احکام القرآن لابن عربی ۹۶۹/۲ [3] الاساس فی التفسیر للشیخ السید حوی ۲۳۱۲/۴

اپنے عموم پر باقی رہتے ہیں سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود ہو ـــــ امام رازی نے اسی عموم سے استدلال کیا ہے۔[1]

۲ ـــــ اگر فی سبیل اللہ سے مجاہدین ہی مراد ہوں تو ان پر ان دوسرے لوگوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو مسلمانوں کی مصالح عامہ کو انجام دیتے ہوں، جیسے قضاۃ، اہل افتاء، مدرسین وغیرہ۔ علامہ صنعانی نے اس طرف اشارہ کیا ہے[2] اور صنعانی کا خیال ہے کہ اسی طرف امام بخاری کا میلان تھا، چنانچہ انھوں نے اپنی "صحیح" میں ایک عنوان اس طرح قائم فرمایا ہے:ـــــ "باب رزق الحاکم والعاملین علیہا، (قاضی اور عاملین زکوٰۃ کے کفاف کا بیان) ـــــ غرض اعلاء کلمۃ اللہ کی علت میں اشتراک کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی اس زمرہ میں رکھ کر ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

۳ ـــــ قرآن مجید نے بعض مصارف پر لام داخل کیا ہے جو "تملیک" کے معنی میں ہوتا ہے، گویا ان مصارف میں افراد و اشخاص کی حاجت روائی اور ان کو مالک بنانے کی طرف اشارہ ہے جب کہ بعض مصارف پر "فی" داخل کیا گیا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مد سے اشخاص و افراد بذات خود مراد نہیں ہیں، بلکہ شریعت کی کچھ خاص مصلحتیں پیش نظر ہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعہ ان کی تکمیل کی جائے ـــــ لہٰذا جہاد فی سبیل اللہ کی مصلحت اور مقصود جن ذرائع سے بھی پورا ہوتا ہو، پورا کیا جائے گا۔

۴ ـــــ مصارف زکوٰۃ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر اس کے دو مقاصد ہیں۔ ایک مقصد فقراء کی حاجت کو پورا کرنا ہے، دوسرا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ فقراء و مساکین ابن سبیل غارمین اور عاملین وغیرہ پہلے مقصد کو پورا کرتے ہیں، جب کہ مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ سے دوسرے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ فی زمانہ یوں کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد بالسیف سے بڑھ کر جہاد بالقلم کی ضرورت ہے اور آج کا رگاہ و مقابلہ صحافت، ادب، تصنیف و تالیف اور علم و فن بن چکا ہے، اس لیے شریعت کے اس منشاء و مصلحت کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت برتی جائے۔

---

[1] تفسیر کبیر ۱۶/۱۱۳، نیز ملاحظہ ہو اتحاف السادۃ المتقین للزبیدی ۴/۱۵۲ [2] سبل السلام ۲/۱۳۶

۵ ـــــ قرآن اول میں فی سبیل اللہ سے بعض صحابہ نے حج مراد لیا ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حجاج و عمار ہیں، اسی طرح کا قول حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے نیز امام بخاری نے ابو لاس سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے ان کو صدقہ کا اونٹ عطا فرمایا تھا[1]۔
اس سے معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کا مدعا مجاہدین ہی میں منحصر نہیں ہے۔

۶ ـــــ فقہائے احناف کے یہاں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ انھوں نے طلبۂ علوم دینیہ کو بھی اس مد میں شمار کیا ہے، فقہائے مالکیہ نے تو یہاں تک غنی طلبہ کو بھی اس مد میں شامل رکھا، اور وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ بھی مجاہدین میں ہیں، چنانچہ علامہ صاوی کا بیان ہے:

"مذهب مالك ان طلبة العلم المنهمكين فيه لهم الاخذ من الزكاة ولو اغنياء اذا انقطع حقهم من بيت المال لانهم مجاهدون[2]۔"

لیکن خود فقہائے حنفیہ کے یہاں بھی ایسی صراحتیں مل جاتی ہیں کہ غنی طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، علامہ حصکفیؒ نے صاحب واقعات سے نقل کیا ہے:

"ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكاة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب[3]۔"

۷ ـــــ مصارف صدقات کی آیت میں "انما" حصر حقیقی کے لیے نہیں ہے بلکہ حصر اضافی کے لیے ہے۔ چونکہ منافقین آرزومند تھے کہ صدقات میں سے ان کو دیا جائے، جیسا کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں مذکور ہے، قرآن ان کے استحقاق کی نفی کرنا چاہتا ہے تو قرآن مجید کا منشا صرف منافقین کے استحقاق کی نفی کرنا ہے، مطلق حصر و تحدید مقصود نہیں[4]۔

جمہور کی دلیل پر ایک نظر

اب ہم ایک نظر ان دلائل پر ڈالیں گے جو فریقین کی جانب سے پیش کی گئی ہیں۔

۱؎ ملاحظہ ہو احکام القرآن للقرطبی ۸/ ۱۸۵ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ تعالیٰ والغارمین وابن السبیل وفی سبیل اللہ ۲؎ حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ۲/ ۱۴۱ ۳؎ درمختار علی ہامش رد ۲/ ۵۹ نیز ملاحظہ ہو مراقی الفلاح ص ۴۱۹ ۴؎ ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۱۰ مصارف زکوٰۃ۔

جمہور کی طرف سے فی سبیل اللہ میں مجاہدین کی تخصیص پر استدلال کہ اس سے پہلے جہاد کا مضمون آیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ یہاں بھی فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہو، محض ایک قرینۂ بعید کا درجہ رکھتا ہے منافقین گو نماز و روزہ بظاہر کر لیتے تھے، لیکن سب سے زیادہ جہاد سے راہ فرار اختیار کرتے تھے، اس لیے ترغیب جہاد کے بعد روئے سخن منافقین کی طرف ہوا، اور چوں کہ منافقین مفت خوری کے متمنی رہتے تھے، اس لیے ایک طرف ان کے اس مزاج و مذاق کی مذمت کی گئی اور دوسری طرف یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ زکوٰۃ و صدقات کے مصرف کون لوگ ہیں؟ ــــــ اس طرح فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تحدید و حصر کے بغیر بھی آیت کے سیاق و سباق سے اس کا ربط قائم رہتا ہے۔

اس کے سوا جمہور نے اپنے نقطۂ نظر پر جو نکات پیش کیے ہیں وہ کافی قوی ہیں۔

متوسعین کے دلائل پر ایک نظر

۱ ــــــ دوسرے گروہ کی سب سے قوی دلیل فی سبیل اللہ کا لفظی اعتبار سے عموم و اطلاق ہے لیکن اگر جمہور کے نقطۂ نظر کے مطابق اس کو ایک شرعی اصطلاح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس دلیل میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا، اس لیے کہ اصطلاحات شرعیہ میں الفاظ کے عموم و اطلاق اور اس کے حقیقی لغوی معنی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

۲ ــــــ "مجاہدین" پر مصارف زکوٰۃ کے باب میں دوسروں کو قیاس کرنا اس لیے قرین صواب نہیں کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادات میں اصل "تعبد" ہے اور تعبدی احکام میں اصولی طور پر قیاس کو دخل نہیں۔

۳ ــــــ "لام" اور "فی" سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کے مدات میں شارعؒ نے صرف اشخاص کی ضرورت کو سامنے رکھا ہے۔ دوسری قسم کے مدات میں مصالح بھی پیش نظر ہیں، لیکن خود قرآن مجید کی تعبیر سے واضح ہے کہ ان مدات میں بھی مجرد مصلحت مقصود نہیں ہے، بلکہ افراد کے واسطے سے مصلحت کی تکمیل مقصود ہے، غور کیا جائے کہ فک رقاب کا مسئلہ ہو، ابن سبیل کا مد ہو یا غارمین کا، ہر جگہ افراد و اشخاص کے ذریعہ مصلحت کی تکمیل ہوتی ہے، اس لیے فی سبیل اللہ والی مصلحت بھی افراد و اشخاص کے واسطے سے مکمل کی جائے گی، محض رفاہی اور دینی افعال و اعمال کے

کے ذریعہ نہیں، اسی لیے جو لوگ فی سبیل اللہ سے مجاہدین مراد لیتے ہیں ان کے ہاں اصل عبارت "وفی الغزاۃ فی سبیل اللہ" قرار پائے گی۔

علامہ زمخشری نے تعبیر میں "لام" سے "فی" کی طرف عدول کی بڑی عقدہ کشائی کی ہے، فرماتے ہیں:

"فإن قلت لم عدل عن اللام إلى في في الأربعة الأخيرة قلت للإيذان بأنهم أرسخ في استحقاق التصدق عليهم ممن سبق ذكره لأن في للوعاء فنبه على أنهم أحقاء بأن توضع فيهم الصدقات ويجعلوا مظنة لها ومصبا وذلك لما في فك الرقاب من الكتابة أو الرق أو الأسر وفي فك الغارمين من الغرم من التخليص والإنقاذ ولجمع الغازي الفقير أو المنقطع في الحج بين الفقر والعبادة وكذلك ابن السبيل جامع بين الفقر والغربة عن الأهل والمال وتكرير "في" في قوله "وفي سبيل الله وابن السبيل" فيه فضل ترجيح لهذين على الرقاب والغارمين[١]"

آلوسی نے اس پر اس نکتہ کا اضافہ کیا ہے کہ پہلے چار مصارف میں خود ان کو مالک بنایا جاتا ہے، جب کہ بعد کے چاروں مصارف میں خود اس کو مالک بنانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کی مصلحتوں کی تکمیل مقصود ہوتی ہے، تو اس لیے "لام تملیک" پہلے چاروں مصارف کے لیے زیادہ مناسب و موزوں تھا۔[٢]

٢ ـــــ اس میں شبہ نہیں کہ مصارف زکوٰۃ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقراء کی حاجت روائی اور اعلاء کلمۃ اللہ زکوٰۃ کے دو گونہ مقاصد ہیں اور جہاد بالسیف کے علاوہ بھی اعلاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے مختلف ذرائع ہیں، لیکن ظاہر ہے اعلاء کلمۃ اللہ کی حیثیت ایک حکمت و مصلحت کی ہے اور احکام کی بنیاد حکمت پر نہیں ہوتی، علت پر ہوتی ہے، علت جیسے "عاملین" میں "عمل" اور "غارمین" میں "مقروض ہونا" یا بعض فقہاء کی رائے پر دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لیے مالی بار کو برداشت کرنا ہے، اسی طرح فی سبیل اللہ میں جہاد ہے اور جہاد کا اصطلاحی مفہوم جہاد بالسیف

---

١ الکشاف ٢/١٥٨ ٢ روح المعانی ١٠/١٢٢

ہے، اس لیے حکم کی بنیاد دراصل اسی پر رہے گی۔

۵ ـــــ فی سبیل اللہ میں امام احمد کے ایک قول کے مطابق حج کو داخل کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اثر پر مبنی ہے لیکن خود ابن عمرؓ کے پیش نظر اگر اسے جائز کیا جائے تو اسے مصرف زکوٰۃ والے "فی سبیل اللہ" میں شمول قرین صواب نظر نہیں آتا۔ قرطبی نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اصل میں ایک شخص نے اپنے مال کے ایک حصہ کی فی سبیل اللہ وصیت کی تھی۔ خاتون نے آکر حضرت ابن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا، انھوں نے فرمایا "فهو كما قال في سبيل الله" اس مجمل جواب سے خاتون کی الجھن دور نہ ہوئی، اس لیے عبدالرحمان بن ابی نعم نے جو ان کے ساتھ تھے، کہ دیکھو دلائی۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں اسے کہوں کہ ان فوجیوں کو دے دے جو زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں اور راہگیروں کو لوٹتے ہیں۔ عبدالرحمٰن نے دریافت کیا پھر آپ اس کو کس مد میں خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ ابن عمرؓ نے فرمایا، حاجیوں کے حوالے کرنے کا، یعنی حجاج بیت اللہ کو جو اللہ کے مہمان ہیں۔[۱]

غور کیا جائے تو یہاں زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ یہ "نذر" ہے، اس میں جہاد اور دوسرے کار خیر دونوں کی گنجائش تھی۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنے زمانہ کے فوجیوں کی بے راہ روی دیکھتے ہوئے اس کو مشورہ دیا کہ حجاج پر خرچ کر دیا جائے۔ "نذر" کی بنیاد اصل میں عرف پر ہوتی ہے جس میں دونوں معنی کی گنجائش ہے اور فی سبیل اللہ کی حیثیت مصارف زکوٰۃ میں اصطلاح شرعی کی ہے، اس لیے دونوں میں فرق ظاہر ہے جیسا کہ امام احمد سے ان کے بعض تلامذہ نے اس قول سے رجوع نقل کیا ہے۔[۲] گو بعض دفعہ ائمہ کا مرجوع عنہ قول ہی معروف ہو جاتا ہے اور قبول عام حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی واضح مثال "آمین" کے جہر و سر میں امام شافعیؒ کی رائے ہے، ابتداء میں جہر آپ کا مرجوع عنہ قول ہے، مگر وہی فقہ شوافع کے ہاں معمول و معتمد ہے۔ امام احمدؒ نے بھی اسی طرح کے نذر کے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے جو عہد نبوی میں پیش آیا،[۳] لیکن فقر و احتیاج کی قید کے بعد جیسا کہ ذکر ہوا، امام احمدؒ کا اختلاف محض تعبیر کے اختلاف کا درجہ رکھتا ہے۔

۶ ـــــ طلبہ کے سلسلہ میں جہاں تک حنفیہ کی بات ہے تو قول صحیح و معتمد یہی ہے کہ ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۸۵

[۲] ارشاد الساری ۳/۱۹۵   [۳] الانصاف ۳/۲۳۶

کے لیے بھی فقر و حاجت کی شرط ہے، گو بعض مصنفین نے بعض غنی طلبہ کو بھی زکوٰۃ کی اجازت دی ہے، لیکن اس کو کبھی بھی فقہ حنفی میں اعتبار و قبول حاصل نہ ہو سکا، یہ ان کے اس اصول کے خلاف ہے جو صراحۃً فقہ حنفی کی تمام ہی متون و شروح میں منقول ہے کہ سوائے عاملین کے تمام ہی مدات میں فقر و حاجت کی شرط کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ شامی کہتے ہیں:

"وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد .... والاوجه تقییده بالفقیر"[1]

رہ گیا مالکیہ کا طلبہ علوم دینیہ کو غنا کے باوجود زکوٰۃ کا مستحق قرار دینا، تو ان کے ہاں واقعی اس میں توسع معلوم ہوتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں اسی مسئلہ میں نسبۃً مالکیہ کے یہاں ایک گونہ وسعت نظر آتی ہے۔

۷ ـــــ شاہ ولی اللہ صاحب کی تمام تر جلالت شان اور ذکاوت موہوبہ کے باوجود اس بات میں ان سے اتفاق ممکن نہیں کہ مصارف زکوٰۃ کی اس آیت میں "انما" محض حصر اضافی ہے اور مصارف زکوٰۃ میں فی نفسہٖ عموم ہے، مقصود صرف منافقین کی نفی ہے ـــــ اس لیے کہ ابو داؤد کی روایت آ چکی ہے اور مفسرینؒ کے یہاں اور بھی روایات موجود ہیں، جو اس بات کو بے غبار کرتی ہیں کہ اس آیت سے شارع تعالیٰ کا منشا مصارف کی تحدید و تعیین ہے، یہاں تک کہ خود مہبط وحی ﷺ کو بھی اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ بطور خود حق داروں کی تعیین اور مقررہ اصناف میں اضافہ و توسیع کریں۔

مسئلہ کی اصل و بنیاد

اصل میں اس مسئلہ میں جو بات اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن کی تعبیرات عام طور پر اس کے لغوی معنی میں استعمال ہوتی ہیں اور یہی اس کے "عربی مبین" ہونے کا تقاضہ ہے، لیکن بہت سی اصطلاحات ہیں جن کو قرآن ایک خاص معنی و مفہوم میں استعمال کرتا ہے، صلوٰۃ و صوم، زکوٰۃ و حج، طہارت، معروف و منکر، دین و شریعت وغیرہ، یہ اس کی خاص اصطلاحات ہیں۔ جب سیاق و سباق، صلات اس سے متعلق

---

[1] ردالمحتار ۲/۵۹، نعمانیہ

انحال اور اس کے لغوی معنی اس کی شہادت نہ دیتے ہوں تو ان کو خاص انھیں اصطلاحی معنوں پر محمول کیا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔ اب سوال یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی حیثیت کیا ہے؟ جن لوگوں نے اس میں عموم برتا ہے انھوں نے اس کو سادہ لغوی معنی پر محمول کیا ہے اور جن حضرات نے مجاہدین فی سبیل اللہ کی تحدید کی ہے، انھوں نے اس کو ایک شرعی اور قرآن کی اصطلاح کی نظر سے دیکھا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی، قاضی ابو یوسف کی رائے کے مطابق مجاہدین کے ساتھ اس کی تخصیص پر یہی استدلال کرتے ہیں کہ

"لان سبیل اللہ اذا اطلق فی عرف الشرع یراد به ذالک"[1]

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"لان فی سبیل اللہ عند الاطلاق انما ینصرف الی الجهاد فان کل ما فی القرآن من ذکر سبیل اللہ انما یرید به الجهاد الا الیسیر فیجب ان یحمل ما فی الآیة علی ذالک"[2]

لغت کی مشہور کتابوں میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ ابن اثیر ناقل ہیں:

"واذا اطلق فی الغالب واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة الاستعمال کانه مقصور علیه"[3]

لسان العرب میں کہا گیا ہے:

"واذا اطلق فی الغالب فهو واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة الاستعمال کانه مقصور علیه"[4]

شارح ہدایہ علامہ عینی کا بیان ہے:

"سبیل اللہ عبارة عن جمیع القرب لکن عند الاطلاق ینصرف الی الجهاد"[5]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۴۶ [2] المغنی ۶/۳۰ [3] تاج العروس ۷/۳۶۶، نیز ملاحظہ ابن اثیر کی النہایہ ۲/۰۳۳
[4] لسان العرب ۱۱/۳۳۲ [5] البنایة علی الہدایہ ۳/۲۵۵

شمس الائمہ سرخسیؒ نے لکھا ہے:

"الطاعات کلها فی سبیل اللہ ولکن عند الاطلاق هذا اللفظ المقصود

بهم الغزاة عند الناس[1]"

ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں فی سبیل اللہ کے بعد معنی جہاد سے انحراف کا قرینہ موجود نہ ہو، وہاں فی سبیل اللہ سے یہی معنی مراد ہوتا ہے ——— ہاں، کسی خاص محل کے سیاق میں یا اصطلاح کی تبدیلی کی وجہ سے کہیں اس سے مختلف معنی مراد لیا گیا تو وہ اس کے معارض نہیں، جیسے صلوٰۃ ایک اصطلاح شرعی ہے، لیکن بعض جگہ لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، "وصل علیهم ان صلوتك سكن لهم" (توبہ: ۱۰۳) یہاں صلوٰۃ بہ معنی دعا وارد ہوا ہے۔

جہاد بھی ایک شرعی اصطلاح ہے

یہی بات ان حضرات سے بھی کہنی ہے جو فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لے کر خود جہاد کے معنی میں توسع برتتے ہیں کہ اس میں شبہ نہیں کہ جہاد کے لغوی معنی مطلق سعی و کوشش کے ہیں، اس لحاظ سے دین کی سربلندی کی ہر کوشش فی الجملہ جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے، اسی مادہ اشتقاق کی رعایت سے نصوص میں بعض مقامات پر زبان و قلم کے ذریعہ ہونے والی دینی مساعی پر بھی جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے، لیکن یہ صورتیں اصطلاحی جہاد بہرحال نہیں ہیں، یہ ویسے ہی ہے کہ جیسے آپؐ نے مسلم کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده[2]"

اور مومن کے بارے میں فرمایا گیا:

"لا یومن من لا یأمن جاره بوائقه[3]"

یا ارشاد ہوا:

المهاجر من هجر مانهی اللہ عنه[4]

---

[1] المبسوط ۲/۱۰ [2]

[3] [4]

ظاہر ہے کہ ان روایات میں اسلام اور ہجرت کے بعض تقاضوں کی طرف کمال لطافت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ یہی حال ان روایات کا ہے جن میں قلم و لسان کی مساعی اور سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کی جرأت اظہار کو جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے اسمائے شرعیہ کے متعلق صحیح لکھا ہے کہ اس میں گو معنی لغوی سے مکمل عدول و انحراف نہیں ہوتا لیکن شریعت اس کے مصداق میں تصرف بھی ضرور کرتی ہے اور بعض دفعہ اس کے عموم و اطلاق میں تخصیص سے کام لیتی ہے:

"والمختار عندنا انه لا سبيل الى انكار تصرف الشرع في هذه الامامي ولا سبيل الى دعوى كونها منقولة من اللغة بالكلية كما ظنه قوم ولكن عرف اللغة تصرف في الاسامي من وجهين احدهما التخصيص ببعض المسميات كما في الدابة فتصرف الشرع في الحج والصوم والايمان من هذا الجنس اذ للشرع عرف في الاستعمال كما للعرب"[۱]

پس جہاں کہیں شارع نے جہاد کی اصطلاح استعمال کی ہو۔ وہاں ضروری ہے کہ جہاد بالسیف ہی مراد ہو۔ سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی صراحت یا ایسا واضح قرینہ موجود ہو جو یہاں کنایہ و استعارہ کا متقاضی ہو۔ اس لیے اس آیت میں بھی جہاد کے معنی میں عموم صحیح نظر نہیں آتا۔ اسی لیے بہت سے فقہاء نے جہاد فی سبیل اللہ کی بجائے "غزو فی سبیل اللہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ امام مالکؒ کا قول گزر چکا ہے۔ "المراد بسبيل الله هاهنا الغزو في سبيل الله"[۲]۔ ابن کثیرؒ کا بیان ہے: ——————

"الغزاة الذين لا حق لهم في الديوان"[۳]

زمخشری لکھتے ہیں: —— "فقراء الغزاة"[۴] —————— قاضی بیضاوی نے قتال کا لفظ استعمال کیا ہے[۵] ——————

قرطبی کہتے ہیں:

---

۱ المستصفی ۱/۳۰۰، الفصل الرابع فی الاسماء الشرعیة

۲ احکام القرآن لابن العربی ۱/۹۶۹ ۳ تفسیر ابن کثیر ۱۰/۳۶۶

۴ کشاف ۱/۵۰۰ ۵ الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۸۵

"وهم الغزاة وموضع الرباط يعطون ماينفقون في غزوهم كانوا اغنياء او فقراء"[1]

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

"فالاكثر على انه يختص بالغازي"[2]

خود حدیث میں بھی غازی ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے، ارشاد ہے:

"لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة لغاز في سبيل الله او لعامل عليها او لغارم او لرجل اشتراها بماله او لرجل له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدى المسكين الى الغني"[3]

نصوص میں جہاد بالقلم، جہاد باللسان اور بالنفس وغیرہ پر جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے، لیکن میرے حقیر علم کے مطابق غــزوہ کا اطلاق اس قسم کی مساعی پر نہیں کیا گیا ہے ——— اس لیے واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں فی سبیل اللہ سے جہاد اصطلاحی ہی مراد ہے نہ کہ مطلق دین کے لیے مساعی اور جدوجہد۔

زکوٰۃ کی اس مد میں تملیک؟

زکوٰۃ کے سلسلے میں اس بات پر قریب قریب ائمہ اربعہ کے یہاں اتفاق ہے کہ رفاہی کاموں، مدارس ومساجد کی تعمیر اور پلوں کی مرمت، مردوں کی تجہیز وتکفین اور اس طرح کے کاموں میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی۔ فقہاء حنفیہ کے علاوہ علامہ ابن قدامہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے[4]۔ البتہ مالکیہ غالباً مقصد جہاد کے لیے تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے، محمد بن عبد الحکم نے مال زکوٰۃ سے زرہ، ہتھیار اور آلات حرب کی خریداری وغیرہ کی اجازت دی ہے[5]۔ علامہ محمد علیش مالکی نے اس مد سے جاسوس کو بھی دینے کی اجازت دی ہے[6] اور گو عام فقہاء نے شہر کی تعمیرات، فصیل بندی اور کشتی سازی وغیرہ کے لیے اس مد سے خرچ کرنے کو منع کیا ہے مگر ابن عبد الحکم نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے[7]۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۸۵ [2] فتح الباری ۶/۴۳ [3] ابوداؤد، ابن ماجہ، مؤطا مالک

[4] ملاحظہ ہو البحر الرائق ۲/۲۴۳، المغنی ۲/۲۰۰، درمختار علی ہامش الرد ۲/۴۲

[5] الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۸۶ [6] منح الجلیل علی مختصر الخلیل ۱/۳۷۵، ۳۷۳

فقہاء نے زکوٰۃ میں تملیک کی شرط کتاب و سنت کی تعبیرات کو سامنے رکھ کر لگائی ہے، اس سلسلہ میں یہ نکات قابلِ ذکر ہیں:

۱ ـــــ قرآن مجید نے مصارفِ زکوٰۃ کا آغاز "لام" سے کیا ہے جو تملیک کے لیے آتا ہے۔

۲ ـــــ قرآن مجید نے متعدد مواقع پر کہا ہے: وآتوا الزکوٰۃ ـــــ "ایتاء" اعطاء (دے دینے) کے معنی میں ہے۔ جو اس بات کا متقاضی ہے کہ مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے، جیسے مہر سے متعلق کہا گیا: وآتوا النساء صدقاتهن نحلة۔ یہاں بھی ایتاء تملیک کے معنی میں ہے۔

۳ ـــــ رسول اللہ نے زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

تؤخذ من اغنیائهم و تقسم فی فقرائهم

ـــــ تقسیم کا لفظ تملیک کو مستلزم ہے۔

یہ تمام قرائن بتاتے ہیں کہ فی سبیل اللہ والی مد میں بھی زکوٰۃ کے لیے تملیک ضروری ہے اور دفاعی امور و مصالح پر یہ رقم مجاہدین کے واسطے سے خرچ کی جائے گی۔

رہ گئی یہ بات کہ اس مقام میں "لام" کی بجائے "فی" کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ تو علامہ زمخشری نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ "فی" عربی زبان میں ظرف پر داخل ہوتا ہے اور ظرف مظروف کا احاطہ و استیعاب کر لیتا ہے، اس طرح ظرف کے ساتھ تعبیر تاکید بلیغ اور اہتمام خاص کو بتاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پہلے چاروں مدات کے مقابلہ بعد کے چاروں مدات کی نوعیت زیادہ اہم تھی اس لیے ان پر "فی" داخل کیا گیا، خصوصیت سے فی سبیل اللہ میں تو صرف عطف پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ "رقاب" اور "غارمین" کے ذکر کے بعد مستقل طور پر فی سبیل اللہ فرمایا گیا۔

فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ اس بات پر متفق ہیں کہ غنی مجاہدین کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ شوافع یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ وہ مجاہدین مستقل تنخواہ دار نہ ہوں بلکہ رضاکارانہ خدمت کرتے ہوں۔ حنفیہ کے یہاں مجاہدین

الایتاء: الاعطاء، مفردات القرآن للاصفہانی

ملخص از: الکشاف

المنہاج القویم للہیتمی

کے لیے بھی فقر شرط ہے[1]۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ پانچ اشخاص کے لیے باوجود غنی ہونے کے زکوٰۃ حلال ہے اور انھیں میں آپ نے غازی فی سبیل اللہ کو بھی شمار فرمایا[2]۔ حنفیہ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں آپ نے غنی کے لیے زکوٰۃ کو حرام قرار دیا: "لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي"[3]۔ ایک اور روایت میں ہے: ——— لاحظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب[4]۔

حضرت معاذ کو آپ نے یمن بھیجتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ اغنیاء سے زکوٰۃ لی جائے اور فقراء میں تقسیم کر دی جائے[5]۔ پس گویا فقر استحقاقِ زکوٰۃ کے لیے بنیادی شرط ہے۔

حنفیہ نے اس روایت کا مختلف طریقوں سے جواب دینے کی کوشش کی ہے جس میں "مجاہد کو غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ کا حق دار ٹھہرایا گیا ہے"[6]۔ مگر قوی تر جواب وہ ہے جو امام ابوبکر جصاص رازی نے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی مدنی زندگی کے اعتبار سے غنی ہو، اس کو مکان میسر ہو، اثاثہ جات ہوں، خادم ہو، سواری ہو، دو سو درہم سے زیادہ رقم ہو، لیکن اب جب وہ سفرِ جہاد پر کمربستہ ہو تو سفر اور بالخصوص سفرِ جہاد کے اعتبار سے حاجت مند ہو جاتا ہے، ذرائع سفر مطلوب ہیں، آلاتِ حرب کی ضرورت ہے، توشۂ سفر بھی درکار ہے تو ایسے شخص کو جو اپنے وطن میں رہتے ہوئے غنی تھا، حاجت و فقر کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے[7]۔

جمہور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر فی سبیل اللہ اور دوسرے مدات میں بھی فقر کی شرط پر ہی زکوٰۃ دینی جائز ہو تو مصارفِ ہشت گانۂ زکوٰۃ کا ذکر بے معنی ہوگا، ایسی صورت میں تو صرف فقراء اور عاملین کا ذکر کافی ہو جاتا[8]۔ ———

لیکن اس سوال کا جواب زکوٰۃ کے دوسرے ہی مصرف "مساکین" میں موجود ہے کہ اگر تمام مصارف میں کھلی ہوئی محتاجی ضروری ہو تو یہ فقراء و مساکین کے درمیان بھی نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ فقر و حاجت زکوٰۃ کی بنیادی علت ہے، لیکن چوں کہ بعض صورتوں میں کوئی خاص وصف پایا جاتا ہے اس لیے اس کا خصوصیت سے ذکر کر دیا گیا، مسکین کے پاس کچھ مال ہوتا ہے لیکن ناکافی، اس لیے اس کا ذکر کیا گیا کہ استحقاقِ زکوٰۃ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ

---

[1] [2] [3] ترمذی

[4] ابوداؤد [5]

[6] دیکھیے: مرقاة المفاتيح ۲/۵۰۳، اتحاف سادة المتقين ۴/۱۳۹، فتح القدير ۲/۲۰۹

[7] احکام القرآن ۳/۱۲۹ [8] حنفیہ عاملین کو غنی ہونے کے باوجود مال زکوٰۃ سے اجرت کا حق دار قرار دیتے ہیں۔

بالکل ہی مال و جائداد سے محروم ہو، غلام کا ذکر کیا گیا کہ ممکن ہے کہ ایک مکاتب یا قیدی فی نفسہ غنی ہو، لیکن اپنی گلو خلاصی کے لیے حاجت مند ہو۔ "غارمین" کی صراحت کی گئی کہ بعض اوقات ایک شخص مالک نصاب ہوتا ہے لیکن ادائے قرض میں فقیر و محتاج ہوتا ہے۔ مسافر اپنی جائے سکونت کے اعتبار سے غنی ہوتا ہے، لیکن سفر کی عارضی حالت میں مبتلائے فقر ہوتا ہے۔ پس غور کیا جائے تو سوائے عاملین و مولفۃ القلوب کے تمام مصارف میں شریعت نے فقر کو بنیاد بنایا ہے، البتہ چونکہ ان صورتوں میں فقر کی ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے یا زکوٰۃ کے ذریعہ فقر کا مداوا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مصلحت دینی کی تکمیل بھی پیش نظر ہوتی ہے، اس لیے قرآن نے ان کا مستقل ذکر مناسب سمجھا، اب ان تمام مصارف کی طرح احناف "مجاہدین" کی صورت میں بھی فقر کی قید لگا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو منشاء ربانی کے خلاف سمجھا جائے۔

تاہم حنفیہ پر ابھی یہ بار جواب باقی رہتا ہے کہ وہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "لاتحل الزکوٰۃ لغنی ولا لذی مکتسب" : وہاں غنی کے ساتھ اس شخص کے لیے بھی زکوٰۃ حلال قرار نہیں دی گئی جو توانا اور کمانے پر قادر ہو، مگر احناف ایسے محتاج شخص کے لیے زکوٰۃ جائز قرار دیتے ہیں اور "لاتحل" کو اس کے حق میں زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں تو کیا دوسرے فقہاء کے لیے اس بات کی گنجائش کہ دونوں قسم کی حدیثوں کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی غرض سے وہ "غنی" کے حق میں بھی اس کو اسی معنی پر محمول کریں، یا اس حدیث کے عموم میں دوسری حدیث سے تخصیص و استثناء کریں!

بہرحال یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں بحث و نظر کی گنجائش موجود ہے!!

خلاصۂ بحث

پس ان مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱ــــــ "فی سبیل اللہ" سے مجاہدین فی سبیل اللہ ہی مراد ہیں اور یہ قریب قریب اجماعی رائے ہے۔

۲ــــــ "مجاہدین" سے اصطلاحی جہاد کرنے والے مراد ہیں، نہ کہ زبان و قلم وغیرہ کے ذریعہ دعوت اسلام اور حفاظت اسلام کا فریضہ سر انجام دینے والے علماء۔

۳ــــــ "فی سبیل اللہ" کے مد میں بھی ائمہ اربعہ کے نزدیک تملیک ضروری ہے، صرف مالکیہ سے اس میں قدرے توسع منقول ہے۔

۴ ـــــــ فی سبیل اللہ میں بھی حنفیہ کے یہاں فقر کی قید ملحوظ ہے، اکثر فقہاء کو اس سے اختلاف ہے اور فریقین کے پاس اپنے نقطۂ نظر کے لیے معقول دلیلیں موجود ہیں۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

از :- مفتی محمد ظفیر الدین صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند

اس عنوان کے سوال پر کافی محنت کی گئی ہے، میں نے پورا سوال اور اس کے فراہم کردہ دلائل کا مطالعہ پورے غور و فکر سے کیا، مگر اس باب میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک کتاب و سنت کے مطابق پایا جس کی تشریح فقہاء حنفیہ نے کی ہے، اس میں فقر اور محتاج ہونے کی شرط ضروری ہے، اپنے مضمون "اسلام کا نظام معیشت" کی تمہید میں اس طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں قرآن پاک کی بہت ساری آیتیں نقل کی ہیں اور حدیث نبوی بھی، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر کی شرط ہر جگہ ضروری ہے خواہ کسی پر بھی خرچ کیا جائے۔

"قوله لا يملك نصابا قيد به لان الفقر شرط في الاصناف كلها الا العامل و ابن السبيل اذا كان في وطنه مال بمنزلة الفقير"[1]

فقہائے حنفیہ لکھتے ہیں:

"وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة وقيل الحاج وقيل طلبة العلم وفسره في البدائع بجميع القرب"[2]

صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:۔

---

[1] ردالمحتار ۲/۸۳ [2] ایضاً

"اما قولہ تعالی وفی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعیٰ فی طاعۃ اللہ وفی سبیل الخیرات اذا کان محتاجاً وقال ابویوسف: المراد منہ فقراء الغزاۃ لان سبیل اللہ اذا اطلق فی عرف الشرع یراد بہ ذلک وقال محمد: المراد منہ الحاج المنقطع"[1]

انھوں نے دلیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان آخذ الصدقۃ من اغنیاءکم واردھا فی فقرائکم"[2]

اس سے پہلے حدیث حضرت معاذؓ نقل کرچکا ہوں کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم" (مشکوٰۃ)

میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی عبارت نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں جو انھوں نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس سلسلہ میں لکھا ہے مخالفین کے جواب پر یہ عبارت پورے طور پر حاوی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"لفظ فی سبیل اللہ کا لغوی معنی بہت عام ہے، جو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لغوی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں، یہاں ان کو مغالطہ لگا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کردیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادات ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انھوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کرکے مصرف زکوٰۃ قرار دے دیا جو سراسر غلط ہے

---

[1] بدائع ۴۵/۲ [2] ایضاً ۴۶/۲

اور اجماعِ امت کے خلاف ہے صحابۂ کرام جنھوں نے قرآن کریم کو براہِ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ سے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے کسی نے نہیں کہا کہ رفاہِ عام اداروں اور مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مالِ زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہاء حنفیہ میں شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط ۲۰۲ اور سیر کبیر میں اور فقہاء شافعیہ میں ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور فقہاء مالکیہ میں سے دردیر نے شرح مختصر خلیل میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے مغنی میں اسکو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔[1]

آیت صدقات کے سلسلہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ترجمہ شیخ الہند پر تحریر فرماتے ہیں:

"چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا اس لیے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے، اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی ہے، آپ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور تقسیم کریں گے کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے، حدیث میں آپ نے فرمایا کہ خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذات خود اس کے مصارف فرما دیے ہیں جو آٹھ ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے۔"[2]

سوچئے جس زکوٰۃ کی تقسیم پر اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اور نہ آپ کو اختیار دیا گیا اس کے متعلق یہ سوال کس قدر عجیب ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تعلیل کر کے اشتراکِ علت کی بنا پر آٹھ مصارف کے علاوہ کچھ دوسری قسموں کا مصارفِ زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کیا جائے اور ان پر زکوٰۃ کا صرف کیا جانا جائز قرار دیا جائے اور دلائل کی قوت و ضعف سے قطع نظر متاخر یا معاصر علماء کے تعمیم و توسیع والے قول کو اختیار کر لیا جائے ——— آخر میں اس آیت کا نقل کر دینا مناسب ہے جس میں مصارف زکوٰۃ کی تفصیل خود رب کائنات نے بیان فرمائی ہے۔

---

[1] معارف القرآن ۴/۴۰۰ [2] ترجمہ شیخ الہند ص۲۵۹

"انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم" (توبہ)

مصارف زکوٰۃ کے حصر کے ساتھ جو تفصیل رب العالمین نے فرمائی ہے جس کو خود رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں توڑا، اس کو آج کے علماء توڑنے لگیں گے تو یہ علماء کی ایسی زیادتی ہوگی جو قابل معافی نہیں ہوگی، اور علماء بنی اسرائیل کے نقش قدم کو اختیار کرنا ہوگا جس سے دین کا چہرہ مسخ ہو جائے گا اور اس سے دین قیم میں ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھل جائے گا، اور پھر دین مسخ ہو کر رہ جائے گا۔ مدارس بند ہو جائیں گے، محتاج و نادار مسلمان بربادی کے کنارے پہونچ جائیں گے اور اس کے بعد صدقات واجبہ کا سارا سرمایہ علماء کے بجائے بے خوف لیڈروں کے ہاتھوں میں آجائے گا اور زکوٰۃ کے سارے مصارف بند ہو کر لوگ نئے راستے پر خرچ کرنے لگیں گے۔

مسلمانوں کے پاس عقل و خرد کی کمی نہیں ہے، ان کو جب معلوم ہو جائے گا کہ علماء کی جماعت اس ذہنی دیوار کو توڑ رہی ہے یا اس میں شگاف کرنے کی سعی میں مصروف ہے جو رب کائنات کی بنائی ہوئی ہے تو عوام و خواص کا علماء سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور جو تھوڑی بہت عزت رہ گئی ہے وہ بھی سربازار برباد ہوتی نظر آئے گی۔

غریب و محتاج کے لیے سرمایہ داروں سے دولت کا چالیسواں حصہ ہی تو زکوٰۃ کے نام پر لیا گیا ہے انتالیس حصے ان کے پاس باقی رہتے ہیں آخر اس مالی حصے سے لینے کی جد و جہد کیوں نہیں ہوتی، اور ادھر نظر کیوں نہیں جاتی ہے۔ ساری آفتیں زکوٰۃ پر ہی کیوں ٹوٹ رہی ہیں، مسلمان ایک زندہ قوم ہے وہ ناقدرو کر دین کے نام پر چندہ دیتی ہے، آزادی کے بعد اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

نصوص صریحہ کے اندر بھی قیاس کو راہ دی گئی، تو آخر دین کیسے باقی رہے گا؟ اور اس کی حفاظت کا کیا طریقہ ہوگا؟ افسوس ہے پرانے علماء اٹھتے جا رہے ہیں اور نئے علماء کا حال یہ ہے کہ وہ نصوص شرعیہ پر بھی غلط سوچنے کی دعوت دیتے ہوئے مستقبل سے بے پرواہ ہیں اور معذرت ہے کہ اسی کو دین کی خدمت کا نام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور راہ راست پر استقامت عطا کرے۔

اللّٰھم ثبت قدمی یوم تزل فیہ الاقدام

میں علماء کرام سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ طرزِ فکر جائز ہے، معاصر علماء کی کن کن باتوں پر عمل کرنے کی دعوت دیں گے اور کیا معاصر علماء کی تعبیر و توسیع مان لینے کے بعد دین کی وہ تعبیر جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے باقی رہ جائے گی!

ہم اپنے نوجوان علماء کرام کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کا علم محدود ہے۔ دین و شریعت کا تحفظ آپ کی ذمہ داری ہے، ایسا نہ ہو کہ آپ نئے سوچنے والوں سے مرعوب ہو جائیں اور اپنے اسلاف کے راستے سے دور جا پڑیں۔

مصارف فی سبیل اللہ

از مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، استاذ جامعہ عربیہ ھتورا، باندہ

(۱)

حصر حقیقی یا اضافی

س ــــ "إنما" کا لفظ حصر کے لیے ہے اور حصر میں اصل حصر حقیقی ہے، اور حصر اضافی خلاف اصل و مجاز کے درجہ کی چیز ہے، جس کو مراد لینے کے لیے قوی قرائن درکار ہیں، اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ آیت کے شان نزول اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے حصر حقیقی کی ہی تعیین ہوتی ہے۔ بالخصوص یہ معروف روایت جس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك[1]

زکوٰۃ کی تقسیم کے باب میں حق تعالیٰ نے معاملہ کسی نبی یا غیر نبی کے ہاتھ میں نہ رکھ کر خود ہی اس کے مواقع کی تعیین فرمادی ہے، اور ان کو آٹھ بتایا ہے، تو اے مخاطب! اگر تو ان آٹھ میں سے ہو تو میں تجھ کو دے سکتا ہوں۔

---

[1] ابوداؤد ــ مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱۔

اس لیے عامۂ مفسرین و محققین کی بات ہم کو اس کے خلاف نہیں ملتیں، اور اس حصر کا حاصل و مفہوم یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال کسی ایسے مدات میں نہیں دیا جا سکتا ہے کہ جو اگر زکوٰۃ کا کارندہ نہ ہو تو اس پر مذکورہ صفات اوصاف میں سے کوئی وصف کی مد سے منطبق ہوتا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیک وقت اس میں ایک سے زائد اوصاف پائے جائیں،

حضرت امام دہلوی نے جو حصر اضافی کی بات ذکر فرمائی ہے ــــــ ان کی جلالت شان کے اعتراف کے ساتھ ــــــ یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اگر اس کو ان کا تفرد و شذوذ قرار دیا جائے تو یہ تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ دفعاً یا وقتاً یا معروف ائمہ و علماء سلف کی طرف سے ان کی تائید نہیں ملتی۔

اور انہوں نے اپنی اس تحقیق کی جو بنیاد ذکر کی ہے وہ متقدمین و عامۂ متاخرین کے معروف و مقبول قول کے خلاف ہے، صحیح ہے کہ خالص مسلم ملک کے بیت المال میں کفار سے وصول کردہ اموال نہیں ہوتے، اس لیے یہ بیت المال کمزور ہوتا ہے، مگر اس میں بھی کئی قسم کے اموال ہوتے ہیں مثلاً معادن و رکاز کا خمس، پھر یہ کہ واقعی ضروریات پر ملک عوام سے مدد بھی لی جا سکتی ہے اور اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔

بلکہ حجۃ اللہ البالغہ کی پوری بحث کے مطالعہ کے بعد احقر تو یہ سمجھتا ہے کہ امام دہلوی کی گفتگو کا مفاد کچھ اور ہے۔ یعنی ان کا رجحان تو جمہور کے نقطۂ نظر کی طرف ہے، مگر اس کے ساتھ انہوں نے چند چیزیں ذکر کر کے ایک احتمال کے طور پر حصر اضافی کی بات فرمائی ہے، اس لیے کہ انہوں نے اس بیان و ذکر سے پہلے مصارف پر اجمالاً ایک تبصرہ کیا ہے۔ اور ان کی تنقیح کی ہے کہ وہ تین قسم کے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس گفتگو پر آتے ہیں، اور یہ بیان ان کی اس مذکورہ تنقیح کے خلاف ہے۔ اگر اس کا مقصود مصارف کو مصالح عامہ وغیرہ تک پھیلانا اور وسیع کرنا ہے۔

(۲)

فی سبیل اللہ کا مصداق

س ــــ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ الفاظ کا بھی ایک عرف ہوتا ہے، یہ عرف علاقائی

وقوعی بھی ہو سکتا ہے۔ اور علم دفن نیز کتابوں کا بھی۔ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ کتاب وسنت کے عرف عام میں "فی سبیل اللہ" کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے غزوہ وجہاد ہی مراد ہوتا ہے، اس کے لئے کتب حدیث میں جہاد سے متعلق ابواب نیز اس لفظ پر مشتمل آیات وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴)

تفسیر ماثور کے ماسوی تفسیر

من کسی عبارت کا وہ مفہوم جو کہ خود صاحب عبارت سے نقل کیا گیا ہو یا ان لوگوں سے جنہوں نے صاحب عبارت سے اس کو سنا، نقل کیا اور سمجھا، وہ متعین ہے۔ اس پر اضافہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کسی آیت کی تفسیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ منقول ہو یا صحابہ سے تو وہ بطور تفسیر متعین ہے، حتیٰ کہ تابعین کے اقوال کو بھی اسی انداز کی اہمیت دی جاتی ہے، اور اس صورت میں کسی دوسری بنیاد پر جو ظاہر ہے کہ ثانوی درجہ کی چیزیں ہیں اور ان سے استدلال و استنباط کی اجازت اسی وقت ہے جبکہ اولین درجہ کے ماخذ میں کوئی چیز نہ مل سکے، کوئی تفسیر کرنا درست نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ تفسیر کے باب میں "قیاس" کا کوئی دخل نہیں ہے، اگرچہ "عقل" کا دخل ضرور ہے۔ اس لئے قیاس تو شرعیات اور دوسرے غیر منصوص امور میں کام لیا جاتا ہے۔ کسی کلام کی تشریح میں اور جب کہ صاحب کلام اور اس کے خواص اصحاب کی تصریحات موجود ہوں، کسی مزید یا جدید قیاس کی بنیاد پر، لغت کی بنیاد پر اضافہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور جب اضافہ نہیں کیا جا سکتا تو اس کی گنجائش کہاں کا سوال کہ موجود و منقول کو چھوڑ کر جدید و محدث کو اپنا لیا جائے۔[سه]

سه ملاحظہ ہو:

ابن تیمیہ کا مقدمہ تفسیر، نیز مقدمہ تفسیر ابن کثیر والاتقان جلد دوم۔

علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی، وغیرہ۔

۴

غازی بشرط فقر

س ــــ اس سوال کے تحت ایک بات تو یہ عرض ہے کہ بے شک احناف وحنابلہ کے یہاں فی سبیل اللہ کا مصداق ایک سے زائد ذکر کیا گیا ہے، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ محققین کے نزدیک راجح کیا ہے، احناف کے یہاں راجح "غازی" کا ہی قول ہے، اور حنابلہ کے یہاں اکابر محققین کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہ المذاہب الاربعہ[1] میں حنابلہ کا قول بھی غازی کا ہی نقل کیا ہے۔ دوسرا نہیں، صاحب المغنی نے اسی کو ترجیح دی ہے[2]۔

دوسری بات یہ کہ جو لوگ حج کو کہتے ہیں وہ صرف حج کو اور جو غزوہ کو وہ صرف غزوہ کو عام بات نہیں ہے کہ یہ بھی ہے اور یہ بھی۔ احناف میں صاحب بدائع نے ضرور ایک بات کہی ہے لیکن بلاشبہ وہ توسع فی التعبیر پر محمول ہے۔

الف ــــ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف "غازی" ہیں۔ آیت کی تفسیر کے تحت اس لفظ کے مصداق میں آثار کے اختلاف کے باوجود ــــ یہ مفہوم متعین ہے یا متعین سا ہے۔ جمہور فقہاء ومحدثین اور عامۂ صحابہ وتابعین سے منقول ہے۔ بجز چند کے۔ حتی کہ بعض اکابر مفسرین جو اہتمام سے متعدد اقوال کو ذکر کیا کرتے ہیں انہوں نے اس کے مصداق میں صرف ایک ہی قول غزوہ وغازی کو ذکر کیا ہے مثلاً امام طبری[3] اور ماوردی[4]، اور یہ متعین وراجح اس لیے ہے کہ [illegible] میں عموماً اسی کو ذکر و نقل کیا گیا ہے۔ اور تفسیر میں اصل نقل ہے یا نقل موجود ہو تو [illegible] [illegible] فقر کی شرط کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا مستحق ہے، اگرچہ اس کا فقر [illegible] کیوں نہ ہو۔ کہ غزوہ میں جانا ہی اس کا سبب بنے۔ جس کا مطلب [illegible]

---

[1] فقہ المذاہب الاربعہ [illegible]

[2] المغنی [illegible] بحوالہ المغنی۔

[3] تفسیر طبری

[4] تفسیر ماوردی

یہ ہے کہ یوں آدمی صاحب نصاب ہے مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، مگر جب غزوہ کا عزم کرکے اسکے
اسباب کا محتاج ہوا اور اس کے نظم میں لگا تو اس کی وہ حیثیت باقی نہیں رہ گئی،

اور یہ بھی ذکر کردوں کہ فقر کی شرط تنہا احناف کے یہاں نہیں ہے، بلکہ جیسے حضرات کے
یہاں حکم مطلق نہیں ہے بعض قیود ہیں اسی طرح بعض محققین حنابلہ بھی فقر کی شرط لگاتے ہیں،
چنانچہ فقہ المذاہب میں حنابلہ کا مذہب یہی ذکر کیا ہے کہ غازی کو بشرط احتیاج دیئے گئے۔[1]

احناف نے فقر کی شرط ان روایات کی وجہ سے لگائی ہے جن میں یہ مضمون آیا ہے کہ
غنی کو زکوٰۃ کا مال لینا جائز نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر اتفاقی بھی ہے کہ غنی کو کم از کم عام حالات
میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے۔ نیز زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں سے اکثر میں سب کے نزدیک
فقر یا احتیاج کی شرط ہے۔ یا ملحوظ ہے، اگرچہ یہ احتیاج وقتی یا خاص سبب و باعث کی بنا پر ہو،
ورنہ ظاہر ہے کہ جو دوسروں کو زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اور شریعت جس سے زکوٰۃ دینے کا مطالبہ کر رہی ہے
اسے اسی حال میں رہتے ہوئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کو زکوٰۃ دلائی جائے۔

فی سبیل اللہ کے تحت احناف کی طرف سے فقر کی شرط محل نظر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ابن السبیل
کی بابت تو سب کے نزدیک فقر کی شرط ہے۔ حالانکہ وہ مشہور روایت، جو غازی کو باوجود غنی
زکوٰۃ دینے کے جواز کا سب سے اہم مستدل ہے۔ اس میں ابن السبیل کا بھی تذکرہ ہے،
اسی طرح غارم کا بھی، اور غارم کے حق میں بھی امام شافعی سے فقر کی شرط نقل کی گئی ہے،
اگرچہ خاص شکل میں ہے۔

اصل میں احناف نے اس شرط کی صورت میں اکثر اصناف کے حق میں ایک
مابہ الاجتماع والاشتراک[2] وصف کو تلاش کیا ہے۔ جیسے کہ دوسرے حضرات نے
مصارف ثمانیہ کے حق میں بعض تجزیے کئے ہیں۔[3]

---

[1] فقہ المذاہب الاربعہ ۱/۶۳۹ [2] یعنی ایسا وصف جس میں سب اصناف متفق و متحد ہوں۔

[3] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۵۔ احکام القرآن لابن العربی ۲/۹۶۰ - فقہ الزکوٰۃ بحوالہ
المغنی ۶/۱، ۴۲۰، ۴۳۰ - ۲/۴۳، ۶۳۳ -

اس آیت میں آٹھ مدّات دی گئی وہ سب کے سب ضرورتمند ہی تو ہیں لیکن اس جامع وصف کے ساتھ سب میں بعض جہات کا فرق ہے۔ سب کا الگ الگ ذکر کر کے اس فرق کے مطابق ان کی مدد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۵)

آیت مصارف اور قیاس

ہمارے علم کے مطابق محققین نے مصارف سے متعلق نص اور حکم کو معلل نہیں قرار دیا ہے، یعنی اس کی کسی علت سے بحث نہیں کی ہے۔ جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ آیت مصارف، عام نصوص کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کلمہ حصر آیا ہے جو بظاہر اس کا متقاضی ہے کہ حکم کو اصناف مذکورہ میں محصور رکھا جائے۔ اور حضرات صحابہ و تابعین کی تفسیر کے مطابق جن لوگوں پر مذکورہ اوصاف و اصناف کا انطباق ہو بس انہیں کو زکوٰۃ دی جائے۔

احناف نے ان مصارف کے ذیل میں جو ایک وصف مشترک ذکر کیا ہے فقر و احتیاج کا اگر اس کو بنیاد قیاس بنایا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی گنجائش ہے۔ اور اس کی بناء پر بھی کسی اور صنف کو زکوٰۃ دی جا سکے گی وہ اسی فقر و مسکین ہونے کی وجہ سے ملے گی۔ خواہ اس کے حال اور کام کی وجہ سے دوسرا بھی کوئی وصف اس کے نام کے ساتھ لگا ہو۔ اور اس وصف کے بغیر کسی کو نہ دی جا سکے گی اور دوسری کسی اور صنف کے نام پر زکوٰۃ نہیں صرف کی جا سکے گی۔

ماضی قریب میں ... کے بعض محققین نے مذکورہ اصناف کے تحت مختلف چیزوں کو ذکر کیا ہے۔ تو ایک بات تو یہ کہ ان اصناف کی واضح تفاسیر حدیث و تفسیر و فقہ کی معتمد کتابوں میں حضور اکرمؐ و آپ کے صحابہ و تابعین سے ماثور و محفوظ ہیں۔ اور ان کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے کہ جس کی بناء پر اس سے آگے قیاس کی اجازت دی جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خاص طور سے "فی سبیل اللہ" کے مصرف کے تحت ایک صدی سے جو دور رنگ رہا ہے اور جو امور اس کے مصداق میں ذکر کیے جا رہے ہیں۔ وہ اکثر و بیشتر عہد نبوی اور عہد صحابہ میں موجود تھے یا اور آگے بڑھ کر متقدمین کے عہد میں، لیکن کہیں۔ کوئی معتمد نقل

فی سبیل اللہ کا مصداق

از: مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، دارالعلوم دیوبند

علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ مصرف زکوٰۃ کے لیے کسی شخص کا ہونا ضروری ہے جس میں مالک بننے کی صلاحیت ہو، اس لیے ہر قسم کے اعمال خیر اور قربت وطاعت مسلمانوں کی مصالح عامہ، حج اور غزوہ و جہاد یہ سارے مصارف خود بخود خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ یہ امور شخص نہیں ہیں۔

"وفي سبيل الله أي وفي في سبيل الله فإن المصرف الشخص وهو منقطع الغزاة أي الذين عجزوا عن اللحوق بجيش الإسلام لفقرهم بهلاك النفقة أو الدابة أو غيرهما فتحل لهم الصدقة الخ" (۱)

سورۂ توبہ میں آیت "انما الصدقات للفقراء الخ" کے اندر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے کل آٹھ مصارف بیان کیے ہیں اور کلمہ حصر یعنی "انما" کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ اگر فی سبیل اللہ میں ہر کار خیر اور ہر قربت کو یا مسلمانوں کے تمام رفاہی کاموں کو وسعت دے کر شامل کیا جائے تو پھر آٹھ مصارف کو ذکر کرنے کی

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۳۹۲

ضرورت کبھی نہیں آتی کیونکہ ان کے لیے انما الصدقات فی سبیل اللہ کہہ دینا کافی ہوتا کیوں کہ سارے ہی مصارف فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اصح اور راجح قول کے مطابق فی سبیل اللہ کے مصداق کون کون حضرات ہیں تو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کے مصداق منقطع الغزاۃ ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں جس وقت فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی محتاج غازی مراد لیے جاتے ہیں۔ حضرت امام محمدؒ نے فی سبیل اللہ کا مصداق منقطع الحاج کو قرار دیا ہے اور اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی راہ میں کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس اونٹ پر حاجی کو سوار کریں۔

"ومنها فی سبیل اللہ وهم منقطع الغزاة الفقراء منهم عند أبی یوسف وعند محمد منقطع الحاج الفقراء منهم والصحیح قول أبی یوسف، کذا فی المضمرات۔ (۱)

وفی هذا الصدد وقال أبو یوسف المراد به فقراء الغزاة لأن سبیل اللہ إذا أطلق فی عرف الشرع یراد به ذلک وقال محمد المراد منه الحاج المنقطع لما روی أن رجلاً جعل بعیراً له فی سبیل اللہ فأمره النبی صلی اللہ علیه وسلم أن یحمل علیه الحاج۔ (۲)

ملک العلماء صاحب بدائع علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ فی سبیل اللہ میں ہر قسم کی قربت وطاعت داخل ہے یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی بندگی میں اور خیر و بھلائی کی راہ میں کوشش و محنت کرتا ہے۔ بعض فقہاء کرام نے دینی علوم حاصل کرنے والے طلبہ کو بھی اسی میں شامل فرمایا ہے، بشرطیکہ یہ تمام حضرات محتاج ہوں اور صفت فقر کے ساتھ متصف ہوں۔

"وتفسیر فی البدائع بجمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة اللہ تعالی وسبیل الخیرات إذا کان محتاجا ولا یخفی أن قید الفقیر لا بد منه علی الوجوه کلها۔" (۳)

---

(۱) عالمگیری ۱/۱۸۸ (۲) ۲/۴۳ (۳) البحر الرائق ۲/۴۲۴

اگر کارِ خیر میں ڈیوٹی کرنے والے غنی اور صاحبِ نصاب ہوں یا غازی و مجاہد یا مفتی و قاضی یا مدرس وغیرہ مالدار ہوں اور بقدرِ نصاب اپنے پاس مالیت رکھتے ہوں تو مالداری کے باعث انھیں زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا کیوں کہ شریعت اسلام کا اصول یہ ہے کہ زکوٰۃ مالداروں سے لی جائے اور غریبوں پر تقسیم کی جائے:

"کما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أُمِرْتُ أَنْ آخُذَ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِكُمْ وَ أَرُدَّ فِيْ فُقَرَائِكُمْ۔"

اس حدیث شریف میں لوگوں کو دو گروپ میں تقسیم کرنے کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مالداروں کو زکوٰۃ نہ دی جائے وہ صرف زکوٰۃ دینے والے ہیں اور غربا، اور فقرا، زکوٰۃ لینے والے ہیں، اگر کارِ خیر میں لگنے والے اغنیا، کو بھی زکوٰۃ لینا جائز قرار دیا جائے تو دو گروپ میں یہ تقسیم باطل ہو جاتی ہے، اس لیے غنی کو غنی ہونے کی حالت میں کبھی زکوٰۃ کی رقم لینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا دونوں اصول (یعنی مصرفِ زکوٰۃ کے لیے شخص کا ہونا ضروری ہے اور اس کا محتاج و فقیر ہونا ضروری ہے) ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ جو لوگ جہادِ عسکری، جہادِ قلمی، جہادِ لسانی، تعلیم و تعلم، دعوت و تبلیغ، مسلمانوں کی رفاہی خدمات یا اصلاحِ باطن میں لگے ہوئے ہیں اگر یہ لوگ صاحبِ نصاب نہ ہوں یعنی فقر و احتیاج کے وصف کے ساتھ متصف ہوں تو ان حضرات کو بھی مصرفِ زکوٰۃ میں شامل کرنا صحیح ہوگا۔ واضح رہے کہ ان آٹھ مذکورہ مصارف کے علاوہ یہ لوگ مصرف نہیں ہیں، بلکہ یہ حضرات ان ہی آٹھ مصرفوں میں داخل ہیں۔ قرآن پاک میں بیان کردہ آٹھ مصارف امرِ تعبدی کی حیثیت رکھتے ہیں قیاسی نہیں ہیں، حتیٰ کہ کسی مجتہد کو بلکہ کسی نبی کو یہ حق حاصل نہیں کہ مذکورہ آٹھ مصارف میں کوئی کمی زیادتی کرے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آیتِ قرآنی میں مصارفِ ثمانیہ کا ذکر حصرِ حقیقی ہے اضافی نہیں ہے، نہ اضافی ماننے کی کوئی ضرورت سمجھ میں آتی ہے۔

بعض ائمہ کرام نے فی سبیل اللہ سے مراد مطلق غازی کو لیا ہے خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، اور حدیث لاتحل الصدقة لغنی إلا لخمسة لغاز فی سبیل اللّٰہ الخ سے استدلال فرماتے ہیں اس طور پر کہ اس حدیث میں اغنیا، کے لیے صدقہ کے حلال ہونے کی نفی کی گئی ہے پھر ان میں سے غازی وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور عربی قاعدہ کے مطابق نفی کے بعد استثنا، درحقیقت اثبات ہوتا ہے اس سے

ثابت ہوا کہ مال دار غازی کو زکوٰۃ دینا شرعاً درست ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں اور اپنی جگہ ایک اہم اصولی حیثیت رکھتی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"أمرت أن آخذ الصدقة من أغنيائكم وأرد في فقرائكم"۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مال دار سے لی جائے اور فقیر کو دی جائے۔ ابوداؤد شریف کی مذکورہ بالا حدیث میں غازی کا استثنا، حاجت و ضرورت کے پائے جانے پر محمول ہے۔ اس پر غنی کا اطلاق ماضی کے اعتبار سے کیا گیا ہے یعنی اس کے پاس اگر رہنے کے لیے گھر موجود ہے۔ پہننے کے لیے کپڑے ہیں، برتنے کے لیے ضرورت کے سامان ہیں اور گزر بسر کے لیے حاجت اصلیہ سے زائد نصاب بھر نقد، سونا، چاندی یا مالِ تجارت موجود ہے تو اس کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں۔

لیکن اگر وہی شخص جہاد کے لیے اپنے گھر سے نکلنے کا عزم کرتا ہے تو اسے بہت سے ہتھیاروں کی اور خادم و سواری کی اور دیگر سامانِ سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو اب وہ محتاج ہو گیا۔ غنی تو ماضی کے لحاظ سے حاجت و ضرورت کے پیدا ہونے کے پہلے تھا اب حاجت پیدا ہونے کے بعد اس کی حیثیت محتاج کی شکل میں تبدیل ہو گئی اور اب فی الحال وہ فقیر کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ اس لیے اس کے واسطے زکوٰۃ کی مد کی رقم حلال ہو جائے گی یعنی زکوٰۃ کی رقم سے اس کے لیے ہتھیار، سامانِ سفر وغیرہ لینا جائز ہو جائے گا۔ حدیث کا یہ محمل اختیار کرنے کے بعد تقریباً تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔ صاحب بدائع نے یہی محمل اختیار فرمایا ہے اور ہمارے خیال میں روایت و درایت ہر دو اعتبارات سے نہایت مناسب ہے۔

"وأما استثناء الغازي فمحمول على حدوث الحاجة وسماه غنيا على اعتبار ما كان قبل حدوث الحاجة وهو أن يكون غنيا ثم تحدث له الحاجة بأن كان له دار يسكنها أو متاع يمتهنه وثياب يلبسها وله مع ذلك فضل مائتي درهم حتى لا تحل له الصدقة ثم يعزم على الخروج في سفر غزو فيحتاج إلى آلات سفره وسلاح يستعمله في غزوه ومركب يغزو به

وخادم يستعين بخدمته على مالم يكن محتاجاً اليه في حال
إقامته فيجوز أن يعطى من الصدقات ما يستعين به في حاجة
السفر تحدث له في سفره وهو في مقامه غني بما يملكه
لأنه غير محتاج في حال اقامته فيحتاج في حال سفره فيحمل
قوله " لا تحل الصدقة لغني إلا لغاز في سبيل الله " على من
كان غنياً في حال مقامه فيعطى بعض ما يحتاج إليه لسفره
لما أحدث السفر له من الحاجة إلا أنه يعطى حين يعطى وهو
غني [1]

(۱) بدائع الصنائع بحوالہ بذل المجہود ۲/۴۴

فی سبیل اللہ

از :- مفتی سید مصلح الدین احمد القاسمی، دارالعلوم حیدرآباد

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ :

لفظ زکوٰۃ لغوی معنی میں مستعمل ہے چنانچہ شمس الائمہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں :

" الزکوٰۃ فی اللغۃ عبارۃ عن النماء والزیادۃ ومنہ زکا الزرع اذا نما فسمیت الزکوٰۃ زکوٰۃ لانہا سبب زیادۃ المال بالخلف فی الدنیا والثواب فی الآخرۃ قال اللہ تعالیٰ وما انفقتم من شیٔ فہو یخلفہ وقیل ایضا انہا عبارۃ عن الطہر قال اللہ تعالیٰ قد افلح من تزکی ای تطہر وانما سمی الواجب زکوٰۃ لانہا تطہر صاحبہا عن الآثام قال اللہ تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا وصل علیہم "[1]

یعنی زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کی نشوونما اور زیادتی۔ ادا شدہ زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ زکوٰۃ مال کی زیادتی کا سبب ہے اس مناسبت سے اس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے، نیز زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں کیونکہ زکوٰۃ کی وجہ سے صاحب زکوٰۃ گناہوں کی گندگی اور آلائش سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

---

[1] مبسوط سرخسی ۲/۲

لك باسلامهم وطاعتهم وكتبت إلى قومي فجاء اسلامهم وطاعتهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم (يا اخا صداء المطاع في قومه) قال قلت بل من الله عليهم وهداهم قال ثم جاءه رجل يسأله عن الصدقات فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم (إن الله لم يرض في الصدقات بحكم نبي ولا غيره حتى جزأها ثمانية اجزاء فان كنت من اهل تلك الاجزاء اعطيتك) رواه ابو داؤد والدارقطني و اللفظ للدارقطني[1]

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپؐ ان کی قوم کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ فرما رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ لشکر نہ بھیجیں، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ سب مطیع و فرماں بردار ہو کر آجائیں گے پھر میں نے اپنی قوم کو ایک خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہو گئے، اس پر حضورؐ نے فرمایا "یا اخا صداء المطاع فی قومه" جس میں گویا ان کو یہ خطاب [illegible] کہ یہ اپنی قوم کے محبوب و مقتدا ہیں، میں نے عرض کیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل [illegible] سے ان کو ہدایت ہو گئی اور سب مسلمان ہو گئے۔ پھر وہ فرماتے ہیں کہ ابھی اسی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص [illegible] میں کچھ سوال کرنے کے لیے آیا تو آپؐ نے اس کو یہ جواب دیا:

"تقسیم صد[illegible] ہے کسی [illegible] کے حکم [illegible] بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف [illegible] فرمائے ہیں [illegible] تو میں تجھے دے سکتا ہوں۔"

تعیین نصاب [illegible] ثابت بالسنت ہے

[illegible]

[illegible] والحرور[2]

---

[1] الجامع [illegible] [illegible]

[2] [illegible]

یعنی مالداروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے ایک معین مقدار کا حصہ فقراء کے لیے رکھ دیا ہے جو ان فقراء کا حق ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقراء کا یہ حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اس میں کمی بیشی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی تشریح و توضیح کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دیا اور اسی لیے آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام کو صرف زبانی طور پر بتلا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروق اعظمؓ اور عمرو بن حزم کو سپرد فرمائے جس سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب اور ہر نصاب پر سے مقدار زکوٰۃ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے واسطے سے متعین کرکے بتلا دیے ہیں۔ زمان و مکان کے اعتبار سے اس کے اندر کمی بیشی یا ترمیم و تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ابتدائے اسلام میں زکوٰۃ کے لیے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی۔ نصابوں کا تعین اور مقدار زکوٰۃ کا بیان بعد از ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوا ہے اور پھر باقاعدہ انداز میں زکوٰۃ و صدقات کی وصولیابی کا انتظام تو فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔

آیت کریمہ میں مذکورہ مصارف کے علاوہ اور کسی کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں۔

"وانما سمى الله الاصناف الثمانية في الآية اعلاماً منه ان الصدقة لا تخرج من هذه الاصناف الثمانية الى غيرها" الخ[1]

"واحتجوا بلفظة انما وانها تقتضي الحصر في وقوف الصدقات على الثمانية الاوصاف"[2]

مصارف زکوٰۃ والی آیت کو لفظ انما سے شروع کیا گیا ہے اور عربی زبان میں یہ لفظ حصر و انحصار کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا آیت کریمہ کے ابتدائی کلمہ نے ہی یہ بات واضح کر دی کہ تمام صدقات واجبہ صرف ان ہی مصارف میں استعمال ہو سکتے ہیں جن کو آگے آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف مثلاً جہاد کی تیاری، مساجد و مدارس وغیرہ کی تعمیر و دیگر رفاہی کاموں میں صدقات واجبہ صرف نہیں ہو سکتے ہیں

---

۱ تفسیر طبری لابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، جزء عاشر ۱۴۲/۱

۲ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۶۸/۸

سب امور کی مزدوری بھی اداروں میں خرچ کرنے کا بڑا ثواب ہے مگر صدقات فرض کرنے کی مقداریں متعین کر دی گئی ہیں۔ ان کو ایسے امور میں نہیں لگایا جا سکتا۔

آیت کریمہ میں لفظ الصدقات کا مفہوم و مصداق صرف صدقات فرض ہیں

"اتفق العلماء على ان المراد بقوله انما الصدقات هي الزكوٰة المفروضة بدليل قوله خذ من اموالهم صدقة۔الخ [1]

"والصدقة متى اطلقت في القرآن فهي صدقة الفرض [2]

آیت کریمہ میں دوسرا لفظ "صدقات" صدقہ کی جمع ہے۔ صدقہ لغت میں اس مال کے جز کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کیا جائے۔ امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں۔ اس کے خرچ کرنے میں کوئی نام و نمود یا دنیوی غرض و منفعت شامل نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر خرچ کیا گیا۔ اسی لیے جس صدقہ میں کوئی نام و نمود یا ریا کی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں باجماع صحابہ و تابعین بلکہ باجماع امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان مراد ہے۔ لفظ صدقہ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے عام ہے، نفل صدقہ پر بھی بولا جاتا ہے اور نفل صدقہ کے لیے اس کا استعمال عام ہے اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

"عن ابی ذرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال .... ان بکل تسبیحۃ صدقۃ وکل تکبیرۃ صدقۃ وکل تہلیلۃ صدقۃ وامر بالمعروف صدقۃ ونہی عن منکر صدقۃ وفی بضع احدکم صدقۃ قالوا یا رسول اللہ! ایاتی احدنا شہوتہ ویکون لہ فیہا اجر قال ارأیتم لو وضعہا فی حرام اکان علیہ فیہا وزر فکذلک اذا وضعہا فی الحلال کان لہ اجر" [3]

---

[1] تفسیر مظہری [2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی [3] مسلم شریف

"عن ابی ھریرۃ رضؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل سلامی من الناس علیہ صدقۃ کل یوم تطلع الشمس قال یعدل بین الاثنین صدقۃ ویعین الرجل فی دابتہ فیحملہ علیہا او یرفع علیہا متاعہ صدقۃ قال والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ وکل خطوۃ یمشیہا الی الصلوٰۃ صدقۃ ویمیط الاذی عن الطریق صدقۃ"[۱]

احادیث بالا کی روشنی میں ہر تسبیح، تکبیر، تہلیل، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اپنی بیوی سے صحبت کرنا، دو شخصوں کے درمیان عدل و انصاف، اپنی سواری پر کسی کو سوار کرنا یا کسی کا بوجھ لادنا، اسی طرح اچھی بات اور راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنا وغیرہ صدقہ ہے۔ ان احادیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح لفظ صدقہ، صدقۂ فرض پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی جگہ صدقۂ فرض کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے کہ خذ من اموالھم صدقۃ الخ۔ اور زیر بحث آیت کریمہ انما الصدقات للفقراء الایۃ وغیرہ میں، بلکہ علامہ قرطبی وغیرہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ صدقہ مطلقاً بولا گیا ہے اور وہاں پر نفلی صدقہ مراد ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو وہاں صدقۂ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔

مصارف زکوٰۃ کی تفصیل

آج ہمارے فقہی سیمینار کا موضوع "فی سبیل اللہ" کا مفہوم و مصداق ہے، بنا بریں دیگر مصارف زکوٰۃ میں سے ہر ایک کی تفصیل و تشریح خارج از موضوع ہے، اس لیے اس کو ترک کیا جا رہا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے مصارف ثمانیہ میں سے اگلے چار مصارف کو لام حرف جر کے ساتھ ذکر فرمایا، لام تخصیص کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس جملے کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف ان ہی لوگوں کا حق ہے جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ پھر ان آٹھ مصارف میں سے آخری چار مصارف کو ذکر فرماتے ہوئے لام کی جگہ فی حرف جر استعمال کیا گیا ہے۔ زمخشری نے تفسیر کشاف میں اس کی وجہ بیان کی ہے

---

[۱] مسلم شریف ۱/۳۲۵

اس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ حرف فی ظرفیت کے لیے بولا جاتا ہے، لہٰذا معنیٰ یہ ہوئے کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہیے اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ حاجت مند ہونا ہے۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم و مصداق

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے، یہاں پھر حرف فی کا اعادہ کیا گیا ہے۔ صاحب تفسیر کشاف فرماتے ہیں کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ مصرف پچھلے تمام مصارف سے افضل و بہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو غریب مفلس کی امداد، دوسرے ایک دینی خدمت و عبادت میں اعانت، کیوں کہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لیے مال نہ ہو یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو مگر اب اس کے پاس مال نہ رہا جس سے وہ حج فرض ادا کر سکے، یہ دونوں کام خالص دینی عبادت و خدمت ہیں، اس لیے مال زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی ہے۔

فی سبیل اللہ کے مصداق میں ائمہ تفسیر و فقہاء کرام کی عبارتیں درج ذیل ہیں:

* واما فی سبیل اللہ فمنهم الغزاة الذين لا حق لهم في الديوان وعند الإمام احمد والحسن واسحٰق والحج من سبيل الله[1] الحديث

(وفی سبیل اللہ) يعني وفي النفقة في سبيل الله واراد به الغزاة فلهم سهم من مال الصدقات فيعطون اذا ارادوا الخروج إلى الغزو وما يستعينون به على امر الجهاد من النفقة والكسوة والسلاح والحمولة فيعطون ذلك وان كانوا اغنياء لما تقدم من حديث عطاء وابي سعيد الخدري ولا يعطى من سهم الله لمن اراد الحج عند اكثر اهل العلم وقال قوم يجوز ان يصرف سهم سبيل الله إلى الحج

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۲/۳۶۶

یروی ذلك عن ابن عباس وقول الحسن والیه ذهب احمد بن حنبل واسحٰق بن راهویه وقال بعضهم ان اللفظ عام فلایجوز قصره علی الغزاة فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل اللّٰه إلی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتٰی وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغیرها قال لان قوله فی سبیل اللّٰه عام فی الکل فلایختص بصنف دون غیره والقول الاول هو الصحیح لاجماع الجمهور علیه۱

صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی اور مجاہدین ہیں کہ جب یہ لوگ جہاد میں جانا چاہیں تو جہاد کے سلسلہ میں معاون امور نفقہ، لباس، ہتھیار، سواری اور بار برداری کے جانور وغیرہ ان کو دیے جائیں۔ حضرت عطاء و ابوسعید خدریؓ کی مذکورہ بالا روایت کی روشنی میں ان کے مالدار ہونے کے باوجود ان کو استحقاق ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک فی سبیل اللہ کے سہم میں سے اُس شخص کو نہ دیا جائے جو حج کے لیے جانا چاہتا ہو، اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک فی سبیل اللہ کے سہم میں سے حج میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؒ کی یہی رائے ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور بعضوں نے لفظ فی سبیل اللہ کے عموم کے پیش نظر اس کو غازی اور مجاہد کے ساتھ مخصوص نہ قرار دیتے ہوئے فی سبیل اللہ کے سہم کو میت کے کفن، پلوں اور قلعوں کی تعمیر، تعمیر مساجد وغیرہ تمام امور خیر میں استعمال کرنا اور خرچ کرنا جائز قرار دیا ہے، مگر جمہور امت کے اجماع کی بناء پر قول اول ہی صحیح ہے۔

"وفی سبیل اللّٰه اراد به الغزاة فلهم سهم من الصدقة یعطون اذا ارادوا الخروج إلی الغزو وما یستعینون به علی امر الغزو من النفقة والکسوة والسلاح والحمولة وان کانوا اغنیاء ولایعطی شئ منه فی الحج عند اکثر اهل العلم وقال قوم یجوز ان یصرف سهم فی سبیل اللّٰه إلی الحج ویروی ذلك عن ابن عباس وهو قول الحسن واحمد واسحٰق۲

---

۱ تفسیر خازن، ج۲، ص۱۹۶ ۲ معالم التنزیل البغوی المتوفی ۵۱۶ھ علی هامش الخازن

"واما قوله فی سبیل اللّٰه فانه یعنی وفی النفقة فی نصرة دین اللّٰه وطریقه وشریعته الذی شرعها لعباده وبقتال اعداءه وذالک هو غزو".[1]

قوله تعالٰی (وفی سبیل اللّٰه) وهم الغزاة وموضع الرباط یعطون ماینفقون فی غزوهم کانوا اغنیاء او فقراء وهذا قول اکثر العلماء وهو تحصیل مذهب مالک وقال ابن عمر الحجاج والعمار ومن احمد واسحٰق رحمهما اللّٰه انهما قالا سبیل الحج وفی البخاری ویذکر عن ابی لاس حملنا علی ابل الصدقة للحج ویذکر عن ابن عباس یعتق من زکوٰة ماله ویعطی فی الحج۔

عن عبد الرحمٰن بن ابی نُعم ویکنی ابا الحکم قال کنت جالسا مع عبد اللّٰه بن عمر فأتته امرأة فقالت له یا ابا عبد الرحمٰن ان زوجی اوصی بماله فی سبیل اللّٰه قال ابن عمر فهو کما قال فی سبیل اللّٰه فقلت له ما زدتها فیما سألت عنه الا غمّا قال فما تأمرنی یا ابن ابی نُعم أمرها ان تدفعه الی هٰؤلاء الجیوش الذین یخرجون فیفسدون فی الارض ویقطعون السبیل! قال قلتُ فما تأمرها قال أمرها ان تدفعه الی قوم صالحین الی حجاج بیت اللّٰه الحرام اولٰئک وفد الرحمٰن اولٰئک وفد الرحمٰن اولٰئک وفد الرحمٰن لیسوا کوفد الشیطٰن ثلاثا یقولها قلتُ یا ابا عبد الرحمٰن وما وفد الشیطٰن؟ قال قوم یدخلون علی هٰؤلاء الامراء فینمون الیهم الحدیث ویسعون فی المسلمین بالکذب فیجازون الجوائز ویعطون علیها العطایا۔

وقال محمد بن الحکم ویعطی من الصدقة فی الکراع والسلاح

---

[1] تفسیر طبری ۱۱/۱۴۳

وما یحتاج الیہ من آلات الحرب وکف العدو عن الحوزۃ لانہ کلہ من سبیل الغزو ومنفعتہ وقد اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائۃ ناقۃ فی نازلۃ سہل ابن ابی حثمۃ اطفاء للثائرۃ۔

قلت اخرج ھذا الحدیث ابوداؤد عن بشیر بن یسار ان رجلا من الانصار یقال لہ سہل ابن ابی حثمۃ اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وداہ مائۃ من ابل الصدقۃ عن دیۃ الانصاری الذی قتل بخیبر[1]

یہاں تک الرتفسیر کی مذکورہ بالا عبارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ سے منقطع الغزاۃ یا منقطع الحاج مراد ہے۔ آگے فقہاء کرام کی عبارتیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ مبسوط میں فرماتے ہیں:

"واما قولہ تعالٰی وفی سبیل اللہ فہم فقراء الغزاۃ ھکذا قال ابویوسف وقال محمد ھم فقراء الحاج المنقطع بہم لما روی ان رجلا جعل بعیرا لہ فی سبیل اللہ فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحمل علیہ الحاج وابویوسف یقول الطاعات کلہا فی سبیل اللہ ولکن عند اطلاق ھذا اللفظ المقصود بہم الغزاۃ عند الناس[2]

یعنی فی سبیل اللہ سے فقیر مجاہدین مراد ہیں۔ امام ابویوسفؒ کا یہ قول ہے۔ اور امام محمد فرماتے ہیں ایسے فقیر حاجی مراد ہیں جو حجاج سے منقطع ہو گئے ہوں، اس لیے کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ قرار دے دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حاجی کو سوار کرنے کا حکم دیا۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں، فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات داخل ہیں، مگر اس لفظ کو مطلقاً بولنے کی صورت میں اس سے غازی اور مجاہد ہی مراد ہوتے ہیں۔

ملک العلماء علامہ کاسانی صاحب بدائع فرماتے ہیں:

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جز۸، ۱۸۵۔ [2] مبسوط سرخسی ۳/۱۰

"واما قوله تعالى (وفي سبيل الله) عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا وقال ابو يوسف المراد منه فقراء الغزاة لان سبيل الله اذا اطلق في الشرع يراد به ذلك وقال محمد المراد منه الحاج المنقطع لما روي ان رجلا جعل بعيرا له في سبيل الله فامره النبي صلى الله عليه وسلم ان يحمل عليه الحاج"[1]

یعنی فی سبیل اللہ تمام عبادات کا نام ہے لہٰذا اس کے مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور امور خیر میں جدوجہد کرتا ہو بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد فقیر غازی ہے کیونکہ اصطلاحِ شریعت میں فی سبیل اللہ کا لفظ مطلقاً بولے جانے کی صورت میں یہی مراد ہوتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے منقطع الحاج مراد ہے الخ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"واما سبيل الله فالاكثر على انه يختص بالغازي غنيا كان او فقيرا الا ان ابا حنيفة قال يختص بالغازي المحتاج وعن احمد واسحاق الحج من سبيل الله"[2]

یعنی فی سبیل اللہ اکثر فقہاء کے نزدیک غازی کے ساتھ مخصوص ہے چاہے وہ غنی ہو یا فقیر مگر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ وہ محتاج غازی کے ساتھ مخصوص ہے اور امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ سے منقول ہے کہ حج فی سبیل اللہ میں سے ہے۔

بعض فقہاء کرام نے طلبۂ علوم دینیہ کو بھی فی سبیل اللہ کا مصداق قرار دیا ہے۔ صاحب درمختار علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"(وفي سبيل الله) هو منقطع الغزاة وقيل الحاج وقيل طلبة العلم وفسره في البدائع بجميع القرب"[3]

---

۱ بدائع الصنائع ج۲ص۴۵ ۲ فتح الباری ج۳ص۲۶۳ ۳ ردالمحتار ج۲ص۶۱

"(قولہ وهو منقطع الغزاة) اى الذين عجزوا عن اللحوق بجيش الاسلام لفقرهم بهلاک النفقة او الدابة او غيرهما فتحل لهم الصدقة وان كانوا كاسبين اذ الكسب يقعدهم عن الجهاد قہستانی (قوله وقيل الحاج) اى منقطع الحاج هذا قول محمد والاول قول ابى يوسف (قوله وقيل طلبة العلم) كذا فى الظهيرية والمرغينانى"[1]

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل تمام صورتوں میں فقر و حاجت مندی شرط ہے

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں میں جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں مذکور ہیں فقر و احتیاج کی شرط ملحوظ ہے، غنی صاحب نصاب کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ چنانچہ صاحب روح المعانی بحوالۂ البحر الرائق تحریر فرماتے ہیں:

"(وفى سبيل الله) اريد بذلك عند ابى يوسف منقطع الغزاة وعند محمد منقطع الحجيج وقيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه فى الفتاوى الظهيرية وفسره فى البدائع بجميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات. قال فى البحر ولا يخفى ان قيد الفقر لابد منه على الوجوه كلها فحينئذ لا تظهر ثمرته فى الزكوٰة وانما تظهر فى الوصايا والاوقاف"[2] انتهى

بجز اس کے کہ اس کا موجودہ مال اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہو جو حج یا جہاد کے لیے درپیش ہے، تو اگرچہ بقدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اس کو غنی کہہ سکتے ہیں، جیسے کہ ایک حدیث میں کہا گیا ہے مگر وہ بھی اس اعتبار سے فقیر و محتاج ہی قرار پائے گا کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لیے درکار ہے وہ اس کے پاس موجود نہیں۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ آیت صدقات میں جتنے مصارف مذکور ہیں ہر ایک

---

[1] رد المحتار ۱/۲۰ [2] تفسیر روح المعانی ۱۰/۱۲۳

کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و احتیاج کی بنا پر مستحق ہیں، لفظ فقیر و مسکین میں تو یہ ظاہر ہی ہے، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن السبیل کے الفاظ بھی اسی طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بنا پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین (محصلین صدقات) کو بطور معاوضۂ خدمت دیا جاتا ہے، اس لیے اس میں غنی اور فقیر برابر ہیں۔

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں رفاہی امور داخل نہیں

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں۔ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیا جائے وہ عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ بعض لوگ اسی لفظی عموم کے پیش نظر غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے اور انھوں نے آیت مصارف میں لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں اُن تمام امور کو داخل قرار دیا جو کسی حیثیت سے نیکی اور عبادت ہیں۔ مساجد، مدارس، شفا خانوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں، پل، سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات وغیرہ ان سب امور کو انھوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دے دیا، جو سراسر غلط اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ متبوعین، ائمہ تفسیر و فقہاء کرام نے فی سبیل اللہ کے لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ جیسا کہ درج بالا عبارتوں سے بخوبی واضح ہے۔

اور جن فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و محتاج تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہے، ان کا استحقاق زکوٰۃ ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل کیے جانے پر موقوف نہیں ہے لیکن ائمہ اربعہ و فقہاء امت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس وغیرہ کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات ان کتابوں میں موجود ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

فقہاء احناف میں سے شمس الائمہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں:

"ولا یجوز فی الزکوٰۃ عتق رقبۃ ولا الحج ولا قضاء دین میت ولا تکفینہ ولا بناء مسجد والاصل فیہ ان الواجب فیہ فعل الایتاء فی جزء من

انسان ولا يخص الاية ، الا بتمليكه فكل قربة خلت عن التمليك لا تجزئ عن الزكوٰة ۱؎

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ بدائع صنائع میں فرماتے ہیں:

"قوله تعالى انما الصدقات للفقراء الخ جعل الله تعالى الصدقات للاصناف المذكورين بحرف اللام وانه للاختصاص فيقتضي اختصاصهم باستحقاقها فلو جاز صرفها الى غيرهم لبطل الاختصاص وهذا لا يجوز ۲؎

فقہاء شافعیہ میں سے امام ابوعبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کتاب الاموال میں فرماتے ہیں:

"فاما قضاء الدين عن الميت والعطية في كفنه وبنيان المساجد واحتفار الانهار وما اشبه ذلك من انواع البر فان سفيان واهل العراق وغيرهم من العلماء يجمعون على ان ذلك لا يجزئ من الزكوٰة لانه ليس من الاصناف الثمانية ۳؎

فقہاء حنابلہ میں سے علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ المتوفی ۶۲۰ھ المغنی میں فرماتے ہیں:

"ولا يجوز صرف الزكوٰة الى غير من ذكر الله تعالى من بناء المساجد والقناطر والسقايات واصلاح الطرقات وسد البثوق وتكفين الموتى والتوسعة على الاضياف واشباه ذلك من القرب التي لم يذكرها الله تعالى وقال انس والحسن ما اعطيت في الجسور والطرق فهي صدقة ماضية والاول اصح لقوله تعالى انما الصدقات للفقراء الخ وانما للحصر والاثبات تثبت المذكور وتنفي ما عداه والخبر المذكور قال ابو داود سمعت احمد وسئل يكفن الميت من الزكوٰة؟ قال لا ولا يقضي

۱؎ مبسوط سرخسی ۲/۲۰۲ ۲؎ بدائع الصنائع ۲/۳۹

۳؎ کتاب الاموال، ص ۶۱۰

من الزكوٰة دين الميت وانما لم يجز دفعها في قضاء دين الميت
لان الغارم هو الميت ولا يمكن الدفع اليه وان دفعها الى غريمه صار
الدفع الى الغريم لا الى الغارم ۔ وقال ايضا يقضي من الزكوٰة دين الحي
ولا يقضي منها دين الميت لان الميت لا يكون غارما قيل فانما يعطي
اهله قال ان كانت على اهله فنعم [1]

فقہاء مالکیہ میں سے دردیر نے شرح مختصر الخلیل میں وضاحت کی ہے اصناف ثمانیہ کے علاوہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

ائمہ تفسیر و فقہاء امت کی مذکورہ بالا تصریحات سے قطع نظر صرف ایک بات پر غور کر لینا ہی اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے، اگر مصرف زکوٰۃ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات و ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو قرآن کریم میں ان آٹھ مصارف کا بیان (نعوذ باللہ) بالکل فضول اور لغو ہو جاتا۔

علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ تقسیم صدقات کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی و غیر نبی کے حوالہ کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیئے [2]

اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات و نیکیاں داخل ہو کر مصرف زکوٰۃ ہوں تو معاذ اللہ ارشاد نبوی بالکل غلط قرار پاتا ہے۔ بناء بریں معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو عموم کسی ناواقف کو سمجھ میں آتا ہے وہ مراد باری نہیں۔ بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ کرام و تابعین و فقہاء کرام کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک ضروری ہے

شمس الائمہ سرخسی مبسوط میں میت کے قضاء دین، تکفین میت، تعمیر مساجد وغیرہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والاصل فيه ان الواجب فيه فعل الايتاء في جزء من المال ولا

---

[1] المغني لابن قدامة   [2] الجامع لاحكام القرآن للقرطبي ج ۸ ص ۱۶۸

یحصل الایتاء الا بالتملیک فکل قربۃ خلت عن التملیک لا تجزئ عن الزکوٰۃ[1]

یعنی آتوا الزکوٰۃ کی وجہ سے اور زکوٰۃ کے لیے فعل ایتاء بغیر تملیک کے متحقق نہیں ہو سکتا، لہٰذا خالی عن التملیک کی کوئی بھی صورت زکوٰۃ میں ناکافی ہے۔

علامہ علاء الدین محمد سمرقندی تحفۃ الفقہاء میں فرماتے ہیں:

"واما رکن الزکوٰۃ فہو اخراج جزء من النصاب من حیث المعنی الی اللّٰہ تعالیٰ والتسلیم الیہ وقطع یدہ عنہ بالتملیک من الفقیر والتسلیم الیہ او الی من ھو نائب عنہ وھو الساعی[2]

وصاحب المال نائب عن اللّٰہ تعالیٰ فی التسلیم الی الفقراء قال اللّٰہ تعالیٰ وآتوا الزکوٰۃ والایتاء ھو التملیک[3]

جمہور فقہاء امت اس امر پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے۔ مالکانہ قبضہ دیے بغیر اگر کوئی مال زکوٰۃ انہی لوگوں کے فائدہ کے لیے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد، مدارس، یتیم خانے، شفا خانے وغیرہ کی تعمیر یا ان کی دوسری ضروریات وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے لوگوں کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان اشیاء پر نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کو کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ طور پر دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک زکوٰۃ کی رقم صرف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہسپتالوں میں جو دوا محتاج غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں شمار ہو سکتی ہے۔ اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کر دے، اسی طرح

---

[1] مبسوط سرخسی ۲/۲۰۲ [2] تحفۃ الفقہاء ۱/۲۰۵ [3] تحفۃ الفقہاء ۱/۳۰۵

اگر میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو براہ راست رقم زکوٰۃ سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو مالکانہ طور پر وہ رقم دی جا سکتی ہے۔ وہ اس رقم کے مالک بن کر اپنی رضامندی سے میت کا قرض اس رقم سے ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں، پل، سڑک وغیرہ کی تعمیر اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

درج بالا عبارات فقہیہ کی روشنی میں چاروں ائمہ مجتہدین اور جمہور فقہائے امت اس پر متفق ہیں، کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔

شرط تملیک کی دلیل

ملک العلماء علامہ کاسانی نے بدائع میں، ادائے زکوٰۃ کے لیے شرط تملیک کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ قرآن کریم میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کو لفظ ایتاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

" اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ ۔ اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ ۔

اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ ۔ آتوا حقہ یوم حصادہ ۔ وغیرہ

اور لفظ ایتاء لغت میں عطا کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا:

" والایتاء الاعطاء وخص وضع الصدقۃ فی القرآن بالایتاء "

یعنی ایتاء کے معنی عطا کرنے کے ہیں اور قرآن کریم میں صدقہ واجبہ کے ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطا کرنے کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔

نیز صدقہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسے:

" آتوا النساء صدقاتھن نحلۃ " (سورۃ نساء)۔

یعنی عورتوں کو ان کے مہر دے دو۔ ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب مہر کی رقم پر عورت کو مالکانہ قبضہ دے دیا جائے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں زکوٰۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے: ــــ انما الصدقات للفقراء ــــ خذ من اموالھم صدقۃ ــــ وغیرہ اور صدقہ کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ کسی فقیر محتاج کو اس کا مالک

بنا دیا جائے۔ کسی کو کھانا کھلا دینا۔ یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کرنا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا[1]

شیخ ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں فرمایا کہ صدقہ کی حقیقت یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس کا مالک بنا دیا جائے

اسی طرح امام ابو بکر جصاص نے بھی احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔

تحصیل زکوٰۃ کے سلسلہ میں مہتمم و سفراء مدارس وغیرہ کی شرعی حیثیت

مدارس اسلامیہ کے مہتمم یا کسی انجمن و ادارہ کے صدر یا سکریٹری یا ان کی جانب سے بھیجے جانے والے سفیر جو ان اداروں کے لیے چندہ کے طور پر زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے ان مدارس و اداروں تک پہنچاتے ہیں کیا ان کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل کر کے یا ان پر قیاس کر کے زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ان ارباب حل و عقد کا مال زکوٰۃ پر صرف قبضہ ہی کافی ہے یا ان لوگوں کا اس مال زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ میں استعمال و خرچ کر دینا ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ ان لوگوں کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل قرار دینا یا ان پر قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ آیت کریمہ میں تیسرا مصرف "العاملین علیہا" بیان کیا گیا ہے۔ یہاں عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ، عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہیں۔ یہ لوگ چوں کہ اپنے تمام اوقات اسی خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ نے مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

تحصیل صدقات و زکوٰۃ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے

اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا فریضہ براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا وصل علیہم"[2]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۳۹ [2] سورۂ توبہ، آیت ۱۰۳

یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک وصاف کریں گے اور ان کے لیے دعا کیجیے۔

آیت کے شان نزول سے متعلق واقعہ یہ ہے کہ ماقبل میں جن حضرات کا اوپر ذکر ہوا کہ یا غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے پھر نادم ہو کر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا پھر آیت مذکورہ سابقہ میں ان کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی تو ان حضرات نے بطور شکرانہ اپنا سارا مال صدقہ کے لیے آپ کے سامنے پیش کر دیا اس پر آیت کریمہ خذ من اموالہم صدقۃ الخ نازل ہوئی اور آپ نے پورے مال کے بجائے ایک تہائی مال کا صدقہ قبول فرمایا کیوں کہ آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ پورا مال نہ لیا جائے بلکہ کچھ حصہ لیا جائے۔ حرف من اس پر شاہد ہے۔

"خذ من اموالہم صدقۃ الخ امر تعالیٰ رسولہ أن یأخذ من اموالہم صدقۃ یطہرہم ویزکیہم بہا وھذا عام وان اعاد بعضہم الضمیر إلی الذین اعترفوا بذنوبہم وخلطوا عملا صالحا وآخر سیئا ولہذا اعتقد بعض مانعی الزکوٰۃ من احیاء العرب ان دفع الزکوٰۃ إلی الامام لایکون وانما کان ھذا خاصا بالرسول علیہ السلام ولہذا احتجوا بقولہ تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ الآیۃ وقد رد علیہم ھذا التأویل والفہم الفاسد ابو بکر الصدیق وسائر الصحابۃ وقاتلوہم حتی ادوا الزکوٰۃ إلی الخلیفۃ کما کانوا یؤدونہا إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم"[1]

قولہ سبحانہ خذ من اموالہم صدقۃ الخ الخطاب فیہ للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای خذ یا محمد من اموالہم صدقۃ فکان النبی صلی اللّٰہ علیہ یأخذھا منہم ایام حیاتہ ثم اخذھا من بعدہ الأئمۃ فیجوز للامام اونائبہ ان یأخذ الزکوٰۃ من الاغنیاء ویدفعہا إلی الفقراء[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۳۰۶/۲ [2] تفسیر خازن ۱۱۶/۳

كقوله اقم الصلوٰة لدلوك الشمس (الاسراء) وقوله فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله (النحل) وقوله فاذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوٰة (النساء) فكل من دلكت عليه الشمس مخاطب بالصلوٰة وكذلك كل من قرأ القرآن مخاطب بالاستعاذة وكذلك كل من خاف يقيم الصلوٰة بتلك الصفة ومن هذا القبيل قوله تعالىٰ خذ من اموالهم صدقة وعلى هذا المعنىٰ جاء قوله تعالىٰ يا ايها النبي اتق الله (الاحزاب) ويا ايها النبي اذا طلقتم النساء (الطلاق)۔[1]

اس آیت کریمہ خذ من اموالهم صدقة (الخ) میں اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے ایک خاص جماعت سے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے۔ تفسیر قرطبی، احکام القرآن الجصاص، [illegible] کی توضیح دی گئی ہے اور قرطبی وجصاص نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر اس آیت میں [illegible] بالا واقعہ قرار دیا جائے، تب بھی اصول قرآنی کی رو سے یہ حکم عام ہی رہے گا، اور قیامت تک کے [illegible] ہوگا، کیوں کہ قرآن کریم کے بیشتر احکامات خاص خاص واقعات میں نازل ہوئے ہیں، [illegible] کسی کے نزدیک شان نزول سے متعلق واقعہ تک محدود نہیں [illegible] جب تک کوئی دلیل تخصیص [illegible] وہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام اور شامل ہی قرار دیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ پوری امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر تحصیل زکوٰۃ کا یہ حکم آپ کے ساتھ مخصوص [illegible] وہ شخص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام مسلمانوں کا امیر وحاکم ہوگا وہ [illegible] کے فرائض میں یہ امر داخل ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی زکوٰۃ وصول کرنے اور مصرف [illegible] خرچ کرنے کا انتظام کرے۔

صدیق اکبرؓ کے ابتدائی دور خلافت میں جو مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کرنے کا واقعہ [illegible] بھی مانعین زکوٰۃ میں کچھ تو وہ لوگ تھے جو علانیہ طور پر اسلام سے باغی و مرتد ہو گئے [illegible] تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے مگر انکار زکوٰۃ کا یہ بہانہ کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

---

[1] الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی ۸/۲۴۵ و ۲۴۶

وصول کرنے کا حکم آپؐ کی حیات تک تھا. ہم نے برابر اس کی تعمیل کی آپؐ کی وفات کے بعد ابوبکرؓ کو ہم سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کا کیا حق ہے؟ اور شروع شروع میں حضرت فاروق اعظمؓ کو ان سے جہاد کرنے میں تردد اسی لیے پیش آیا کہ یہ مسلمان ہیں اور ایک آیت کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ سے بچنا چاہتے ہیں، اس لیے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہ کیا جائے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے. مگر صدیق اکبرؓ نے پورے عزم و جزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس سے جہاد کریں گے.

اشارہ اس طرف تھا کہ جو لوگ حکم زکوٰۃ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کرتے اور آپؐ کے بعد اس کے ساقط ہو جانے کے قائل ہوئے وہ کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نماز بھی حضور کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیت بھی ہے۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الخ جس میں اقامت صلوٰۃ کے مخاطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، مگر جس طرح آیت نماز کا حکم پوری امت کے لیے عام ہے، اور اس حکم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی غلط تاویل انسان کو کفر سے نہیں بچا سکتی، اسی طرح آیت کریمہ خذ من اموالہم الخ میں مذکورہ بالا تاویل ان کو کفر وارتداد سے نہیں بچائے گی، اس پر فاروق اعظمؓ کو بھی شرح صدر و اطمینان ہو گیا اور بہ اجماع صحابہؓ ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا گیا.

بہرحال آیت کریمہ خذ من اموالہم صدقۃ الخ سے مسلمانوں کے امیر و حاکم پر تحصیل زکوٰۃ و صدقات کا فریضہ عائد ہوتا ہے اور ظاہر ہے امیر بذات خود اس کام کو پوری حدود سلطنت میں اعوان و انصار کے بغیر انجام نہیں دے سکتا، انہی اعوان و انصار کو مصارف صدقہ والی آیت میں "والعاملین" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے.

اسی آیت کریمہ کی تعمیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرامؓ کو تحصیل صدقات کے لیے عامل بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجا ہے اور آیت کریمہ کی ہدایت کے مطابق زکوٰۃ ہی کی وصول شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے. حدیث شریف میں ہے:

"عن عطاء بن یسار ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاتحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لغاز فی سبیل اللّٰہ او لعامل علیہا او لغارم او لرجل اشتراہا بمالہ او لرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاھدی المسکین للغنی. رواہ ابوداؤد ومسلم. (تفسیر خازن ۹۲/۲)

قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرض دار بری الذمہ اور سبکدوش ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب رقم زکوٰۃ عاملین صدقہ نے وکیل فقرا ہونے کی حیثیت سے وصول کی تو عامل صدقہ کا قبضہ ہوتے ہی زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اب یہ پوری رقم فقرا کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل عامل صدقہ نے وصول کرلی ہے۔ اب جو رقم بطور حق الخدمت ان کو دی جاتی ہے وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقرا کی طرف سے ہوتی اور فقرا کو اس میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا اختیار ہے۔ ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان عاملین صدقے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضۂ خدمت دیں۔

بغیر توکیل کے عاملین صدقہ فقرا کے وکیل کس طرح ہیں؟

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقرا نے تو ان کو وکیل و مختار بنایا نہیں، پھر عاملین صدقات ان کے وکیل کیسے بن گئے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقرا و غربا کا وکیل ہو جاتا ہے کیوں کہ ان سب ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے پھر امیر مملکت جس جس کو تحصیل صدقات پر عامل بنادے وہ سب نائب امیر کی حیثیت سے فقرا کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عاملین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکوٰۃ جن فقرا کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضۂ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنالے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کردے تو یہاں نہ تو دینے والا بطور زکوٰۃ دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

مدارس کے مہتمم اور دیگر اداروں کے ارباب حل و عقد عاملین کے حکم میں نہیں (حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے)

درج بالا تشریح سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ آج کل کے مدارس اسلامیہ کے مہتمم صاحبان اور انجمنوں و اداروں کے عہدے داران یا ان کی جانب سے وصول یابی کے لیے بھیجے ہوئے سفیر جو صدقات و زکوٰۃ ان مدارس و اداروں کے لیے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں، جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس و اداروں کی طرف سے زکوٰۃ کے علاوہ جداگانہ دوسری کسی رقم سے

تنخواہ دینا ضروری ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں بلکہ اصحاب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں، زکوٰۃ دہندگان کی جانب سے مال زکوٰۃ کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لیے ان کے قبضہ کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کریں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لیے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل نہیں بنایا، اور امیر المؤمنین یا اسلامی سربراہ کی ولایت عامہ کی بنا پر خود بخود حاصل شدہ وکالت فقراء بھی ان کو حاصل نہیں، اس لیے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو زکوٰۃ دہندگان کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال زکوٰۃ کو مصرف پر خرچ نہ کردیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسے کہ زکوٰۃ کی رقم خود زکوٰۃ دہندہ کے پاس رکھی ہو۔

اکابر فتاویٰ کی روشنی میں مہتمم صاحبان معطی چندہ کے وکیل ہیں یا طلبہ کے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل فرض اور تسلیم کیے جانے کی صورت میں بھی اس کو زکوٰۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کی دیگر ضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ طلبہ کے خورد ونوش، لباس اور ان کی خاص ضروریات پر ہی خرچ کرسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا ایک فتویٰ نقل کیا جارہا ہے:

سوال:۔ مہتمم مدرسہ کا طلبہ کی جانب سے نائب ہے یا معطی چندہ کی طرف سے وکیل ہے؟ اگر طلبہ کا نائب ہے تو قبضہ مہتمم کا خود قبضہ طلبہ کا ہے، اس صورت میں ہر ایک طرح کا مال زکوٰۃ اور غیر زکوٰۃ کو مخلوط کرنا اور مدرسہ کی ہر ایک ضرورت تنخواہ مدرسین وخرید کتب وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہونا چاہیے اور کسی حیلہ حوالہ کی ضرورت نہیں مثل ولی صغیر کے ہوگا، اور اگر مہتمم معطی کا وکیل ہے تو بیچارے مہتمم کو بڑی تکلیف کا سامنا ہوگا، اس لیے کہ مدارس میں اکثر مال زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا آتا ہے اور مدرسہ میں زیادہ خرچ تنخواہ وغیرہ کا ہوتا ہے اور خاص خوراک طلبہ میں بہت کم صرف ہوتا ہے اور ہر ایک مال کو علیحدہ رکھنا اور کسی طرح مخلوط نہ کرنا نہایت مشکل ہے، اس سے برأت کی کیا شکل ہے؟ بعض جگہ یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ کسی ایک طالب علم کو پانچ سو یا پانچ سو روپیہ دے دیا اور پھر وہ اس کو مدرسہ میں داخل کردیتا ہے کیا یہ حیلہ کافی ہے؟ اور اس سے ہر ایک طرح کے مال کو مخلوط کرنا اور مدرسہ کی ہر ایک ضرورت میں صرف کرنا جائز ہوگا؟ یا مہتمم بعض وجوہ میں نائب ہے اور بعض وجوہ میں وکیل

کو زکوٰۃ میں سے ماہواری وظیفہ دینا جائز ہوگا؟

کیا دینی تعلیم کے وجود و بقاء کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر مدرسین کی تنخواہیں بمد زکوٰۃ دیے جانے کا فیصلہ حنفیہ کے متبحرین و وقت شناس علماء کی اجتماعی رائے سے ممکن ہے؟

اس سلسلہ میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل فتویٰ سے روشنی و رہنمائی مل سکتی ہے۔

سوال:— .... عاملین کے متعلق تو فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ ان کو بہ قدر عمل دے لینا جائز ہے کیا مدرسین کی تنخواہیں اس زکوٰۃ کے مال سے کسی جزئیہ کے تحت دی جا سکتی ہے؟ اگر کوئی ایسا جزئیہ نکل آوے تو مدرسین کی صورت زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔ نیز کیا شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کے یہاں ایسی صورت میں روپیہ زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:— چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک بالاتفاق ضروری ہے اور اس اصل سے سوائے عاملین کے اور کوئی مستثنیٰ نہیں اس لیے حنفی اصول کے مطابق مدرسین کی تنخواہ زکوٰۃ میں سے نہیں دی جا سکتی۔ ہاں بعض ائمہ کے مسلک کے موافق جو تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے اور مصرف فی سبیل اللہ کا عموم وسیع کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اس کی گنجائش ہے کہ مدرسین کی تنخواہیں زکوٰۃ کے روپے سے ادا کر دی جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ دینی تعلیم کا وجود و بقاء اسلامی عربی مدارس پر موقوف ہے اور مدارس کی زندگی کا مدار آج کل زکوٰۃ پر ہی رہ گیا ہے۔ بہ لحاظ ضرورت مگر اس کا فیصلہ حنفیہ کے علماء متبحرین و وقت شناس اجتماعی رائے سے کر سکتے ہیں۔[2]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

[1] کفایۃ المفتی ۴/ ۲۶۲

[2] کفایۃ المفتی ۴/ ۲۳۵

فی سبیل اللہ کے مفہوم و مصداق میں عموم و توسیع کے دلائل پر ایک نظر

بعض اہل علم ملک العلماء علامہ کاسانیؒ کے اس قول سے کہ فی سبیل اللہ کے اندر طلبہ علوم اور تمام امور خیر داخل ہیں، نیز ابن ماجہ کی اس حدیث سے — من دخل مسجدنا هذا ليتعلم خيرا او يعلمه كان كالمجاهد في سبيل الله۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہماری اس مسجد میں خیر کی کوئی بات سیکھنے یا سکھلانے کی غرض سے آئے تو وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ لیتعلم خیرا او یعلمه۔ کے الفاظ کے پیش نظر مشغول دین کے ساتھ خود تعلیم دین بھی فی سبیل اللہ میں ایک مجاہد کی طرح داخل و شامل ہے۔

نیز فی سبیل اللہ کے مفہوم میں توسیع و تعمیم پر بخاری شریف کتاب الدیات میں مذکور اس حدیث کو استدلال میں پیش کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر ایک مقتول شخص کی دیت زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دے کر ادا کی۔

”فوداه مائة من ابل الصدقة“[1]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ کے بیان کے مطابق بعض علماء مصالح عامہ میں صرف زکوٰۃ اس حدیث اور دوسری حدیث کی بنا پر جائز سمجھتے ہیں۔

لہٰذا مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو محتاج غازی اور محتاج حاجی کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہے، اور طلبہ علوم دینیہ اور دینی خدمات میں مشغول اہل علم و دیگر خدام دین فقر و احتیاج کے بغیر بھی مصرف و مستحق زکوٰۃ ہیں۔

لہٰذا اس کے جواب میں درج ذیل امور عرض ہیں:

(۱) فقہائے احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ نے اپنے اپنے فقہ کی کتابوں میں تصریح فرما دی ہے کہ اموال زکوٰۃ براہ راست تکفین میت، مساجد، مدارس، ہسپتالوں کی تعمیر اور دیگر رفاہی کاموں میں خرچ نہیں کیے جا سکتے۔ ان کی عبارتیں اور تصریحات ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

---

[1] بخاری شریف ۲/

زیاد بن حارث صدائی رضؓ کی یہ حدیث کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان اللّٰہ لم یرض فی الصدقات بحکم نبی ولا غیرہ حتی جزأھا ثمانیۃ اجزاء[۱]"

یعنی تقسیم صدقات کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی و غیر نبی کے حوالہ نہیں کیا بلکہ خود اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیے۔ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہو کہ تمام طاعات و ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو قرآن کریم میں ان آٹھ مصارف کا بیان بالکل فضول اور حضورؐ کا مذکورہ بالا ارشاد بالکل غلط قرار پاتا۔

لہٰذا ان امور مذکورہ بالا سے فی سبیل اللہ کے مصداق کی تحدید و تخصیص مفہوم ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں فی سبیل اللہ کے مفہوم کو محتاج غازی اور محتاج حاجی تک محدود قرار دینے میں معترض کے بعض مقلد جامد قسم کے اہل علم ہی نہیں، بلکہ صاحب تفسیر خازن اور علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر جیسے اساطین امت بھی شامل ہیں۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل اللّٰہ إلی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلك قال لان قوله وفی سبیل اللّٰہ عام فی الکل فلا یختص بصنف دون غیرہ والقول الاول هو الصحیح لاجماع الجمهور علیه[۲]

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے نوع مخصوص مراد ہے ورنہ فی سبیل اللہ کے لفظی و لغوی عموم میں تو تمام اصناف شامل ہو جائیں گی۔

"ثم فیه نظر لان المقصود ما هو المراد بسبیل اللّٰہ المذکور فی الآیۃ والمذکور فی الحدیث لا یلزم کونه ایاہ لجواز انه اراد الامر الاعم ولیس ذلك المراد فی الآیۃ بل نوع مخصوص والا فکل الاصناف فی سبیل اللّٰہ بذلك المعنی[۳]"

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۸/۱۶۸ [۲] تفسیر خازن ۲/۹۶ [۳] فتح القدیر ۲/۲۶۴

(۲) صحت تشبیہ کے لیے دو چیزوں کا بعض اوصاف میں اشتراک کافی ہے، اشتراک فی جمیع الاوصاف ضروری نہیں، نیز بعض امور میں اشتراک کی بنا پر ایک شئی پر کسی لفظ کا اطلاق شائع و ذائع ہے۔
لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں مقتول مسلم خیبر کو اجر و ثواب، تفضیل و ترغیب کے اعتبار مجاہد کی طرح فی سبیل اللہ کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے اور اس میں داخل کیا گیا ہے، استحقاق زکوٰۃ کے اعتبار سے نہیں۔

(۳) فوداہ مائۃ من ابل الصدقۃ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ روایت کے اکثر طرق میں "من ابل الصدقۃ" کے بجائے "من عندہ" کا لفظ ہے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء مقتول کو سو اونٹ بطور دیت اپنے پاس سے عطا فرمائے، اس صورت میں مصالح عامہ میں زکوٰۃ کے جواز صرف کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔

پھر آگے چل کر حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ قرطبی کے حوالہ سے یہ بھی تحریر فرمایا ہے "من ابل الصدقۃ" والی روایت کی بہ نسبت "من عندہ" کے الفاظ والی روایت اصح ہے، اور پھر "من ابل الصدقۃ" والی روایت کی مختلف توجیہات کے ذیل میں یہ بھی فرمایا کہ ممکن ہے کہ اولیاء مقتول کے مستحق زکوٰۃ ہونے کی بنا پر ان کو سو اونٹ زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے دیے ہوں، لہٰذا ان مختلف احتمالات کے ہوتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مصداق میں توسیع و تعمیم نیز مصالح عامہ میں زکوٰۃ کے جواز صرف پر اس حدیث سے استدلال محل تامل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت برائے ملاحظہ درج ذیل ہے:

"(فوداہ مائۃ) .... وفی روایۃ ابی لیلی فوداہ من عندہ وفی روایۃ یحیی بن سعید فعقلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عندہ ای اعطی دیتہ وفی روایۃ حماد بن زید من قبلہ ای من عندہ وفی روایۃ اللیث عنہ فلما رای ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی عقلہ (قولہ من ابل الصدقۃ) زعم بعضہم انہ غلط من سعید بن عبید لتصریح یحیی بن سعید بقولہ من عندہ او المراد بقولہ من عندہ ای بیت المال المرصد للمصالح واطلق علیہ صدقۃ باعتبار الانتفاع بہ مجانا لما فی ذلک من قطع المنازعۃ واصلاح ذات البین وقد حملہ بعضہم

علیٰ ذلک فحکی القاضی عیاض عن بعض العلماء جواز الصرف فی المصالح العامة و استدل بهذا الحدیث وغیره قلت وتقدم شیئ من ذلک فی کتاب الزکوٰة من الکلام علی حدیث ابی لاس قال حملنا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی ابل من ابل الصدقة فی الحج وعلی هذا فالمراد بالعندیة کونها تحت امره وحکمه وللاحتراز من جعل دیته علی الیهود او غیرهم قال القرطبی فی المفهم فعل ذلک علی مقتضیٰ کرمه وحسن سیاسته و جلبا للمصلحة و درأ للمفسدة علی سبیل التألیف ولا سیما عند تعذر الوصول الی استیفاء الحق و روایة من قال من عنده اصح من روایة من قال من اهل الصدقة وقد قیل انها غلط والاولیٰ ان لا یغلط الراوی ما امکن فیحتمل اوجها منها ما تقدم و منها ان یکون تسلفه من ابل الصدقة لیدفعه من مال الفیئ او ان اولیاء القتیل کانوا مستحقین للصدقة فاعطاهم او اعطاهم من سهم المؤلفة استئلافا لهم و استجلابا للیهود۔[1]

(۲) فی سبیل اللہ کے مفہوم میں عموم کے قائلین اپنے استدلال میں علامہ کاسانیؒ کا یہ قول بڑی قوت کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے جمیع طاعات و خیرات میں مشغول لوگوں کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل قرار دیا ہے۔

لہٰذا طلبۂ علوم دینیہ، علماء دین، دینی خدمات میں مشغول حضرات کو فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل مان کر مستحق زکوٰۃ قرار دیا جائے۔

مگر علامہ کاسانیؒ کا یہ قول مذکورہ مقصد کے مفید و مؤید نہیں کیونکہ انھوں نے جمیع خیرات وطاعات میں مشغول لوگوں کو بشرط فقر و احتیاج فی سبیل اللہ میں داخل مان کر مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے۔

"واما قوله تعالیٰ وفی سبیل اللّٰہ عبارة عن جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعیٰ فی طاعة اللّٰہ و فی سبیل الخیرات اذا کان محتاجا۔"[2]

---

[1] فتح الباری ۱۲/۲۳۵ [2] بدائع ۲/۴۵

الزکوٰۃ ومنعنا صرفہم فی الوصایا والاوقاف۔ انتہی۔

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین کی تعلیم و تدریس، تبلیغ، نشر و اشاعت میں مشغول علماء کرام نیز کسی دینی خدمت کی انجام دہی میں مصروف لوگ، بشرط الفقر وصیانۃ ہی مستحق زکوٰۃ قرار دیے جائیں گے ورنہ نہیں۔

ھذا ما عندی والصواب عند اللہ

لہ روح المعانی ۹/۲۲

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ پر ایک تحقیقی نظر

از ——— مفتی نسیم احمد قاسمی

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم ترین مالی فریضہ ہے جو بہ شرط نصاب مسلمان پر فرض ہے۔ زکوٰۃ کن لوگوں پر صرف کی جا سکتی ہے، مصارف زکوٰۃ کیا ہیں اس کی وضاحت و تفصیل خود اللہ رب العزت نے سورۂ توبہ میں حصر کے ساتھ بیان فرما دی ہے۔ مصارف زکوٰۃ کے بیان کے لیے اس آیت کو "حرف حصر انما" سے شروع کیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف انہیں لوگوں کو دی جا سکتی ہے جن کا تذکرہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کیا ہے۔ مصارف زکوٰۃ کے باب میں سورۂ توبہ کی آیت "انما الصدقات للفقراء" کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مصارف زکوٰۃ کتاب و سنت سے منصوص ہیں لہٰذا نہ تو کسی غیر مصرف زکوٰۃ کو مصرف قرار دے کر مستحق زکوٰۃ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی مصرف زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی مد سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ زمانۂ رسالت سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقوم قرآن کے بیان کیے ہوئے مصارف پر خرچ کرتی آ رہی ہے۔ مگر موجودہ دور میں بعض معاصر علماء اور بعض حلقوں کی طرف سے یہ بات زور و شور سے اٹھائی جا رہی ہے کہ قرآن کے لفظ فی سبیل اللہ میں وسعت و تعمیم ہے اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی بھی مذہبی اور دینی کام میں مشغول ہو، مدارس اسلامیہ میں درس و تدریس میں مشغول علماء، اصحاب فقہ و فتاویٰ، دینی واعظین اور تبلیغ والوں میں تحقیق اور ریسرچ کرنے والے اصحاب قلم جو دینی کاموں کے لیے فارغ ہوتے ہیں، مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اور مستحق زکوٰۃ ہیں، ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لیے لینا جائز ہے اس لحاظ سے یہ مسئلہ قابل غور ہو جاتا ہے کہ کیا علماء اور دینی کاموں میں مشغول افراد فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اور مستحق

کے مستحق ہیں تو آج ملت امت ان لوگوں کو زکوٰۃ سے کیوں محروم کرتی رہی ہے اور اگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں تو پھر نص قرآنی کی رو سے انہیں زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ علماء اور فقہ و فتاویٰ کے ماہرین ایک ساتھ سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس مسئلہ پر واضح اور دو ٹوک فیصلہ کر کے پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں درج ذیل باتوں پر غور کرنا ضروری ہے:

الف:۔۔۔۔ فی سبیل اللہ کا مصداق کیا ہے، اس سلسلہ میں جمہور علماء اور اکابر امت کی تشریحات کیا ہیں؟

ب:۔۔۔۔ کیا فی سبیل اللہ کے مصداق میں تمام مصارف خیر داخل ہیں؟

ج:۔۔۔۔ منقطع الغزاۃ یا الحاج المنقطع میں سے جسے بھی مصرف زکوٰۃ قرار دیا جائے اس کا مصرف زکوٰۃ ہونا فقر و احتیاج کے وصف کے ساتھ ہے یا مطلقاً؟

(الف) فی سبیل اللہ کا مصداق

فی سبیل اللہ کے مصداق و مفہوم اور اس کی تعیین کے سلسلہ میں علماء امت کے حسب ذیل اقوال کتب فقہ و حدیث میں ملتے ہیں۔

۱۔۔۔۔ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں سارے ہی اعمال خیر اور قربت و طاعت کی چیزیں داخل ہیں۔ علماء امت میں سب سے پہلے مفسر قرآن امام رازی نے اپنی تفسیر "تفسیر کبیر" میں امام قفال کے حوالہ سے اسے بعض علماء کی طرف منسوب کیا ہے[1]۔ بعض معاصر علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

۲۔۔۔۔ فی سبیل اللہ صرف مسلمانوں کی مصالح عامہ (مثلاً عمومی خیراتی ہسپتال، مسافر خانے اور مدارس وغیرہ) وغیرہ کو شامل ہے۔ علماء سلف میں سے کسی کی بھی یہ رائے نہیں ہے۔ البتہ ماضی قریب کے علماء میں سے رشید رضا مصری اور شیخ شلتوت وغیرہم اس کے قائل ہیں۔

۳۔۔۔۔ فی سبیل اللہ سے وہ حاجی مراد ہے جو حاج کے قافلہ سے بچھڑ گیا ہو اور اس کے اخراجات سفر اور سواری کا جانور ختم ہوگیا ہو، حنفیہ میں سے حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی کی یہی رائے ہے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: تفسیر کبیر ۱۶/۱۱۳

امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک فی سبیل اللہ سے حج مراد ہے۔

۴ــــ مدارس اسلامیہ میں درس و تدریس اور فقہ و فتاویٰ کی خدمات پر مامور مدرسین، علماء و فقہاء دینی اداروں اور اکیڈمیوں میں فقہ و قضاء اور دینی کاموں میں مشغول تمام افراد، مدارس کے طلبہ سب فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر مستحق زکوٰۃ ہیں، علماء سلف میں سے کسی بھی فقیہ کی یہ رائے نہیں ملتی ہے، البتہ عصر حاضر کے بعض علماء اس نظریہ کے قائل ہیں۔

۵ــــ جمہور علماء کا مسلک

جمہور اکابر امت اور اصحاب فقہ و فتاویٰ کا دور رسالت سے لے کر آج تک یہ مسلک رہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ و جہاد مراد ہے یعنی وہ شخص جو سامان جہاد، اسلحہ کی فراہمی پر قدرت نہیں رکھتا ہے یا وہ مجاہد جو اپنے وطن میں خوش حال اور صاحب دولت و ثروت ہے مگر راستہ میں غازیوں کے قافلہ سے بچھڑ گیا، اس کا زاد راہ ختم ہو گیا، سواری کا جانور اور جہاد کا سامان ختم ہو گیا اسے زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔ حضرت امام شافعی، مالک اور مشہور قول کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک مال دار غازی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک غزوہ و جہاد کے علاوہ اور کسی کام میں مشغول افراد فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر مستحق زکوٰۃ نہیں ہوں گے۔ ائمہ اربعہ جن کی اتباع و تقلید پر پوری امت کا اجماع ہے ان میں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعی رحمہم اللہ کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی ہے، جیسا کہ علامہ ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں صراحت کی ہے۔[۱]

قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ فی سبیل اللہ سے فقراء غزاۃ مراد ہیں کیونکہ شریعت کے عرف میں جب مطلق فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے غزوہ و جہاد ہی مفہوم و مراد ہوتا ہے۔[۲]

امام ابو یوسفؒ اور جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ شرع میں جب " فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے غزوہ ہی مراد ہوتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن جوزی کا قول نقل کیا ہے کہ " اذا اطلق ذکر

۱؎ بدایۃ المجتہد لابن رشد مالکی ۱/۲۶۷ ۲؎ بدائع الصنائع ۲/۴۶

سبیل اللّٰہ فالمراد بہ الجہاد[۱] جب سبیل کا مطلق ذکر ہوتا ہے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے۔ اور ابن قدامہ حنبلی کی رائے نقل ہے،

"سبیل اللّٰہ عند الاطلاق ھو الغزو[۱]"

فقہ شافعی کی مشہور کتاب المجموع شرح المہذب للنووی میں ہے:

"المتبادر الی الافہام ان سبیل اللّٰہ تعالیٰ ھو الغزو واکثر ما جاء فی القرآن العزیز کذالک[۲]"

صاحب[۳] لباب التاویل فی معانی التنزیل نے لکھا ہے کہ انفاق، مصالح دینیہ میں مال خرچ کرنے کا نام ہے، جیسے حج، عمرہ، صلہ رحمی، صدقہ، جہاد اور غازیوں کی امداد، اپنے نفس اور اہل وعیال پر خرچ کرنا اس لیے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی عبادت و قربت میں داخل ہیں لیکن جب فی سبیل اللہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف جہاد مراد ہوتا ہے[۳]۔

(ب) کیا فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام مصارف خیر داخل ہیں؟؟

اس سلسلہ میں شمس الائمہ علامہ کاسانی نے اپنی معروف تصنیف "بدائع" میں مصارف زکوٰۃ کے ذیل میں فقر واحتیاج کے وصف کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام ہی مصارف خیریہ اور دینی امور کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل کیا ہے۔ علامہ کی تقلید میں متاخرین فقہاء احناف میں سے علامہ ابن نجیم مصری صاحب بحر الرائق اور علامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المحتار نے بھی اسے نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ تمام افراد جو مختلف دینی امور کی انجام دہی میں مشغول ہیں، اگر محتاج و مفلس ہیں تو فقر واحتیاج کی علت کی بنیاد پر ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز ہوگا ——— زکوٰۃ کی رقم لینے کا انھیں استحقاق فقر وافلاس کی وجہ سے ہوگا نہ کہ دینی کاموں میں مشغولیت کے معاوضہ کے طور پر۔

علامہ کاسانی نے فی سبیل اللہ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

---

[۱] فتح الباری لابن حجر ۳/۲۸ [۲] المجموع شرح المہذب للنووی ۶/۲۱۲

[۳] کتاب التاویل فی معانی التنزیل ۱/۱۳۸

"واما قوله تعالى "وفي سبيل الله" عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجاً[1]"

یعنی اللہ تعالیٰ کا قول "وفی سبیل اللہ" تمام ہی مصارف خیر اور عبادت و طاعت الٰہی کی چیزوں کو شامل ہے۔ پس اس کے مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو طاعت خداوندی میں اور مصارف خیر میں مشغول ہو، بشرطیکہ وہ شخص محتاج و افلاس کا شکار ہو۔

جب زکوٰۃ لینے اور دینے کی علت فقر و احتیاج کو قرار دیا گیا تو جہاں جہاں یہ علت فقر پائی جائے گی زکوٰۃ دینا اور لینا جائز قرار پائے گا۔

لہٰذا فقر و احتیاج کی بنیاد پر ان تمام افراد کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے جو کسی علمی تحقیقی اور دینی کاموں میں مشغول ہیں اور ان کا مستحق زکوٰۃ ہونا بربنائے فقر و افلاس ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ سارے لوگ فقراء و مساکین والے مصرف میں داخل ہوں گے۔

۱۲۔ منقطع الغزاۃ یا الحاج المنقطع مطلقاً زکوٰۃ کے مصرف بنتے ہیں یا فقر و احتیاج کی صورت میں؟

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق چاہے منقطع الغزاۃ کو قرار دیا جائے یا الحاج المنقطع کو، کیا وہ لوگ جو اس کے مصداق ہیں ان کا مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر و احتیاج ضروری ہے یا ہر حال میں وہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر زکوٰۃ کے مستحق ہوں گے؟

اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی تصریحات اور ائمہ احناف کے اقوال سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق منقطع الغزاۃ کو قرار دیا جائے یا الحاج المنقطع کو یا کسی اور دوسرے افراد کو، بہرحال مستحق زکوٰۃ ہونے اور فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہونے کے لیے ان کا فقیر و محتاج ہونا ضروری ہے۔ وصف فقر و افلاس ہی کی بنیاد پر وہ لوگ فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل ہو کر زکوٰۃ کے مستحق قرار پائیں گے — پس اگر کوئی مجاہد غازی یا حاجی اپنے ساتھیوں اور قافلہ والوں سے بچھڑ گیا، لیکن اس کے پاس آگے سفر جاری رکھنے اور منزل تک پہونچنے کے لیے زاد راہ، آلات اور مجاہد کے پاس آلات جہاد اور حاجی کے پاس زاد راہ کے

---

[1] بدائع ۲/۴۶

علاوہ آگے سفر جاری رکھنے کے لیے سواری یا اخراجات سفر موجود ہیں تو ایسے غازی یا حاجی کو فی سبیل اللہ کا مصرف قرار دے کر زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا چنانچہ فقہ حنفی کی معروف اور مستند کتاب بدائع میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے حوالے سے فی سبیل اللہ کے بارے میں یہ تشریح نقل کی گئی ہے،

"وقال ابو یوسف المراد منه فقراء الغزاة"[1]

اور علامہ تبیین الحقائق نے لکھا ہے:

"وفی سبیل الله هم منقطع الغزاة عند ابی یوسف ای الفقراء منهم وعند محمد منقطع الحاج وهم الفقراء منهم"[2]

شمس الائمہ علامہ شمس الدین سرخسی نے فی سبیل اللہ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"واما قوله تعالىٰ وفی سبیل الله فهم الفقراء الغزاة وهكذا قال ابو یوسف وقال محمد هم فقراء الحاج المنقطع بهم"[3]

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پھر جو لوگ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی کو قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک غازی سے وہ شخص مراد ہے جو رقبہ اور ید دونوں کے اعتبار سے فقیر ہو (یعنی نہ تو اس کے وطن میں اس کے پاس اپنا ذاتی مال ہو اور نہ اس وقت اس کے پاس کچھ مال ہو) یا صرف رقبہ کے اعتبار سے فقیر ہو بایں طور کہ وہ اپنے وطن میں مال و دولت کا مالک ہو، مگر اس وقت اس کے پاس مال نہ ہو تو ایسا شخص باعتبار ید فقیر کہلائے گا اور باعتبار رقبہ غنی ـــــــ جو شخص رقبہ اور ید دونوں لحاظ سے غنی ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں ہوگا"[4]

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ صرف اس غازی یا حاجی کو زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا ہے جس کے پاس اپنا ذاتی مال نہ ہو۔

اس سلسلہ میں محقق ابن نجیم کی عبارت بالکل واضح ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۴۶ [2] تبیین الحقائق للزیلعی ۱/۲۹۸

[3] مبسوط سرخسی ۳/۱۰ [4] فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/۲۰۹

"فی سبیل اللہ کا مصداق چاہے منقطع الغزاۃ کو قرار دیا جائے یا منقطع الحاج کو، بہرحال ان کا
فقیر ہونا ضروری ہے۔ ہر دو صورت میں وصف فقر و احتیاج ہی استحقاق زکوٰۃ کی علامت قرار پائے
گا اور لایخفی ان قید الفقر لابد منہ علی الوجوہ کلہا"[1]

اسی طرح علامہ شمس الدین سرخسی نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ ہمارے فقہاء احناف کے نزدیک مالدار غازیوں پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ وہ حدیث جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ افراد کے لیے زکوٰۃ کی رقم حلال فرمائی اور ان میں غازی فی سبیل اللہ کو بھی شمار کیا گیا، اس حدیث میں غنی سے مالدار اور صاحب ثروت مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ شخص اپنی جسمانی قوت اور کمانے کی قدرت رکھنے کی وجہ سے غنی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زکوٰۃ کے بارے میں مشہور حدیث ہے کہ (تؤخذ من اغنیائہم وترد فی فقرائہم) مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔

مبسوط سرخسی کی اصل عبارت یہ ہے:

"ولا یصرف إلی الأغنیاء من الغزاۃ عندنا خلافا للشافعی واستدل بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل الصدقۃ إلا لخمسۃ وذکر من جملتہم الغازی فی سبیل اللہ ولکنا نقول المراد الغنی بقوۃ البدن والقدرۃ علی الکسب انما تکون بالبدن لا بسبب المال بدلیل الحدیث الآخر وردہا فی فقرائہم"[2]

ان ساری تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق چاہے اس غازی کو قرار دیا جائے جو غازیوں کے قافلے سے بچھڑ گیا ہو یا اس حاجی کو قرار دیا جائے جو اپنے قافلے سے بچھڑ گیا ہو یا کسی اور شخص کو، بہرحال مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے ان کا فقیر ہونا ضروری ہے۔

البتہ اس پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان اشخاص کا جو فی سبیل اللہ کے مصرف میں آتے ہیں فقیر ہونا ضروری ہے تو ان کا مصرف زکوٰۃ ہونا تو فقراء و مساکین کے ذیل میں بیان ہو چکا، پھر علیحدہ

---

[1] البحر الرائق ۲/۲۴۲ [2] مبسوط سرخسی ۳/۱۰

سے فی سبیل اللہ کے عنوان سے مگر ان کا تذکرہ کرنا اور انھیں مستقل مصرف کے عنوان سے ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات سے مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

صاحب عنایہ نے اس پر اس طرح اشکال نقل کیا ہے،

"پس اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "و فی سبیل اللہ" مکرر ہے ، چاہے اس سے منقطع الغزاۃ مراد لیا جائے یا منقطع الحاج ، اس لیے کہ ہر دو صورت میں یا تو اس شخص کے پاس رہنے ایسا ذاتی مال اور پراپٹی ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اگر اس کے پاس وطن میں مال ہے تو پھر وہ ابن السبیل کہلائے گا جو مستقل مصرف زکوٰۃ ہے اور اگر اس کے پاس وطن میں بھی مال نہ ہو تو پھر وہ فقیر ہوگا اور فقیر کا بھی مصرف زکوٰۃ ہونا علیحدہ بیان ہوچکا۔ اس لحاظ سے مصرف زکوٰۃ کی تعداد آٹھ نہیں رہ جائے گی؟"

اس اشکال کا جواب خود صاحب عنایہ نے یہ دیا ہے،

" فی سبیل اللہ کا مصداق منقطع الغزاۃ ہو یا منقطع الحاج ہر حال ان کا فقیر ہونا ضروری ہے اور فقیر ہونے کی وجہ سے وہ مصرف زکوٰۃ "فقراء" میں داخل ہیں، مگر چونکہ ایسے افراد کے اندر فقر و احتیاج کے علاوہ ایک اور شکل بھی پائی جاتی ہے اور وہ ان کا اللہ کے راستے میں جہاد یا حج کرنے کی خاطر قافلہ سے بچھڑ جانا ہے۔ اس انقطاع کی وجہ سے ان کا علیحدہ سے مستقل مصرف کی حیثیت سے تذکرہ کر دیا گیا۔ کتاب کے اصل الفاظ یہ ہیں ،

" اجیب بانہ فقیر الا انہ ازداد فیہ شیئ آخر سوی الفقر وھو الانقطاع فی عبادۃ اللہ من جہاد او حج فلذلک غایر الفقیر المطلق[1]"

علامہ زیلعی نے بھی اس کا یہی جواب دیا ہے کہ با وجودے کہ یہ اشخاص فقراء و مساکین میں داخل ہیں مگر ان کا فقر و احتیاج اس لحاظ سے بڑھا ہوا ہے کہ یہ فقیر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قافلہ والوں سے بچھڑے ہونے کی وجہ سے مزید اس کے حق دار ہیں کہ ان کی مدد کی جائے[2]

---

[1] عنایہ علی ہامش الفتح ۲۶۳/۱

[2] تبیین الحقائق ۲۹۸/۱

(د) کیا مالدار غازیوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

فی سبیل اللہ کے ذیل میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کا مصداق ان غازیوں کو قرار دیا جائے جو اپنے قافلے سے بچھڑ گئے ہوں تو کیا ہر اس غازی اور مجاہد کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے جو قافلہ سے بچھڑ گیا ہو، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو یا صرف ان ہی غزاۃ اور مجاہدین کو زکوٰۃ دینا جائز ہوگا جو فقیر و محتاج ہوں۔

اس سلسلہ میں دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں، ایک حنفیہ کا اور دوسرے ائمہ ثلثہ حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا۔

پہلا نقطۂ نظر

فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق فی سبیل اللہ کے مصداق جو حضرات بھی ہوں ان کا فقیر و محتاج ہونا ضروری ہوگا اور صفت فقر و افلاس ہی کی وجہ سے وہ افراد مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آکر مستحق زکوٰۃ ہوں گے۔ عاملین زکوٰۃ کے علاوہ تمام ہی مصارف زکوٰۃ میں فقہائے احناف فقر و احتیاج کی قید لگاتے ہیں، چنانچہ محقق ابن نجیم مصری نے اپنی معروف تصنیف البحر الرائق میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"ولا یخفی ان قید الفقر لابد منہ علی الوجوہ کلہا"[۱]

اور فتح القدیر میں ہے:

"انما یعطی الاصناف کلہم سوی العامل بشرط الفقر"[۲]

اس لحاظ سے جن فقہاء احناف نے فی سبیل اللہ کے مفہوم کی توسیع کرکے طالب علم یا تمام ہی امور خیر کو اس میں شامل کیا ہے ان کی اس توسیع سے مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کی تشریح و تعبیر میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ صرف اختلاف لفظی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ

---

[۱] البحر الرائق ۲/۲۴۲ [۲] فتح القدیر ۲/۲۶۴

جب ان حضرات کے نزدیک فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آنے والے تمام ہی اشخاص کے لیے فقیر ہونا لازمی امر ہے تو فی سبیل اللہ کے مصرف میں آنے والے تمام ہی اشخاص وصف فقر کی وجہ سے زکوٰۃ کے پہلے مصرف فقراء میں مستقلاً طور پر داخل ہوئے ——— لہٰذا فقہاء احناف کے نزدیک فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر صرف وہی غازی یا حاجی حضرات مستحق زکوٰۃ قرار پائیں گے جن کے پاس اپنا ذاتی مال و اسباب نہ ہو یا مال وطن میں ہو مگر فی الحال وہ اپنے قافلے سے بچھڑ جانے کی وجہ سے اسلحہ یا خورد و نوش کے لیے پریشان ہوں، تو ان کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے اور اگر ان کے پاس اپنی ذاتی رقم موجود ہو جس سے وہ اپنے لیے سامان جہاد خرید سکتے ہیں، اور اپنی منزل تک پہونچ سکتے ہیں، تو پھر ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا اور اس صورت میں وہ افراد فی سبیل اللہ کے مصداق نہیں قرار پائیں گے ——— چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ زیلعی شارح کنز نے غازی کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جو شخص جہاد کی غرض سے نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو (یا قافلے سے بچھڑ گیا ہو) اور جہاد کے لیے اسلحہ اور سامان جہاد کا محتاج ہو، خود اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو کہ وہ اس سے سامان جہاد کا انتظام کر سکے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہوگا۔"[۱]

شمس العلماء علامہ کاسانی نے مالدار غازی کے مصرف زکوٰۃ نہ ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"ہماری دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے کہ لا تحل الصدقة لغنی کسی بھی مالدار کے لیے صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ کی رقم لینا حلال نہیں ہے۔ اور آپ کا ارشاد گرامی ہے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور اسے تمہارے فقراء پر صرف کروں۔ تو آپ نے اس حدیث میں لوگوں کی دو قسمیں بیان فرمائی، ایک قسم وہ ہے جس سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جائے گی جنہیں معطین کہا جائے گا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جن پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے گی جو آخذین کہلائیں گے۔ پس اگر زکوٰۃ کی رقم مالدار پر صرف کرنا جائز قرار دیا جائے تو پھر تقسیم ہی باطل ہو جائے گی اور یہ درست نہیں ہے۔"[۲]

۱۔ تبیین الحقائق ۱/۲۹۸ ——— ۲۔ بدائع الصنائع ۲/۹۰۱

شمس الائمہ علامہ شمس الدین سرخسی نے لکھا ہے:

"ولا یصرف الی الاغنیاء من الغزاۃ عندنا"[1]

ہمارے نزدیک مالدار غازیوں پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ "تاتارخانیہ" میں ہے:

"جو لوگ فی سبیل اللہ سے غازی مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک غازی سے وہ شخص مراد ہے جو فقیر و محتاج ہو جائے، یہ فقر و احتیاج صرف حالت سفر میں ہو یا وہ اپنے وطن میں بھی فقیر ہو اور حالت سفر میں بھی۔"[2]

دوسرا نقطۂ نظر

اس سلسلہ میں دوسرا نقطۂ نظر حضرت امام مالک، شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق بننے کے لیے فقر و احتیاج کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا جو لوگ زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کے مصداق ہوں گے ان کا فقیر و محتاج ہونا استحقاقِ زکوٰۃ کے لیے ضروری نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک دو شرطوں کے ساتھ مالدار غازیوں کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص ایسا ہو کہ سرکاری دیوان میں اس کا وظیفہ اور حصہ مقرر نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مالِ فئے میں سے اپنا حصہ نہ لیتا ہو۔

ا — مصارفِ زکوٰۃ کا حصر حقیقی ہے یا اضافی؟

مصارفِ زکوٰۃ کے باب میں سورۂ توبہ کی آیت "إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم" بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ

---

[1] مبسوط سرخسی ۳/۱۰ [2] مرجع سابق

تاکید اور حصر کے ساتھ مصارف زکوٰۃ کی تحدید فرما کر آئندہ کے لیے اس کا دروازہ بند فرما دیا کہ ان اصناف ثمانیہ کے علاوہ کسی اور دوسری قسم کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں مصارف کا بیان لفظ "انما" اور "لام" کے ذریعہ ہوا ہے اور یہ دونوں عربی زبان میں حصر کے لیے استعمال ہوتے ہیں مصارف کے بیان کے بعد اسے "فریضۃ من اللہ" کہہ کر مزید موکد کر دیا گیا جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کو انھیں مذکورہ مصارف پر صرف کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے موکد فریضہ ہے ——— میرے نزدیک یہ حصر اضافی نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے اور مصارف مذکورہ کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ کسی بندے کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ خالق کائنات نے جن مصارف کا تذکرہ کیا ہے ان کے علاوہ کسی اور مصرف میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرے۔

اس موقع پر حضرت الامام محمد بن ادریس شافعیؒ کا قول نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ مصارف زکوٰۃ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فاحکم اللہ عزوجل فرض الزکوٰۃ فی کتابہ ثم اکدھا فقال فریضۃ من اللہ ولیس لأحد ان یقسمہا علی غیر ما قسمہ اللہ عزوجل ذالک ما کانت الاصناف موجودۃ"[1]

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں فریضۂ زکوٰۃ اور اس کے مصارف کا حکم بیان فرمایا اور پھر اسے "فریضۃ من اللہ" کہہ کر موکد فرمایا۔ پس جب تک یہ اصنافِ زکوٰۃ موجود ہوں گی کسی بھی بندے کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے مصارف کے علاوہ کسی اور دیگر مصارف پر زکوٰۃ تقسیم کرے۔

فقہ ظاہری کے معروف فقیہ ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب "المحلیٰ" میں صحیح سند سے امام المفسرین حضرت ابن عباسؓ سے مصارف زکوٰۃ کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے:

"ضعوھا مواضعہا"[2] ——— زکوٰۃ وصدقات واجبہ کو ان کے مصارف پر خرچ کرو۔

---

[1] کتاب الام ۲/۶۰

[2] المحلیٰ ۶/۱۴۵

جو اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچانے والی ہو۔ اس پر فی سبیل اللہ کا لغوی اطلاق ہوتا ہے، جیسا کہ مولانا محمد صدیق حسن خاں اور دیگر محققین نے صراحت کی ہے۔ مگر جب کتاب و سنت اور شریعت اسلامی کی اصطلاح میں فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا ایک خاص مفہوم و مصداق ہوتا ہے اور وہ غزوہ وجہاد ہے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف جمہور علمائے امت کے اس دعویٰ سے اتفاق رکھتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب و سنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوا کرتا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن جوزی کے حوالے سے لکھا ہے:

"اذا اطلق ذکر سبیل اللہ فالمراد بہ الجہاد"[1]

یعنی جب فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔

خود حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

"المتبادر عند الاطلاق لفظ فی سبیل اللہ الجہاد"[2]

معروف شافعی عالم دین امام نووی نے "المجموع شرح المہذب" میں وضاحت کی ہے:

"مذهب [illegible] ان سبیل اللہ هو الغزو واکثر ما جاء فی القرآن العزیز کذلک"

صاحب لباب التاویل فی معانی التنزیل نے لکھا ہے:

"انفاق مصالح دینیہ میں مال خرچ کرنے کا نام ہے جیسے حج، عمرہ، صلہ رحمی، صدقہ، جہاد فقیروں کی امداد، اپنے نفس اور اہل و عیال پر خرچ کرنا، اس لیے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و قربت میں داخل ہیں، لیکن جب فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے صرف جہاد و غزوہ ہی مراد ہوتا ہے"[3]

---

[1] فتح الباری ۶/۲۹

[2] حوالہ بالا

[3] لباب التاویل فی معانی التنزیل ۱/۲۴۳

(۳) سلف صالحین کی تفسیری روایات کو نظر انداز کرنا

قرآن کریم کی آیات کی وہی تفسیر شرعاً معتبر ہے جو خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، یا آپ کے صحابہ اور ائمہ سلف سے منقول ہو۔ یہ حضرات کتاب اللہ کے معانی، اس کی تفسیر، منشا خداوندی کو بعد کے آنے والے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے، ان کے علم میں گیرائی اور رسوخ تھا، وہ زہد و ورع کے پیکر اور خوف خدا سے ان کے قلوب معمور تھے۔ اس لیے سلف صالحین اور قرون اولیٰ کی تشریحات اور تفسیری روایات کو نظر انداز کر کے کوئی دوسرا قول اختیار کرنا بڑی جسارت کی بات ہے ——— اگر اس کی اجازت دے دی جائے کہ ہر آدمی کتاب اللہ کی تفسیر جو چاہے کرے، اگر سلف اور حضرات صحابہ کی تفسیری روایات کو نظر انداز کر کے قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کرے تو قرآن بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ ہر آدمی من مانی تفسیر کر کے گمراہی کا سامان فراہم کرے گا۔

اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم کو رسول اکرم اور ائمہ سلف کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں سمجھا جائے۔

(۴)۔ الف فی سبیل اللہ کے بارے میں جمہور امت کا فیصلہ

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے بارے میں جمہور علمائے امت اور سلف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا مصداق غزوہ و جہاد ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک بھی دلائل و براہین کی روشنی میں جمہور امت ہی کا قول راجح اور روح شریعت سے قریب ہے۔ ائمہ اربعہ جن کی تقلید پر سواد اعظم کا اجماع و اتفاق ہے ان حضرات کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی ہے، جیسا کہ مالکی فقیہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں اس کی صراحت کی ہے[1] ان حضرات کے دلائل و مستدلات کی تفصیل تمہیدی سطور کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

(ب) فی سبیل اللہ کے مصداق کے لیے فقر کی قید

فقہ حنفی کی تفصیلات کے مطابق چاہیے

[1] بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۳

فی سبیل اللہ کے مصداق جو لوگ بھی ہوں، بہرحال مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے ان کا فقیر و محتاج ہونا ضروری ہے چنانچہ اس سے قبل تمہیدی سطور کے ذیل میں شمس العلماء علامہ کاسانی کی تصریح گزر چکی کہ انھوں نے فقر و احتیاج کی قید کے ساتھ تمام ہی مصارف خیر کو مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہے۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب فتح القدیر میں ہے:

"انما یعطی الاصناف کلہم سوی العامل بشرط الفقر"[1]

اور علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

"ولا یخفی ان قید الفقر لابد منہ علی الوجوہ کلہا"[2]

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا بھی اس طرف رجحان و میلان ہے کہ "فی سبیل اللہ کے مصداق کے لیے فقر و افلاس کی قید ضروری ہے اور یہ فقر و افلاس اگر مدارس اسلامیہ کے اندر دینی خدمات پر مامور معلمین، اکیڈمی اور تحقیقی اداروں سے منسلک ریسرچ و تحقیق اور دیگر دینی خدمات انجام دینے والے افراد میں پایا جائے گا تو ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینی جائز ہوگی۔ مگر واضح رہے کہ محض دینی کاموں اور مصارف خیر میں مشغولیت کی بنا پر کسی بھی فرد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔

(۵) مصارف زکوٰۃ منصوص ہیں

میرے نزدیک مصارف زکوٰۃ منصوص اور قطعی ہیں اور قرآن کریم میں جن آٹھ مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے ان کے علاوہ قیاس کے ذریعہ دوسری قسموں کو مصارف زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور جب تک دنیا میں یہ مصارف یا ان میں کا کوئی ایک فرد پایا جائے گا، انھیں پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا صرف کرنا واجب ہوگا۔ کیوں کہ مصارف زکوٰۃ منصوص ہیں اور قیاس کا محل غیر منصوص اشیاء ہیں، قیاس صرف انھیں چیزوں میں کیا جا سکتا ہے جو شرعاً منصوص نہ ہوں۔

چنانچہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ کا ارشاد ہے:

"ولیس لأحد ان یقسمہا علی غیر ما قسمہ اللہ عز وجل ذلک ما کانت

---

[1] فتح القدیر ۲/۲۲ [2] البحر الرائق ۲/۲۶۰

الأصناف موجودة [1]

(۶) دینی کاموں میں مشغول افراد کو زکوٰۃ کی رقم دینا

دورِ حاضر میں بعض معاصر علماء کی طرف سے یہ نظریہ بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے کہ قرآن مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ کو عام کر کے ان تمام افراد کو اس میں شامل کر کے مستحق زکوٰۃ قرار دیا جائے جو کسی بھی دینی کام میں مشغول ہوں، اس سلسلے میں ان کے پاس بعض دلائل بھی ہیں ـــــــ مگر کتاب و سنت اور اکابر امت کی تصریحات کی روشنی میں راقم الحروف کا ذاتی خیال یہ ہے:

مختلف دینی اور دعوتی کاموں میں مشغول افراد کو کام اور عمل کے معاوضہ اور اجرت کے طور پر تو زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لیے لینا شرعاً جائز نہیں ہے، یعنی دینی کاموں میں مشغول ہونے کی بنیاد پر وہ حضرات مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ میں داخل ہو کر مستحق زکوٰۃ قرار نہیں دیے جا سکتے۔

جواز کی صورت

البتہ جواز کی صورت یہ ہے کہ اگر اس طرح کے دینی اور دعوتی کام کرنے والے افراد فقیر و محتاج ہوں اور ملنے والی تنخواہ سے ان کی اور ان کے اہل و عیال کی کفالت و پرورش نہ ہو پاتی ہو تو انہیں فقر و احتیاج کی بنیاد پر زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

مساجد کے ائمہ و مؤذنین، مدارس کے معلمین اور دینی اداروں اور اکیڈمیوں میں دینی خدمات پر مامور افراد اور قلمی جہاد کو اپنا مقصدِ حیات بنانے والے افراد، سب کو فقر و احتیاج کی علت کی بنا پر زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، مگر اسے ان کی تنخواہ میں محسوب کرنا جائز نہیں ہوگا۔

معاصر علماء کے نظریہ توسیع و تعمیم کو بنیاد بنا کر محض دینی کاموں میں اشتغال و انہماک کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ کی رقم دینی جائز نہیں ہوگی۔

---

[1] کتاب الام ۲/۶۰

بدائع میں ہے:

"فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجاً"

(۷) نظریۂ توسیع وتعمیم مزاج شریعت سے موافقت نہیں رکھتا ہے

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں نظریۂ توسیع وتعمیم، مزاج شریعت سے بالکل ہی مطابقت نہیں رکھتا ہے نظریۂ توسیع کی صورت میں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ شریعت نے جن مصالح اور اغراض ومقاصد کے پیش نظر نظام زکوٰۃ کو قائم کیا ہے وہ کہیں درہم برہم ہوکر نہ رہ جائے۔

زکوٰۃ کا مصرف
فی سبیل اللہ

از ——— شمس پیرزادہ، بمبئی

سورۂ توبہ آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں:

"إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل"

زکوٰۃ کے مستحق تو فقراء ہیں، مساکین ہیں، وہ لوگ ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور وہ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو نیز اس لیے ہیں کہ وہ گردنوں کے چھڑانے میں اور قرضداروں کا بوجھ ہلکا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں خرچ کیے جائیں۔

ان میں ساتویں مصرف کا ذکر "فی سبیل اللہ" کے عنوان سے ہوا ہے جو نہایت اہم ہے۔ اس میں کیا چیزیں شامل ہیں، اس کی تعیین کرنے میں علماء و فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے اور موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ اس پر از سر نو غور کیا جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا مفہوم متعین کریں کہ یہی اصل مرجع ہے۔

فی سبیل اللہ کے لغوی معنی

فی سبیل اللہ کے لغوی معنی ہیں "اللہ کی راہ میں" جس کی تشریح اہل لغت

نے اس طرح کی ہے :

" وکل ما امر اللہ بہ من الخیر فھو من سبیل اللہ ای من الطرق الی اللہ [1] "

اور خیر کے تمام کام جن کا حکم اللہ نے دیا ہے وہ سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل ہیں، یعنی وہ طریقے ہیں جو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

اور ابن اثیر فرماتے ہیں :

" السبیل فی الاصل الطریق .... و سبیل اللہ عام یقع علی کل عمل خالص سلک بہ طریق التقرب الی اللہ تعالیٰ ...... [2] "

سبیل اصل میں راہ کو کہتے ہیں اور سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جس کا اطلاق ہر اس عمل خالص پر ہوتا ہے جس سے تقرب الٰہی مقصود ہو۔

واضح ہوا کہ لغوی معنی کے لحاظ سے فی سبیل اللہ میں بڑی وسعت ہے۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم قرآن میں

فی سبیل اللہ کی ترکیب قرآن میں عام معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے اور خاص معنیٰ میں بھی۔

عام معنیٰ کی مثال جس میں ہر قسم کا کارِ خیر شامل ہے درج ذیل ہے :

" مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل [3] "

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگ آئیں۔

ظاہر ہے یہاں فی سبیل اللہ کو کسی محدود معنیٰ میں نہیں لیا جا سکتا ورنہ اس کی جو جزا یہاں بیان ہوئی

---

[1] لسان العرب ۱۱/۳۴۲ [2] النہایۃ ۲/۳۳۸

[3] بقرہ، آیت ۲۶۱

ہے اس کا تعلق بھی انفاق کی کسی مخصوص صورت ہی سے ہو کر رہ جائے گا۔ رہے اس کے خاص معنی تو وہ ہیں جہاد دین کی حفاظت، اس کی حمایت و نصرت، اعلائے کلمۃ اللہ و غلبۂ دین کی جد و جہد اور دین کی خدمت میں مصروف ہو کر رہ جانا۔ مثالیں ملاحظہ ہوں!

۱ ـــــــ بمعنی جہاد عسکری:

"فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ"[1]

جو مصیبتیں انھیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں ان کی وجہ سے وہ پست ہمت نہیں ہوئے۔

سیاق کلام دلیل ہے کہ اس آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد عسکری جہاد ہے۔

"ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض"[2]

تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے۔

اور حدیث میں آتا ہے:

"لغدوۃ فی سبیل اللہ او روحۃ خیر من الدنیا وما فیھا"[3]

اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اس حدیث میں بھی فی سبیل اللہ سے مراد عسکری جہاد ہے۔

۲ ـــــــ بمعنی دین کی حفاظت اور اس کی حمایت و نصرت:

"قالوا وما لنا الا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا"[4]

ہم اللہ کی راہ میں کیسے نہیں لڑیں گے جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور اپنی اولاد سے جدا کر دیا گیا ہے۔

یہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے مراد اپنے دین اور جان و مال کے تحفظ کے لیے لڑنا ہے۔

"ومن یھاجر فی سبیل اللہ ......"[5] (اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا ...... [illegible])

---

[1] آل عمران: ۱۴۶ [2] توبہ: ۳۸ [3] بخاری کتاب الجہاد [4] بقرہ: ۲۴۶ [5] نساء: ۱۰۰

اللہ کی راہ میں ہجرت سے مراد دین کی حفاظت اور اس کی حمایت و نصرت کے لیے ہجرت کرنا ہے۔

۳ــــــ بمعنی اعلائے کلمۃ اللہ۔

"الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت"[1]

اہل ایمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر طاغوت کی راہ میں؛

اس آیت میں فی سبیل اللہ کی ترکیب 'فی سبیل الطاغوت' کے مقابل استعمال ہوئی ہے اور مراد دین طاغوت کے مقابلہ میں دین حق کی حفاظت اور اس کے غلبہ و اقتدار کے لیے لڑنا ہے۔

اور حدیث نبوی ہے؛

"من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا فہو فی سبیل اللہ"[2]

اللہ کی راہ میں قتال اسی شخص کا ہے جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے لڑے۔

۴ــــــ بمعنی دین کی خدمت میں مصروف ہو کر رہ جانا؛

"للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض"[3]

مدد کے اصل مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔

اس آیت میں "اللہ کی راہ میں گھر گئے" سے مراد تعلیم و تعلم اور تبلیغی و دعوتی جد و جہد جیسے دین و ملت کے مصالح کے لیے فارغ ہو جانا ہے۔

مصرف فی سبیل اللہ کے مفہوم کا تعین

اوپر فی سبیل اللہ کے عام اور خاص دو معنی بیان کیے گئے اور خاص معنی کی مختلف صورتیں بھی بیان کی گئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "سورۂ توبہ کی انما الصدقات ...... والی آیت (۶۰) میں فی سبیل اللہ کی ترکیب

---

[1] نساء: ۷۶ [2] بخاری کتاب الجہاد [3] بقرہ: ۲۷۳

عام معنیٰ میں استعمال ہوئی ہے یا خاص معنیٰ میں؟ تو جہاں تک عام معنیٰ کا تعلق ہے وہ یہاں مراد نہیں لیے جا سکتے کیوں کہ اس کی وسعت میں آٹھوں مصارف شامل ہو جاتے ہیں پھر ان کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی نیز انما (صرف) حصر (محدودیت) کے معنیٰ دے رہا ہے اس لیے اس کو خاص معنیٰ ہی پر محمول کرنا ہوگا۔ مگر خاص معنیٰ کو جنگ اور عسکری جہاد تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ قرآن و حدیث میں جس خاص معنیٰ میں فی سبیل اللہ کی ترکیب استعمال ہوئی ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکیں اس لیے اس مصرف کو اسی وسیع مفہوم میں لینا ہوگا یعنی عسکری و علمی جہاد، دین کی حفاظت اور اس کی حمایت و نصرت، اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کے غلبہ و اقتدار کی جدوجہد، تعلیم و تعلم، دعوتی و تبلیغی جدوجہد، دین کی نشر و اشاعت کے کام اور دینی و ملی مصالح کے کاموں کے لیے فارغ ہو جانا اور اس قسم کے دوسرے مقاصد کے معنیٰ میں۔

بخاری کی حدیث ہے کہ ایک شخص کو خیبر میں یہودیوں نے قتل کر دیا تھا لیکن اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل سکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون رائیگاں جانے نہیں دیا بلکہ:

" فوداه مائة من ابل الصدقة "[1]

صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک سو اونٹ خوں بہا کے طور پر عطا کیے۔

اور جب خوں بہا صدقات سے ادا کرنا جائز ہے تو ان ملی مصالح پر خرچ کرنا کیسے جائز نہ ہوگا جو اس سے زیادہ اہم ہیں۔ صاحب فتح الباری لکھتے ہیں:

" نحکی القاضی عیاض عن بعض العلماء جواز صرف الزکاۃ فی المصالح العامة واستدل بهذا الحدیث وغیره "[2]

قاضی عیاض نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مصالح عامہ میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز ہے اور اس حدیث سے نیز دوسری حدیثوں سے اس پر استدلال کیا ہے۔

غازی کی حد تک محدود نہیں فقہاء اور علماء کی آراء

عام طور سے متقدمین نے فی سبیل اللہ سے غازی یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والے مراد لیے ہیں اور

---

[1] بخاری کتاب الدیات [2] فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۹۶

اس کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس میں غنی پر صدقہ کے جواز کی چند صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک غازی ہے۔

"لاتحل الصدقة لغنى الا لخمسة .... لغاز فى سبيل الله"[1]

صدقہ غنی کے لیے جائز نہیں ہے سوائے پانچ صورتوں کے، ... ایک یہ کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہو۔

اس حدیث سے غازی پر غنی ہونے کی صورت میں بھی جنگی مقاصد کے لیے خرچ کرنے کا جواز تو ثابت ہوتا ہے لیکن اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ فی سبیل اللہ سے مراد صرف غازی پر خرچ کرنا ہے۔ رہی متقدمین کی رائے تو سب نے اس مصرف کو غازی تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ بعض متقدمین نے ایسے شخص کو جس کا حج منقطع ہوگیا ہو اس کا مستحق سمجھا ہے۔ اسی طرح طالب علم پر بھی اس مد کے تحت خرچ کرنا جائز قرار دیا ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ فی سبیل اللہ سے گو جہاد مراد ہوتا ہے لیکن اس کے معنی لازماً جہاد کے نہیں ہوتے ورنہ "جاهدوا فى سبيل الله" (بقرہ: ۲۱۸) کے معنی ہوں گے مجنوں نے جہاد میں جہاد کیا، اور "قاتلوا فى سبيل الله" (بقرہ: ۱۹۰) کے معنی ہوں گے جہاد میں قتال کرو۔

فقہاء کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

"وقال محمد هم فقراء الحاج المنقطع بهم لما روى ان رجلا جعل بعيرا له فى سبيل الله فامر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يحمل عليه الحاج"[2]

امام محمدؒ کہتے ہیں فی سبیل اللہ سے مراد محتاج حاجی ہیں جن کا سفر منقطع ہوگیا ہو۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی راہ میں دے دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حاجی کو سوار کرانے اجازت دی۔

علامہ جصاص لکھتے ہیں:

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ۔

[2] المبسوط للسرخسی ۱۰/۳

"وان اعطى حاجا منقطعا به اجزأ ايضا"[1]

اور اگر کسی ایسے حاجی کو (صدقہ) دیا جس کا سفر منقطع ہوگیا تھا تو اس صورت میں بھی ادا ہو جائے گا۔

شامی میں ہے:

"وقيل الحاج اى منقطع الحاج .... وقيل طلبة العلم .... وقد قال فى البدائع فى سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا"[2]

اور ایک قول یہ ہے کہ مراد حاجی ہے یعنی وہ حاجی جس کا سفر منقطع ہوگیا ہو..........
اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد طالب علم ہیں........ اور بدائع میں (مؤلف) نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد تقرب کے تمام کام ہیں، لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی طاعت اور بھلائیوں کی راہ میں کوشاں ہو بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔"

معلوم ہوتا ہے اس وقت کے حالات میں شدید ضرورت عسکری جہاد پر صرف کرنے کی رہی ہوگی اور علمی جہاد اور دعوتی جد و جہد وغیرہ پر صرف کرنے کے لیے دوسرے وسائل رہے ہوں گے اور پھر اس زمانہ میں نشر و اشاعت کے ذرائع نہایت محدود تھے اس لیے دین کی دعوت و تبلیغ اور دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت وغیرہ کی جو ضرورتیں آج ابھر کر سامنے آرہی ہیں وہ اس زمانہ میں نہیں تھیں اس لیے فی سبیل اللہ کا دائرہ متعین کرنے میں وسعت نہیں اختیار کی جا سکی، مگر بعد میں جب ضرورتیں ابھر کر سامنے آنے لگیں تو علماء نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیا اور توسیع کی راہ اختیار کی۔ اس سلسلہ کی آراء ملاحظہ ہوں:

امام صنعانی لکھتے ہیں:

"ويلحق به من كان قائما بمصلحة عامة من مصالح المسلمين للقضاء والافتاء والتدريس وان كان غنيا وادخل ابوعبيد من كان فى مصلحة عامة فى العاملين واشار اليه البخارى حيث قال باب

---

[1] احکام القرآن للجصاص ۳/۱۵۲ [2] رد المحتار ۲/۹۶

رزق الحاکم والعاملین علیہا واراد بالرزق ما یرزقہ الامام من بیت المال لمن یقوم بمصالح المسلمین کالقضاء والفتیا والتدریس فلہ الاخذ من الزکاۃ فیما یقوم بہ مدۃ القیام بالمصلحۃ وان کان غنیا[1]

اور غازی کے ساتھ اس شخص کو بھی ملحق سمجھا جا سکتا ہے جو مصالح مسلمین میں سے مصلحت عامہ کا کوئی کام انجام دے رہا ہو مثلاً قضا، افتا، تدریس اگرچہ وہ غنی ہو۔ اور ابو عبید نے ایسے شخص کو جو مصلحت عامہ کے کام میں مشغول ہو عاملین میں داخل کیا ہے اور بخاری نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ انھوں نے باب باندھا ہے "حاکم اور عاملین صدقات کا رزق" اور رزق سے ان کی مراد وہ رزق (کفاف) ہے جو امام بیت المال سے اس شخص کو دیتا ہے جو مصالح مسلمین کے کاموں میں مشغول ہو جیسے قضا (عدالت) افتا، تدریس (تعلیم) ایسا شخص اس مدت کے لیے جس میں وہ اس قسم کے کام میں مشغول رہتا ہے زکوٰۃ میں سے لے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی ہو۔

شیخ محمود شلتوت لکھتے ہیں:

"اما الجہۃ الاخری العامۃ المذکورۃ بقولہ وفی سبیل اللّٰہ فہی تشتمل سائر المصالح التی ہی اساس الدین والدولۃ واولہا واحقہا الاستعداد الحربی بجمیع لوازمہ حق المستشفیات العسکریۃ ومد الخطوط الحدیدیۃ، والقناطر وما الی ذلک مما یعرفہ رجال الحرب والمیدان۔

ویدخل فی ہذہ الجہۃ الاعداد لدعاۃ اسلامیین اعدادا یظہرون بہ جمال الاسلام وسماحتہ ویدفعون بشبہ الاعداء الی صدورہم کما یدخل فیہ العمل علی تحفیظ القرآن فی

---

[1] سبل السلام ۲/۱۳۶

الدعاة الى الاسلام وارسالهم الى بلاد الكفار من قبل جمعيات منظمة تمدهم بالمال الكافي كما يفعله الكفار في نشر دينهم۔

ويدخل فيه النفقة على المدارس للعلوم الشرعية وغيرها مما تقوم به المصلحة العامة۔

وفي هذه الحالة يعطى منها معلمو هذه المدارس ما داموا يؤدون وظائفهم المشروعة التي ينقطعون بها عن كسب آخر ولا يعطى عالم غني لاجل علمه وان كان يفيد الناس به[1]

فی سبیل اللہ کا مصرف تمام شرعی مصالح عامہ کو شامل ہے جو دین اور حکومت کے معاملہ کا دارومدار ہے۔

اور اول و مقدم جنگ کے لیے تیاری ہے جس کے لیے ہتھیار، فوج کے لیے خوراک اور آلات حمل و نقل خریدنا اور جنگ کرنے والوں کو سامان جنگ سے لیس کرنا ہے۔

اور موجودہ زمانہ میں فی سبیل اللہ کا اہم ترین مصرف یہ ہے کہ اسلام کے لیے داعی تیار کیے جائیں اور انہیں کفار کے ممالک میں منظم جمعیتوں کی طرف سے بھیجا جائے اور وہ وافر مال سے ان کی مدد کریں جس طرح کہ کفار اپنے دین کو پھیلانے کے لیے کرتے ہیں اور اس میں علوم شرعیہ وغیرہ کے مدارس پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو مفاد عامہ کے کام ہیں۔

اور اس حالت میں ان مدارس کے معلمین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا جب تک کہ وہ اپنے مقررہ فرائض انجام دیتے ہیں اور اس بنا پر دوسرا ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے۔ البتہ مالدار عالم کو اس کے علم کی وجہ سے نہیں دیا جائے گا اگرچہ وہ اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہو۔

علامہ سید سلیمان ندوی کے نزدیک تو فی سبیل اللہ کا مصرف کافی وسیع ہے لکھتے ہیں:

"وفی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں) ایک وسیع مفہوم ہے جو ہر قسم کے نیک کاموں کو شامل ہے اور حسب ضرورت بھی اس مذہبی لڑائی یا سفر حج یا دوسرے نیک کام مراد لیے جا سکتے ہیں۔"

---

[1] فقه السنة ۳۹۶/۱

پھر اس پر درج ذیل نوٹ کا اضافہ کیا ہے:

"اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا ہے مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی، ابھی آیت گزر چکی للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ، یہاں فی سبیل اللہ سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے۔ اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے، مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے ہو سکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔"[1]

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی مشہور کتاب فقہ الزکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے مصرف پر مبسوط اور محققانہ بحث کی ہے اور نتیجہ بحث یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے لیکن صرف عسکری جہاد مراد نہیں ہے بلکہ علمی، فکری وغیرہ ہر قسم کا جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"فهذه اعتراضات كلها كافية في ترجيح ان المراد من سبيل الله في آية المصارف هو الجهاد كما قال الجمهور، وليس المعنى اللغوي الاصلي وقد ايد ذلك حديث لا تحل الصدقة الا لخمسة .... وذكر منهم الغارم والغازي في سبيل الله. ولهذا لا نؤيد التوسع في مدلول سبيل الله بحيث يشمل كل المصالح والقربات — كما نرجح عدم التضييق فيه بحيث لا يقتصر على الجهاد بمعناه العسكري المحض.

ان الجهاد قد يكون بالقلم واللسان كما يكون بالسيف والسنان قد يكون الجهاد فكريا او تربويا او اجتماعيا او اقتصاديا او سياسيا كما يكون عسكريا وكل هذه الانواع من الجهاد تحتاج الى الامداد والتمويل.

---

[1] سیرۃ النبی ۵/۲۴۲

"المہم ان یتحقق الشرط الاساسی لذلک کلہ وھو ان یکون فی سبیل اللّٰہ ای فی نصرۃ الاسلام واعلاء کلمتہ فی الارض فکل جہاد ارید بہ ان تکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا فہو فی سبیل اللّٰہ ایا کان نوع ھذا الجہاد وسلاحہ"[1]

یہ تمام قرائن اس بات کو ترجیح دینے کے لیے کافی ہیں کہ مصارف والی آیت میں سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور اصل لغوی معنی مراد نہیں ہیں، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ کسی غنی کے لیے جائز نہیں مگر پانچ اشخاص کے لیے، ان پانچ اشخاص میں الغازی فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں لڑنے والا) کا بھی ذکر ہے۔

اس لیے میں سبیل اللہ کا مدلول متعین کرنے میں ایسے توسع کا قائل نہیں کہ ہر قسم کے مصالح اور تقرب کے کام اس میں شامل ہو جائیں اور نہ ہی اس کے دائرہ کو اتنا تنگ سمجھتا ہوں کہ وہ صرف عسکری جہاد کے لیے خاص ہو کر رہ جائے۔

جہاد جس طرح تلوار اور نیزہ سے کیا جاتا ہے اسی طرح زبان اور قلم سے بھی کیا جاتا ہے اور جس طرح جہاد عسکری ہوتا ہے اسی طرح جہاد فکری، تربیتی، اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی بھی ہوتا ہے۔ جہاد کی ان تمام قسموں کے لیے مال اور امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ بنیادی شرط پوری ہو اور وہ یہ ہے کہ جہاد اللہ کی راہ میں ہو یعنی اسلام کی نصرت اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کی غرض سے ہو اور ہر وہ جہاد جس کا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو، اللہ کی راہ میں ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ ہو۔

آگے چل کر موصوف فرماتے ہیں:

"ان الجہاد فی الاسلام لا ینحصر فی الغزو الحربی والقتال بالسیف

---

[1] فقہ الزکوٰۃ ۲/۶۴۶، ۶۵۰

فقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم سئل: أي الجهاد أفضل؟ فقال: كلمة حق عند سلطان جائر[1]

اسلام میں جہاد لڑائی جنگ تک محدود نہیں ہے، چنانچہ حدیث صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا جہاد افضل ہے تو آپ نے فرمایا: "حق بات جو کسی ظالم سلطان کے سامنے کہی جائے"۔

٢ — إن ما ذكرناه من ألوان الجهاد والنشاط الإسلامي لو لم يكن داخلاً في معنى الجهاد بالنص لوجب إلحاقه به بالقياس فكلاهما عمل يقصد به نصرة الإسلام والدفاع عنه ومقاومة أعدائه وإعلاء كلمته في الأرض وقد رأينا من يحتج بالعاملين على الزكاة لكل من يعمل في مصلحة عامة للمسلمين۔

جہاد کی جو قسمیں ہم نے بیان کی ہیں وہ اگر منصوص طور پر جہاد کے حکم میں داخل نہ ہوں تو قیاساً ان کو جہاد سے متعلق ماننا پڑے گا کیونکہ دونوں ہی کا مقصد اسلام کی نصرت، اس کا دفاع، اس کے دشمنوں کا مقابلہ اور اللہ کے کلمہ کو اس کی زمین پر بلند کرنا ہے۔ بعض فقہائے اسلام نے عاملین میں ان لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جو مسلمانوں کے عام مفاد سے متعلق کوئی خدمت انجام دیں۔

٣ — وبذلك يكون ما اخترناه في معنى سبيل الله هو رأي الجمهور مع بعض التوسعة في مدلوله[2]

اسی طرح سبیل اللہ کے معنی کے بارے میں ہم نے جو رائے قائم کی ہے وہ درحقیقت اپنے مدلول میں قدرے توسع کے ساتھ جمہور کی رائے ہے۔

إن أهم وأولى ما يعتبر الآن في سبيل الله هو العمل لاستئناف حياة إسلامية صحيحة تطبق فيها أحكام الإسلام كله عقائده ومفاهيمه وشعائره وشرائعه وأخلاقه وتقاليده۔

---

[1] رواه أحمد والنسائي [2] فقه الزكاة ٢/٦٥٠، ٦٥٩

و نعني بالعمل الجاد، العمل الجماعي المنظم الهادف لتحقيق نظام الاسلام واقامة دولة الاسلام واعادة خلافة الاسلام وامة الاسلام وحضارة الاسلام"[1]

البتہ موجودہ حالات میں فی سبیل اللہ سے جو اولین اور اہم ترین چیز مراد لی جائے گی وہ ہے صحیح اسلامی زندگی کے احیا کا وہ پروگرام جو اسلام کے جملہ احکام، عقائد، تصورات، شعائر، شرعی قوانین اور اخلاق و آداب کو روبہ کار لانے کے لیے ہو۔

پروگرام سے ہماری مراد اجتماعی، منظم اور منصوبہ بند پروگرام ہے جو اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کو قائم کرنے نیز خلافتِ اسلامی، ملتِ اسلامیہ اور تہذیبِ اسلامی کی بحالی کے لیے روبہ عمل لایا جائے۔

آخر میں فرماتے ہیں:

"اذا كنا قد اخترنا ان الجهاد الاسلامي لا ينحصر في الجانب المادي العسكري وحده وانه يتسع لانواع اخرى من الجهاد لعمل المسلمين اكثر حاجة اليها اليوم من غيرها فاننا نستطيع ان نضع صورا وامثلة للجهاد الاسلامي المنشود في هذا العصر؛

ہمارے نزدیک جہادِ اسلامی صرف مادی اور فوجی طریقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہے جس میں دوسرے طریقے بھی شامل ہیں، اور شاید مسلمان آج اس کے سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں، لہٰذا ہم اس کی مختلف صورتیں جو اس زمانہ میں مطلوب ہیں پیش کر سکتے ہیں۔

"ونستطيع ان نضرب امثلة شتى لكثير من الاعمال التي تحتاج اليها رسالة الاسلام في هذا العصر وهي جديرة ان تعد بحق جهادا في سبيل الله.

وان انشاء مراكز للدعوة الى الاسلام الصحيح وتبليغ رسالته

---

[1] فقہ الزکاۃ ۲/۶۳۲-۶۶۰

الى غير المسلمين فى كافة القارات فى هذا العالم الذى تتصارع فيه الاديان والمذاهب جهاد فى سبيل الله.

وان انشاء مراكز اسلامية واعية فى داخل بلاد الاسلام نفسها تحتضن الشباب المسلم وتقوم على توجيهه الوجهة الاسلامية وحمايته من الالحاد فى العقيدة.

والانحراف فى الفكر والانحلال فى السلوك وتعده لنصرة الاسلام ومقاومة اعدائه جهاد فى سبيل الله.

وان انشاء صحيفة اسلامية خالصة تقف فى وجه الصحف الهدامة والمضللة لتعلى كلمة الله وتصدع بقولة الحق وترد عن الاسلام اكاذيب المفترين وشبهات المضللين وتعلم هذا الدين لاهله خاليا من الزوائد والشوائب جهاد فى سبيل الله.

وان نشر كتاب اسلامى اصيل يحسن عرض الاسلام او جانب منه ويكشف عن مكنون جواهره ويبرز جمال تعاليمه وتمامة حقائقه كما يفضح اباطيل خصومه وتعميم مثل هذا الكتاب على نطاق واسع جهاد فى سبيل الله.

وان تفريغ رجال اقوياء امناء مخلصين للعمل فى المجالات السابقة بهمة وغيرة وتخطيط لخدمة هذا الدين ومد نفوذه فى الآفاق وروكيد اعدائه المتربصين به وايقاظ ابنائه الغافلين عنه ومقاومة موجات التبشير والالحاد والاباحية جهاد فى سبيل الله.

وان معاونة الدعاة الى الاسلام الحق الذين تتآمر عليهم القوى المعادية للاسلام فى الخارج مستعينة بالطغاة والمرتدين من الداخل فتكيل لهم الضربات وتسلط عليهم الوان العذاب تقتيلا وتعذيبا وتشريدا وتجويعا ان معاونة هؤلاء على

المقاومة والثبات في وجه الكفر والطغيان جهاد في سبيل اللّٰه.

وان الصرف على هذه المجالات المتعددة لهو اولى ما ينبغي ان يدفع فيه المسلم زكاته وفوق زكاته فليس للاسلام ــــ بعد اللّٰه ـــ الا ابناء الاسلام وخاصة في غربة الاسلام[1]

عصر حاضر میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے جن سرگرمیوں کی ضرورت ہے اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا شمار بجا طور پر فی سبیل اللہ میں کیا جاسکتا ہے۔

صحیح اسلام کو پیش کرنے کے لیے دعوتی مراکز قائم کرنا جن کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ادیان و مذاہب کی کشمکش کے درمیان غیر مسلمین تک اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکے یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اسلامی ممالک کے اندر ایسے مراکز قائم کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے جو مسلم نوجوانوں کی صحیح تربیت کریں، اسلام کے اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر کے مطابق ان کی رہنمائی کریں، الحاد، فکری انحراف اور عملی بے راہ روی سے انھیں بچائیں اور انھیں اسلام کی حمایت و نصرت اور اس کے دشمنوں سے نبرد آزمائی کے لیے تیاری کریں۔

اسی طرح خالص اسلامی پریس کا اجرا جو گمراہ صحافت کے درمیان اللہ کا کلمہ بلند کرنے، حق بات کا اظہار کرنے، اسلام پر عائد کیے جانے والے جھوٹے الزامات کی تردید کرنے، شبہات کا ازالہ کرنے اور اسلام کو ہر قسم کی حاشیہ آرائی اور شائبوں سے پاک کرکے صحیح شکل میں پیش کرنے کی خدمت انجام دے، بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسی دینی کتب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت جو بنیادی اہمیت کی حامل ہو اور جو اسلام کو یا اس کے کسی پہلو کو اس خوبی کے ساتھ پیش کرے کہ اس کے پوشیدہ جواہر پاروں سے پردہ اٹھ جائے، اس کی تعلیمات کی خوبیاں نمایاں ہوں اور اس کے حقائق بے نقاب ہوں، جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف ہے۔

---

[1] فقہ الزکوٰۃ ۲/۶۶۴، ۶۶۸، ۶۶۹

پختہ کار، امانت دار اور مخلص افراد کو فارغ کرنا تاکہ وہ دین کی خدمت کریں اس کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلائیں، اس کے دشمنوں کی چالوں کو بے اثر کرکے رکھ دیں، فرزندان اسلام میں بیداری پیدا کریں اور عیسائی مشن الحاد اور اباحیت کے طوفان کا مقابلہ کریں یہ جہاد فی سبیل اللہ کے ہے۔ اور دین حق کے داعیوں کی معاونت کرنا جن پر خارجی اسلام دشمن طاقتیں داخلی عناصر —— مرتد اور سرکش افراد —— کی مدد سے مسلط ہو جاتی ہیں اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیتی رہتی ہیں، ان کی معاونت کرنا تاکہ وہ کفر اور سرکشی کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں سراسر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ کے صرف میں ایسے کاموں کو اولین اہمیت دیں کیونکہ اسلام کے مددگار اللہ کے بعد فرزندان اسلام ہی ہیں اور خاص طور سے ایسے دور میں جب کہ اسلام غربت سے دوچار ہے۔

المجمع الفقہ الاسلامی مکہ کا فیصلہ

علماء کی ان انفرادی رایوں کے علاوہ توسع کی تائید میں علماء کا اجتماعی فیصلہ بھی موجود ہے۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس المجمع الفقہی الاسلامی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۸۵ء میں جو شیخ عبد العزیز بن باز کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، فی سبیل اللہ کے مصرف کے بارے میں حسب ذیل قرارداد منظور کی:

"وبعد تداول الرأي ومناقشة ادلة الفريقين قرر المجلس بالأكثرية ما يلي:

(۱) نظرا الى ان القول الثاني قد قال به طائفة من علماء المسلمين وان له حظا من النظر في بعض الآيات الكريمة مثل قوله تعالى (الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى) ومن الاحاديث الشريفة مثل ما جاء في سنن ابي داؤد ان رجلا جعل ناقة في سبيل الله فارادت امرأته الحج فقال لها النبي صلى الله

عليه وسلم، " اركبها فان الحج في سبيل الله"۔

(۲) ونظرا الى ان القصد من الجهاد بالسلاح هو اعلاء كلمة الله تعالى وان اعلاء كلمة الله تعالى مما يكون ايضا بالدعوة الى الله تعالى ونشر دينه باعداد الدعاة ودعمهم ومساعدتهم على اداء مهمتهم فيكون كلا الامرين جهادا لما روى الامام احمد والنسائى وصححه الحاكم عن انس رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم -

(۳) ونظرا الى ان الاسلام محارب بالغزو الفكرى والعقدى من الملاحدة واليهود والنصارى وسائر اعداء الدين وان لهولاء من يدعمهم الدعم المادى والمعنوى فانه يتعين على المسلمين ان يقابلوهم بمثل السلاح الذى يغزون به الاسلام وبما هو انكى منه

(۴) ونظرا الى ان الحروب فى البلاد اسلامية اصبح لها وزارات خاصة بها ولها بنود مالية فى ميزانية كل دولة بخلاف الجهاد بالدعوة فانه لايوجد له فى ميزانيات غالب الدول مساعدة ولاعون،

لذلك كله المجلس يقرر بالاكثرية المطلقة دخول الدعوة الى الله تعالى وما يعين عليها و يدعم اعمالها فى معنى وفى سبيل الله فى الآية الكريمة۔[1]

ترجمہ:۔ تبادلۂ آراء اور فریقین کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد مجلس نے کثرتِ رائے سے درج ذیل قرارداد منظور کی:

---

[1] قرارات المجمع الفقهي الاسلامي لرابطة العالم الاسلامي، ص ۹۳

(١) اس بات کے پیش نظر دوسرے قول کا قائل علمائے مسلمین کا ایک گروہ ہے اور اس کی تائید بعض آیات کریمہ سے ہوتی ہے مثلاً الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لایتبعون ما انفقوا منا ولا اذی (جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دل آزاری کرتے ہیں۔۔۔۔ سورۂ بقرہ ۲۶۲) نیز بعض احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے مثال کے طور پر ابوداؤد کی یہ روایت کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی اللہ کی راہ میں دے دی اور اس کی بیوی حج کرنا چاہتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس پر سواری کرو کیونکہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

(٢) اور اس بات کے پیش نظر کہ مسلح جہاد سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ جہاں قتال کے ذریعہ بلند ہوتا ہے وہاں دعوۃ الی اللہ اور اشاعت دین کے ذریعہ بھی ہوتا ہے جس کے لیے داعیوں کو تیار کرنے اور ان کی امداد واعانت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرسکیں۔ لہٰذا دونوں ہی باتیں جہاد میں شامل ہیں، چنانچہ امام احمد اور نسائی کی روایت ہے اور اسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم (مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ)۔

(٣) اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اسلام ملحدوں، یہود ونصاریٰ اور تمام دشمنان اسلام کی طرف سے کیے جانے والے فکری اور اعتقادی حملوں کا مقابلہ کرتا ہے اور ان کو ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو ان کی مادی اور معنوی مدد کرتے ہیں اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ویسے ہی ہتھیاروں سے ان کا مقابلہ کریں جن کے ذریعہ وہ اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کاری ضرب لگانے والے اسلحہ سے

(۴) اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ممالک اسلامیہ میں جنگی معاملات کے لیے خاص وزارتیں تشکیل دی جاتی ہیں اور اس کے لیے ہر حکومت کے بجٹ میں مالی دفعات ہوتی ہیں بخلاف دعوتی جہاد کے کہ اس کے لیے اکثر ممالک کے بجٹ میں امداد و اعانت کے لیے کوئی رقم تجویز نہیں کی جاتی۔

ان تمام وجوہ سے یہ مجلس مطلق کثرتِ رائے سے طے کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ اور جو چیزیں

اس میں معاون ہوں اور جو کام اس کو تقویت پہنچانے والے ہوں وہ سب آیت کریمہ میں مذکور

'وفی سبیل اللہ' کے معنیٰ میں داخل ہیں۔"

بدلے ہوئے حالات میں علماء کی مذکورہ بالا آراء اور المجمع الفقہی الاسلامی مکہ کے اس فیصلہ کے پیشِ نظر فی سبیل اللہ کا مصداق ان تمام امور کو قرار دیا جاسکتا ہے جو دین کی دعوت، اس کی تدریس، اس کی نشر و اشاعت اور اس کی خدمت کے تعلق سے ملت کو درپیش ہیں۔ اس کے مفہوم کو عسکری جہاد تک محدود رکھنا صحیح نہ ہوگا۔

بعض شبہات کا ازالہ

(۱) جن فقہاء نے سورۂ توبہ کی آیت انما الصدقات للفقراء .... کے لام کو تملیک (مالک بنانے) کے معنیٰ میں لیا ہے اور پھر وہ فی سبیل اللہ کا مصرف بھی غازی کو صدقات کا مالک بنانا قرار دیتے ہیں، ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اول تو لام تملیک ہی کے معنیٰ میں نہیں آتا بلکہ انتفاع اور استحقاق کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جس کی واضح مثال للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ (بقرہ: ۲۷۳) ہے اور سورۂ توبہ کی آیت انما الصدقات .... تو منافقین کے سیاق میں بیان ہوئی ہے جو مال کے حریص تھے اور چاہتے تھے کہ صدقات کا مال ان کو بھی ملے۔ اس سلسلہ میں قرآن نے اس آیت کے ذریعہ واضح کردیا کہ صدقات کے مستحق مصرف یہ آٹھ اصناف ہیں اور وہ ان مصالح پر صرف کرنے کے لیے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ کے مصرف کے لیے تو لام تملیک کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کیوں کہ 'فی' کے ساتھ ہے جو 'مصالح و مفاد میں' کے معنیٰ دے رہا ہے۔

(۲) جو لوگ دین کی دعوت، اس کی تعلیم و تدریس، اس کی نشر و اشاعت اور قضاء و افتاء جیسی خدمات کے لیے فارغ کردیے گئے ہوں ان کو ان کی خدمات کی مناسبت سے صدقات کے مال سے فی سبیل اللہ کے مصرف کے تحت وظیفہ یا مشاہرہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ وہ غنی ہوں کیوں کہ یہ ان کی امداد و اعانت نہیں ہے بلکہ ان کی خدمات کا ایک حد تک معاوضہ ہے اور جب

صدقات کے عاملین پران کے غنی ہونے کے باوجود صدقات کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے تو دین کی اہم ترین خدمات انجام دینے والوں پر فی سبیل اللہ کی مد سے خرچ کرنا کیوں ناجائز ہوگا۔

عاملین کے بارے میں تو حدیث ناطق ہے کہ ان کے غنی ہونے کے باوجود صدقات میں سے ان پر صرف کیا جا سکتا ہے:

"لاتحل الصدقة لغنی الا لخمسة لغاز فی سبیل اللّٰه اوالعامل علیہا ......"[1]

صدقہ غنی کے لیے جائز نہیں بجز پانچ افراد کے ایک وہ جو اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہو دوسرا وہ جو صدقات پر عامل ہو...... "

اور ابو عبید نے عاملین کے بارے میں صراحت کی ہے کہ

"فانما لهم من المال بقدر سعیهم وعمالتهم ولایبخسون منه شیئاً ولایزادون علیه فهذا مافی العاملین"[2]

ان کے لیے ان کی محنت اور ان کے کام کی نوعیت کے اعتبار سے اس مال میں حصہ ہوگا۔ نہ اس سے کم دیا جائے گا اور نہ زیادہ۔ یہ وضاحت عاملین کے بارے میں ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غنی کو صدقات کا مال دے کر زیادہ مال دار بنانا مقصود ہے بلکہ مقصود ضرورت کو پورا کرنا اور افراد کو ان خدمات کے لیے یکسو کر دینا ہے اور یہ بات قابلِ عمل نہیں ہو سکتی کہ جو شخص دوسو درہم کا مالک ہونے کی بنا پر غنی ہو وہ ان خدمات کو بلا معاوضہ انجام دے۔ اس صورت میں وہ زیادہ دنوں تک خدمت انجام نہیں دے سکے گا اور جو لوگ دین کی خدمت کے لیے فارغ ہوں ان کو بالکل تلاش معاش کے لیے چھوڑ دینا دین کا منشاء نہیں ہو سکتا اس لیے اسلام نے دین کی خدمت انجام دینے والوں کے لیے ان کی محنت کے بہ قدر ان کو مشاہرہ وغیرہ ادا کرنے کی گنجائش رکھ کر پیشِ نظر مقاصد کو حاصل کرنے کی قابلِ عمل صورت تجویز کی ہے۔ اب یہ افراد کی اپنی اخلاقی حس پر منحصر ہے کہ وہ کسی معاوضہ کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو بلا معاوضہ یہ خدمات انجام دیں کہ وہ اللہ کے ہاں مزید اجر کے مستحق ہوں گے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکاۃ [2] کتاب الاموال ، ص ۶۰۹

(۳) فی سبیل اللہ کی مد سے جس طرح دین کی خدمت انجام دینے والوں پر خرچ کرنا جائز ہے، اسی طرح ان اداروں پر خرچ کرنا بھی جائز ہے جو دین کی براہ راست خدمت انجام دے رہے ہوں مثلاً اسلامی مراکز، دینی مدارس وغیرہ کی تعمیر اور ان کے انتظامی امور پر خرچ کرنا گویا کہ فی سبیل اللہ میں اشاعتِ دین کے مصالح پر خرچ کرنا شامل ہے۔

خلاصۂ بحث

فی سبیل اللہ کے مفہوم اور مصداق کے بارے میں جو دلائل اوپر پیش کیے گئے اور فقہاء کے جو اقوال اور علماء کی جو آراء نیز المجمع الفقہی الاسلامی مکۃ المکرمۃ کا جو فیصلہ درج کیا گیا ان سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ:

۱۔ سورۂ توبہ کی آیت "انما الصدقات ......" میں وارد فی سبیل اللہ کے الفاظ عام معنی میں استعمال ہوئے ہیں گو یہ خاص معنی عسکری جہاد تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس میں دین کی حفاظت، اس کی حمایت و نصرت، اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوتِ دین کے جدوجہد اور دین کی اہم خدمات میں مشغول ہو کر رہ جانا بھی شامل ہے۔

۲۔ موجودہ زمانہ میں متعدد کام ایسے ہیں جو دین کی دعوت و اشاعت، تعلیم و تدریس، اصلاح و ارشاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد سے تعلق رکھتے ہیں اور جو دین کی براہ راست نصرت اور اس کے استحکام کا اہم ترین ذریعہ ہیں، اور ان کے لیے مالی وسائل کی شدید ضرورت ہوتی ہے مگر عام طور سے مسلمان ان چیزوں کی اہمیت محسوس نہیں کرتے اس لیے اہم ترین کام جن سے دین کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے کافی متاثر ہیں اور مزید نقصان سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں جن باتوں کی گنجائش ہے ان کو اس میں شامل کر دیا جائے۔ خاص طور سے درج ذیل مدتیں فی سبیل اللہ کا صحیح مصداق ہیں اس لیے ان پر زکوٰۃ و صدقات میں سے خرچ کیا جا سکتا ہے جو

الف: ... دعوتی، تبلیغی اور اصلاحی خدمت انجام دینے والی تنظیمیں اور ادارے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ و صدقات کو شرعی حدود میں رہ کر صرف کریں اور بے جا اور نمائشی کاموں پر صرف کرنے سے احتراز کریں۔

ب :۔۔۔۔۔ اسلامی مراکز اور دار المطالعے۔

ج :۔۔۔۔۔ قرآن وحدیث اور ان کے معنی ومفہوم کی اشاعت عمل میں لانے والے ادارے بشرطیکہ وہ وقف ہوں۔ اس طرح علمی اور تحقیقی خدمت انجام دینے والے وہ ادارے بھی جو باطل افکار کے مقابلہ میں اسلامی فکر پیش کرتے ہوں۔

د :۔۔۔۔۔ غیر مسلموں میں تراجم قرآن اور دعوتی لٹریچر کی تو زیع۔

ہ :۔۔۔۔۔ جدید ذہن کو متاثر کرنے والے داعی اور مبلغ تیار کرنا۔

و :۔۔۔۔۔ نو مسلموں کے لیے تعلیمی و تربیتی مراکز قائم کرنا۔

ز :۔۔۔۔۔ دینی اجتماعات کا انعقاد اور اصلاح معاشرہ کے پروگرام۔

ح :۔۔۔۔۔ اسلامی صحافت کو فروغ دینے کی کوشش اور دعوتی واصلاحی رسائل کا اجراء۔

ط :۔۔۔۔۔ دار القضاء اور دار الافتاء کا قیام۔

ی :۔۔۔۔۔ بچوں کی صحیح دینی تعلیم اور تربیت کے لیے مدارس کا قیام اور ان کا انتظام وانصرام۔

ک :۔۔۔۔۔ مساجد کی تعمیر جو دین کی مقدس علامت ہیں اور اس کی شان کو ظاہر کرتی ہیں مگر اس احتیاط کے ساتھ ان پر خرچ کیا جائے کہ اسراف نہ ہو۔

۳۔۔۔۔۔ جن لوگوں کو دین کی ان خدمات کے لیے جن کا ذکر اوپر ہوا فارغ کر دینا پڑے ان کے وظائف یا مشاہرے ان کے کام کی مناسبت سے اسی طرح ادا کیے جاسکتے ہیں جس طرح عاملین کی اجرت قطع نظر اس سے کہ وہ غنی ہیں یا محتاج کیوں کہ یہ ان کے کام کی اجرت نہ ہوگی کہ ان کی امداد واعانت اور ان خدمات کو انجام دینے والے عالم بھی ہو سکتے ہیں اور جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی اور عملی صلاحیت رکھنے والے بھی۔ اس سلسلے میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس طرح عاملین کو ان کے کام کی اجرت براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ طریقہ پر ادا کی جاسکتی ہے یعنی حکومت کا محکمۂ زکوٰۃ ادا کرتا ہے کیوں کہ ان کا مامور ہونا ضروری ہے۔

مبسوط میں ہے:

" والعاملين عليها وهم الذين يستعملهم الامام على جمع الصدقات ويعطيهم مما يجمعون كفايتهم وكفاية اعوانهم۔ (المبسوط للسرخسی ۳/۱۹)

عاملین وہ لوگ ہیں جن کو امام (حکومت) صدقات جمع کرنے کے کام پر مامور کرے اور اس میں سے انھیں اتنا دے جو ان کے لیے اور ان کے متعلقین کے لیے کافی ہو۔

اسی طرح دین کی خدمت انجام دینے والے کارکنوں کو بھی ان کے وظیفے یا مشاہرے متعلقہ ادارے تنظیمیں اور مدارس وغیرہ ہی ادا کر سکتے ہیں کیوں کہ اس صورت میں ان کی حیثیت مامورین کی ہوگی، اگر ہو سکتا ہے کے افراد ان کو اس مال میں سے براہ راست دیں تو اس کی نوعیت امداد و اعانت کی ہوگی۔ اور یہ مناسب بھی نہیں ہے۔ خدمات کی اجرت کے لیے کسی نظام کے تحت ہونا ضروری ہے۔

یہ اور اس قسم کے دوسرے کام جو دین کے احیاء، اس کے فروغ اور اس کے استحکام سے تعلق رکھتے ہیں، فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل ہیں اور موجودہ حالات میں ان پر صرف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

سوالات کے جوابات

فی سبیل اللہ کے مصرف کے سلسلے میں اسلامک فقہ اکیڈمی نے جو سوالات پیش کیے ہیں ان کے جوابات گو مقالے سے واضح ہیں تاہم ذیل میں مختصر جوابات درج کیے جا رہے ہیں:

۱۔ آیت انما الصدقات کا حصر حقیقی ہے، اضافی نہیں، اگرچہ منافقین کے اعتراضات کے پیش نظر یہ حکم بیان ہوا ہے لیکن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

۲۔ اول تو یہ بات درست نہیں کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے۔ آیت مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل اللہ کمثل حبة اس کی تردید کے لیے کافی ہے۔

۳۔ قرون اولیٰ میں اگر فی سبیل اللہ سے غزوہ مراد لیا گیا تھا تو یہ حصر پر دلالت نہیں کرتا، اگر ایسا ہوتا تو حج کو شامل نہ کیا جاتا۔ حج کو شامل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصرف غزوہ تک محدود نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں مزید توسع اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ (الف) فی سبیل اللہ کا مصداق کون لوگ ہیں اس کے جواب کے لیے دیکھیے راقم سطور کے مقالہ کا ذیلی عنوان خلاصہ بحث۔

(ب) یہ بات کو حدیث لا تحل الصدقة إلا لخمسة سے ثابت ہے کہ بعض صورتوں میں صدقات

میں سے فنی کورس دیا جا سکتا ہے اور تدریس کے لیے اس کے جائز ہونے کی صراحت بھی اس میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء نے غازی کے لیے بھی فقر کی قید لگائی ہے، اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر مقصد صرف غازی ہی کے لیے جائز قرار دینا ہو تو وہ فقراء کے دائرے میں شامل ہی تھا، اس کی الگ سے صراحت کی ضرورت نہ ہوتی۔ لہٰذا جو لوگ فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر کی شرط نہیں ہے۔

۵ ـــــ زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف قرآن میں بیان ہوئے ہیں ان پر اضافہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے لیکن دلائل کی بنا پر ان کی تشریح و تعبیر کرنے کا حق ضرور ہے۔ جیسا کہ فقہاء اور علماء کرتے رہے ہیں۔ ورنہ فقراء و مساکین کی تعریف میں فقہاء کے درمیان اختلاف کیوں ہوتا۔

۶ ـــــ میں اس ۔ موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ فی سبیل اللہ کے بارے میں توسیع والے قول کو اختیار کیا جائے۔

۷ ـــــ فی سبیل اللہ کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے اس کا جواب مقالہ میں درج ہے۔

٭

فی سبیل اللہ کی وضاحت

مولانا عبد الرحیم القاسمی ــــــ استاذ جامعہ حسینیہ خیر العلوم بھوپال

لشکر سے بچھڑنے والے غازی اور حجاج کے قافلہ سے بچھڑنے والے حاجی اور علم دین کے طلبہ سبیل اللہ کے مصرف میں احتیاج اور ضرورتمند ہونے کی بنا پر داخل ہیں جب کہ انکو زکوٰۃ تملیکاً دی جائے ــــــ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن جریر ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث سے ہی کرنے کے پابند ہیں۔ ان سب نے لفظ "فی سبیل اللہ" کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لیے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو۔ اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں۔ ان کو "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے۔ لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں۔ بلکہ اسکے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں۔ کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں۔ فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر میں اور فقہاء شافعیہ میں ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور فقہاء مالکیہ میں دردیر نے شرح مختصر خلیل میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے مغنی میں اس کو

پوری تفصیل سے لکھا ہے۔[1]

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

"غرض یہ ہے کہ فی سبیل اللہ میں بے شک بوافق تفسیر صاحب بدائع کے جملہ مصارف خیر داخل ہیں لیکن جو شرط ادائے زکوٰۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے۔"[2]

خلاصہ

۱ـــــ زکوٰۃ کے معنی طہارت وپاکیزگی اور زیادتی وبڑھوتری کے ہیں۔ اسلام کی نظر میں مال کے مقرر ومحدود شرعی حصہ کا مسلمان غیر سید فقیر کو مالک بنا دینا اور اپنی ملکیت سے فارغ کردینا زکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے ملکیت تام شرط ہے، اور قبضہ سے ملکیت کامل ومکمل ہوتی ہے

"فقد ذکر فی البدائع من الشروط الملک المطلق وهو الملک یدا ورقبة"[3]

لہٰذا مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوئی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، اور وہ قیمت جو ادا کی جاچکی خریدار کے تصرف سے نکل کر بائع کے قبضہ میں داخل ہو گئی، اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

"تجب زکوتها اذا تم نصابا وحال علیه الحول لکن لا فورا بل عند قبض اربعین درهما من الدین القوی کقرض وبدل مال تجارة"[4]

۲ـــــ مالک مکان کو دی جانے والی رقم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ پیشگی کرایہ کے نام سے دی گئی ہو اور اس کو ماہانہ کرایہ میں وضع کرانے کا معاہدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ مکاندار کے ذمہ ہوگی، دوسرے یہ کہ زر ضمانت (ڈپوزٹ) کے نام سے مالک مکان کے پاس رقم جمع کی جائے، لیکن عقد اجارہ

---

[1] معارف القرآن ۴/۴۰۹۔ [2] فتاویٰ دارالعلوم ۶/۲۸۳۔

[3] شامی ۲/۲۔ [4] درمختار

فسخ ہونے یا مدت پوری ہونے کے وقت کرایہ دار کو واپس کیے جانے کا معاہدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ کرایہ دار پر واجب ہے۔ رقم واپس ملنے پر کرایہ دار کے ذمہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی لازم ہوگی۔ درمختار میں ہے:

وکذا الودیعة عند غیر معارفه. قال الشامی فلو عند معارفه تجب الزکوٰة۔[1]

۲۔ مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم کا کوئی متعین مالک نہیں ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

کما فی الدر المختار: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی. قال الشامی فلا زکوٰة فی سوائم الوقف ونحوه۔[2]

مدرسہ کے مال میں کسی کو ملک تام بھی حاصل نہیں اس لیے صرف تصرفات کا اختیار ہے اور کامل ملک زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے شرط ہے۔ لہٰذا وجوب زکوٰۃ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

۳۔ رشوت، سود اور حرام طریقہ پر قبضہ میں آنے والے مال کی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ وہ حقیقتاً مالک نہیں اس لیے قابض تو مالک کو واپس کرنے کا پابند ہے۔ اور اصل مالک تک نہ پہنچ سکتا ہو تو بلا نیت ثواب اس کا صدقہ کرنا لازم ہے جب پورے مقبوضہ مال کا صدقہ کرنا لازم ہے تو اس کے بعض کو زکوٰۃ میں دینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

قال الشامی: لو کان الخبیث نصابا لا یلزمه الزکوٰة لان الکل واجب التصدق علیه فلا یفید ایجاب التصدق ببعضه۔[3]

مال حرام کو حلال مال کے ساتھ اس طرح مخلوط کر دینا کہ تمیز مشکل ہو جائے موجب ملک ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

---

[1] رد المحتار ۲/۹، فتاوی دار العلوم ۶/۳۰۔ [2] رد المحتار ۲/۹، فتاوی دار العلوم ۶/۵۱، ۵۴

[3] رد المحتار ۲/۲۵

لان الخلط استہلاك اذا لم يكن تمييزه عند ابی حنيفة رحمه الله

وقوله ارفق[1]

۵ــــ قرض کی تین قسمیں ہیں۔ دین قوی، دین متوسط، دین ضعیف ـــــ اول یہ ہے کہ نقد روپیہ یا سونا چاندی قرض دینے یا تجارتی مال فروخت کرنے کے بعد لینے والے کے ذمہ اسکی قیمت باقی رہے۔ اور ایک سال یا کئی سال کے بعد وصول ہو تو ایسا قرض فقہی اصطلاح میں دین قوی ہے۔ بقدر نصاب باقی رہنے کی صورت میں اس پر پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے۔ اور یہ قرض یکمشت وصول نہ ہو تو مقدار نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہونے پر اس پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہوگی، اور ہر پانچویں حصے کی زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی اسی طرح پورے سال کی زکوٰۃ نکالی جائیگی،

عند قبض اربعين درهما من الدين القوی كقرض وبدل مال تجارة

قال الشامی رجل له ثلاث مائة درهم دين حال عليها ثلاثة احوال فقبض مائتين فعند ابی حنيفة يزكی السنة الاولی خمسة والثانية والثالثة[2] اربعة اربعة من مائة وستين ولاشیئ عليه فی الفضل لانه دون الاربعين[3]

دوسری قسم یہ ہے کہ مال تجارت کے علاوہ خانگی سامان یا استعمالی اشیاء کی قیمت خریدار کے ذمہ باقی ہو تو یہ دین متوسط ہے۔ ایک سال یا متعدد سالوں کے بعد وصول ہونے پر اسکی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی فرض ہوگی۔ اور یکمشت وصول نہ ہو تو جب تک مقدار نصاب کے برابر قرض وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ اور وصولی کے بعد پچھلے سالوں کی زکوٰۃ بھی لازم ہوگی۔ اگرچہ یہ وصول شدہ قرض بقدر نصاب نہ ہو۔ لیکن دیگر مال کے ساتھ مل کر نصاب بن جائے، تو اس کو شامل کرکے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال الشامی قلت لكن قال فی البدائع ان رواية ابن سماعة انه لا زكوٰة فيه حتی يقبض المائتين ويحول الحول من وقت القبض هی الاصح من الروايتين عن ابی حنيفة[4]

---

[1] رد المحتار ۲/۳۵۔ فتاوی دار العلوم ۲/۴۹۔ ۱۸۶۔

[2] رد المحتار ۲/۳۵ [3] شامی ۲/۳۶۔

تیسری قسم یہ ہے کہ نقد روپیہ اور اشیاء کی فروختگی کے علاوہ کسی اور سبب سے دوسرے کے ذمہ قرض ہو جائے، مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر یا بیوی پر شوہر کا بدل خلع یا قاتل پر دیت خون بہا یا ملازم کی تنخواہ تو یہ قرض دین ضعیف ہے۔ وصولی کے بعد مالک کے پاس سال گذرنے پر اسکی زکوٰۃ فرض ہوگی، یہ وصول شدہ مال بقدر نصاب نہ ہو البتہ دیگر مال کے ساتھ شامل کرکے نصاب بن جائے تب بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لیکن حقدار کو وصول ہونے سے پہلے گذرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس پر فرض نہیں۔

وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعده ای بعد القبض من دین ضعیف [۱]

قرض کے اقسام و احکام سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ قدرت کے باوجود مدیون دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو تب بھی مدیون پر زکوٰۃ کو فرض قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ قرض کی وصولی سے سال پورا ہونے پر مستقبل کی زکوٰۃ دائن کے ذمہ فرض ہوگی۔

قال الشامی بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملائته ولا یقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم [۲]۔

غیر مدیون کا زکوٰۃ ادا کرنا سود ہے [۳] پراویڈنٹ فنڈ (پی ایف) مال تجارت کا معاوضہ نہیں، اس لیے دین قوی میں داخل نہیں، خدمت محض کا معاوضہ ہے اس کو دین متوسط قرار دیں یا دین ضعیف، بہر حال اصح روایت کے مطابق اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہے، کما حققه المفتی محمد شفیع رحمه الله [۴]۔ پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی مرضی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس پر ملی ہوئی زائد رقم سود ہے، جیسا کہ فتاوی رحیمیہ میں ہے [۵]۔

---

[۱] درمختار، [۲] رد المحتار ۲/ ۶۲۔

[۳] فتاوی رحیمیہ ۵/ ۱۳۸۔

[۴] امداد الفتاوی ۲/ ۴۹

[۵] فتاوی رحیمیہ ۵/ ۱۳۸۔

نما کی حقیقت اور صورتیں

مال میں زیادتی نما ہے، مویشی سے نسل چلانا یا تجارت سے مال کمانا ظاہری بڑھوتری ہے سونے، چاندی اور قیمتی اشیاء، مشنریز اور مکان جائداد سے آمدنی حاصل کرنا بھی نما کی ہی صورت ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے، کرایہ پر مکان چلانے کے لیے لینا یعنی کرایہ پر دینے کے لیے مکان خریدنا یہ بھی تجارت کے لیے ہی خریدنا ہے۔ پس زکوٰۃ اس کی قیمت پر واجب ہوگی، درمختار میں ہے،

والاصل ان ماعدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیة التجارة شرط عدم المانع المودی الی الثنی وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو کسب المال بعقد شراء او اجارة قوله ماعدا الحجرین الخ قوله ماهیمه ای بیوجوه الخ[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ پر دینے کے لیے خریدنا بھی تجارت کے لیے خریدنا ہے[2]۔
سوال ۳۳۳ کے جواب میں ہے کہ "اس مشین کی قیمت پر زکوٰۃ ہے[3]" فتاویٰ دارالعلوم کی مذکورہ عبارت سے بھی مولانا عمر عثمانی کی تائید ہوتی ہے۔ جنہوں نے کرایہ کے مکانات اور مشنریز پر زکوٰۃ واجب قرار دی ہے۔ لہٰذا علماء کرام کو حالات حاضرہ اور دلائل مندرجہ کی روشنی میں کرایہ کے مکانوں اور مشنریوں کی قیمتوں پر زکوٰۃ عائد کرنے کے متعلق غور و خوض کرنا چاہیے۔

حاجت اصلیہ

خانگی ساز و سامان، رہائشی مکان، تجارتی دکان، زراعتی زمین، استعمالی سواری، ستر پوشی، روزی اور جسمانی ضروریات کا جن چیزوں پر دار و مدار ہے وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں،

سئل محمد عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة

لے شامی [1] فتاویٰ دارالعلوم ۹۱/۶۔ [2] [3] فتاویٰ دارالعلوم ۱۳۳/۶

وان کانت قیمتہا تبلغ الوفا وعلیہ الفتوی۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات زندگی اور حاجت اصلیہ کا تعین حالات کا جائزہ لے کر دور حاضر میں علماء کرام کو ہی کرنا چاہیے۔ علاقہ اور ماحول اور گرانی و ارزانی کے اعتبار سے کفایت مؤنت اور حاجت اصلیہ کا معیار مقرر کیا جائے گا۔

قال الشامی وسئلت عن المرأۃ ھل تصیر غنیۃ بالجھاز الذی تزف بہ الی بیت زوجہا والذی یظہر مما مر ان ما کان من اثاث المنزل و ثیاب البدن واوانی الاستعمال مما لابد لامثالہا منہ فہو من الحاجۃ الاصلیۃ وما زاد علی ذالک من الحلی والاوانی والامتعۃ التی یقصد بہا الزینۃ اذا بلغ نصابا تصیر بہ غنیۃ۔[2]

فی الحال یہ مسئلہ مبتلیٰ بہ کی رائے پر منحصر ہے۔

کون سا دین مانع زکوٰۃ ہے

دین عبد یعنی جس دین کا مطالبہ کرنے والے بندے ہوں تو یہ قرض مانع ہے لہذا اس کو مال سے منہا کر کے باقیماندہ کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

ومدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصاباً۔[3]

طویل الاجل کثیر دین کی جب تک کل قسطیں ادا نہ ہو جائیں گی غنا کا تحقق نہیں ہوگا۔

قال الشامی ولا یتحقق الغنی بالمال المستقرض مالم یقبض۔[4]

کمپنیز پر زکوٰۃ

کمپنی کی مجموعی مالیت خواہ کتنی ہی ہو اس کے مالک شرکاء ہیں۔ لہذا وجوب زکوٰۃ ان میں

---

[1] ردالمحتار ٢/٦٥ [2] ردالمحتار ٢/٦٥۔

[3] ردالمحتار ٢/٧ [4] ردالمحتار ٢/٨۔

ہر فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا۔ جن شرکاء کے حصے بقدر نصاب مالیت کے ہوں گے ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی باقی پر نہیں[1]

وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه

عليه تام بالرفع صفة ملك[2]

ہیرے جواہرات

ہیرے جواہرات کی تجارت کی جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہونا ظاہر ہے۔ دورِ حاضر میں ہیرے جواہرات قیمتی مال ہیں۔ ان کی ذخیرہ اندوزی سے سرمایہ محفوظ رہتا ہے اور قیمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا ہیرے جواہرات جمع کر کے سال بھر رکھنے پر بھی زکوٰۃ فرض ہونا چاہیے۔

سئل الحسن بن علی عمن لها جواهر ولآلی تلبسها فی الاعياد

وتتزين بها للزوج وليست للتجارة هل عليها صدقة الفطر

قال نعم اذا بلغت نصابا[3]

قال الشامی وما زاد علی ذلك من الحلی والاوانی والامتعة التی يقصد

بها الزينة اذا بلغ نصابا تصير به غنية[4]

اس سے معلوم ہوا کہ ہیرے جواہرات کے زیورات اگرچہ تمول کے مقصد سے نہیں صرف زینت کے طور پر ہی استعمال کیے جائیں تب بھی ان پر زکوٰۃ فرض ہونا چاہیے۔

سامان تجارت یا اراضی تجارت کی زکوٰۃ

جو سامان تجارت تاجر کے قبضہ میں ہے اور جن جانوروں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے ان کی زکوٰۃ ادائیگی کے دن کی قیمت کے اعتبار سے نکالی جائے گی۔ تھوک بیوپاری کو زکوٰۃ دیتے وقت

---

[1] امداد الفتاوی ۲/۵۳۔ [2] درمختار حاشیہ شامی ۲/۴۔

[3] رد المحتار ۲/۶۵۔ [4] رد المحتار ۲/۶۵۔

تھوک قیمت کا اعتبار کرنا چاہئے۔ اور پیشگی تجارت والے کو پیشگی مال کی قیمت سے ہی زکوٰۃ دینا چاہیے، تجارتی کاروبار کے لیے خریدی گئی زمینوں کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت مارکیٹ میں جو قیمت ہو وہی معتبر ہوگی۔

وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعا وھو الاصح[1]

شیئرز کی زکوٰۃ

شیئرز کی زکوٰۃ کے وجوب اور عدم وجوب کا معیار کمپنی کا تجارتی ہونا اور نہ ہونا ہے، بذات خود شیئرز کی خرید و فروخت پر وجوب زکوٰۃ کا دارومدار نہیں[2] ۔۔۔۔ شیئرز کی موجودہ مارکیٹ قیمت اور اس سے حاصل شدہ آمدنی دونوں پر زکوٰۃ فرض ہے،

قال الشامی، وفی المحیط یعتبر یوم الادا، بالاجماع وھو الاصح[3]

شیئرز پاس رکھے رہے تب بھی۔ کیونکہ سرمایہ تجارت میں لگا ہوا ہے۔ اس لیے رکھے ہوئے شیئرز کی زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ اور شیئرز کی آمدنی میں سے خرچ منہا کیے بغیر زکوٰۃ ادا کی جائے گی[4]

بونڈ

قرض حاصل کرنے والی حکومت یا کمپنی کی طرف سے دیئے گئے سرٹیفکیٹ کا نام بونڈ ہے۔ لہذا یہ قرض دین قوی ہے، مدت معینہ گذرنے کے بعد بونڈ کیش کرانے پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینی لازم ہوگی[5]

---

[1] درمختار، [2] فتاوی رحیمیہ ۱۱/۳،

[3] ردالمحتار ۳/۲، [4] فتاوی دارالعلوم ۱۵۱/۶-۱۳۵،

[5] فتاوی دارالعلوم ۱۳۶/۶،

نصابِ زکوٰۃ

ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به الی قوله

تقويمه بالأنفع للفقير[1]

عبارت مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ فریضہ کی ادائیگی میں احتیاط کا تقاضا اور انفع للفقیر یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت اور حرمت کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار مقرر کرنا مناسب ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ

غیر مستطیع طلبہ کو نقد یا چیک کی شکل میں مقررہ خرچ دے کر اس کو فیس کے نام سے وصول کیا جائے تو شرعاً زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

مہتمم طلبہ کی طرف سے وکیل ہے۔ اس لیے زکوٰۃ پر مہتمم کا قبضہ ہو جانا ادائیگی زکوٰۃ کیلئے کافی ہے۔ فقیہ امت حضرت مفتی محمود الحسن صاحب دامت فیوضہم فرماتے ہیں: "مہتمم طلبہ کی طرف سے وکیل ہے کہ ارباب اموال سے زکوٰۃ وصول کر کے طلبہ پر صرف کرے۔ اس صورت میں بلاشبہ مختلف ارباب اموال کی زکوٰۃ کو خلط کرنا مہتمم کے لیے درست ہے۔ درمختار کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے اس کے متصل ہی ایک استثناء بھی مذکور ہے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو ارباب اموال کی طرف سے اذن کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

خلط زكوة موكليه ضمن وكان متبرعا الا اذا وكله الفقراء[2]

لانه كلما قبض شيئا ملكوه وصار خالطا مالهم بعضه

ببعض[3]

---

[1] درمختار علی ہامش رد المحتار ۲/۳۱۔

[2] درمختار۔

[3] شامی ۲/۳۴، فتاوی محمودیہ ۸/۲۱۶۔

سفراء کو کمیشن

سفراء، عاملین کے حکم میں نہیں، جیسا کہ امداد الفتاویٰ ص۵۸ جلد دوم میں ہے، لہٰذا تنخواہ یا کمیشن کسی طور پر بھی ان کو زکوٰۃ کی رقم میں سے معاوضہ نہیں دیا جا سکتا، نیز صحت عقد کے لیے عمل اور اجرت دونوں کا متعین ہونا ضروری ہے جبکہ کمیشن کے معاملہ میں دونوں مجہول ہیں، لہٰذا کمیشن پر چندہ کے لیے سفراء کو مقرر کرنا درست نہیں ـــــ فتاویٰ محمودیہ میں ہے ـــ اس طرح معاملہ کرنا کہ جس قدر چندہ لاؤ گے اس میں سے نصف یا ثلث وغیرہ تم کو ملے گا، شرعاً درست نہیں، اس میں اجرت مجہول ہے، نیز اجرت ایسی چیز کو قرار دیا گیا ہے جو عمل اجیر سے حاصل ہونے والی ہے کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسد اجارہ ہیں۔

وتفسد بجهالة المسمٰى كله وبعضه ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه بنصفه واستاجر بغلا ليحمل له طعامه ببعضه[1]

فی سبیل اللہ کی وضاحت

لشکر سے بچھڑنے والے غازی اور حجاج کرام کے قافلے سے بچھڑنے والے حاجی اور طلبہ علم سبیل اللہ کے مصرف میں احتیاج کی شرط کے ساتھ داخل ہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے: غرض یہ کہ فی سبیل اللہ میں بے شک موافق تفسیر صاحب بدائع کے جملہ مصارف خیر داخل ہیں، لیکن جو شرط ادائے زکوٰۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے ـــــ وہ یہ ہے کہ بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے۔[2]

معارف القرآن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

"امام ابن جریر، ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث سے ہی کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لیے مخصوص کیا ہے جن کے پاس

---

[1] فتاویٰ محمودیہ ۵۲۴/۱۔ [2] فتاویٰ دارالعلوم ۲۹۳/۶۔

جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور بعض حضرات فقہاء نے طلب علم یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و محتاج ہوں اور ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے۔ لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور امت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفاہ عام کے ادارے، اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں۔[1]

جوابات ضمیمہ سوالات بابت زکوٰۃ

۱— شیئرز کی زکوٰۃ کے وجوب و عدم وجوب کا معیار کمپنی کا تجارتی ہونا اور نہ ہونا ہے نہ کہ خود شیئرز کا خرید و فروخت، مدار وجوب زکوٰۃ کا دار و مدار نہیں۔[2]

شیئرز کی موجودہ مارکیٹ قیمت اور اس سے حاصل شدہ دونوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔

قال الشامی وفی المحیط یعتبر یوم الاداء بالاجماع وهو الاصح۔[3]

شیئرز پاس رکھے رہیں تب بھی کیونکہ سرمایہ تجارت میں لگا ہوا ہے۔ اس لئے رکھے ہوئے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ شیئرز کی آمدنی میں سے خرچ منہا کرکے بقیہ زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔[4]

۲— کاروباری اداروں کی اسٹاک پر بھی زکوٰۃ واجب الاداء ہے اور نقد پر بھی۔ خرید و فروخت کے جانوروں میں ادائیگی کے وقت کی بازاری قیمت پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور جن جانوروں کے دودھ انڈے فروخت کئے جائیں تو فروخت کی جانے والی چیزوں کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

---

[1] معارف القرآن ۴/۴۰۷۔ [2] فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۳۔

[3] رد المحتار ۲/۳۰۔

[4] فتاویٰ دار العلوم ۶/۲۹ ۔ ۱۵۸۔

۴ــــــ تمسکات اور سرمایہ اندوزی کی صورت میں تولان حول کے وقت سالانہ اخراجات کو منہا کرنے کے بعد ہی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ لیکن فی الحال یہ مبتلی بہ کی رائے پر منحصر ہے کہ وہ اپنی حقیقی ضروریات پر ہونے والے اخراجات کو ہی منہا کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔

قال الشامی اذا امسکہ لینفق منہ کل ما یحتاجہ فحال الحول وقد بقی معہ منہ نصاب فانہ یزکی ذالک الباقی۔[1]

لیکن شخصی عائلی اخراجات کی تحدید وتعیین کے لیے علماء کو معیار مقرر کرنا چاہیے۔

قال الشامی والذی یظہر مما مران ما کان من اثاث المنزل وثیاب البدن واوانی الاستعمال مما لابد لامثالہ منہ فہو من الحاجۃ الاصلیۃ۔[2]

والله اعلم بالصواب

---

[1] ردالمحتار ۲/ ۷

[2] " " ۲/ ۶۵

فی سبیل اللہ

از مولانا محمد رئیس ندوی ——— جامعہ سلفیہ بنارس

زیرِ نظر تحریر میں قرآن مجید کے مقرر کردہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کا مصداق متعین کرنے کی خاطر جن نکات کو طے کرنے اور جن سوالات کو منقح کرنے کی ضرورت کے تحت سوالات قائم کیے گئے ہیں ان میں سے ہر سوال کا جواب نمبروار اپنے علم و صوابدید کیساتھ پیش کر رہے ہیں۔

۱ ——— مصارفِ زکوٰۃ کی تحدید کے لیے قرآن مجید میں وارد شدہ سورۂ توبہ والی ساٹھویں آیت کا پہلا کلمہ "انما" ہمارے نزدیک "حصرِ حقیقی" پر دلالت کرتا ہے۔ "حصرِ اضافی" پر نہیں، کیونکہ لغوی اور شرعی دلائل ہماری نظر میں اسی کے متقاضی ہیں۔ اور عہدِ نبوی سے لیکر آج تک عام اہلِ علم یہی بات مانتے چلے آرہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ "حصرِ اضافی" پر کلمۂ مذکورہ کا دلالت کنندہ ماننے والی بات نہ صرف یہ کہ معتبر دلائل سے خالی ہے بلکہ دلائلِ معتبرہ کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کے فرمانِ مذکور کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرمانِ مذکور یہ بتلانے کے لیے وارد ہوا ہے کہ مذکورہ شدہ آٹھوں مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی ایک مصرف میں بھی وہ منافقین شامل و داخل نہیں کیے جاسکتے جو مالِ زکوٰۃ میں حصہ نہ پانے پر معترض اور خفا تھے۔ اس سے التزامی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے

بیان کردہ آٹھوں مصارف زکوٰۃ میں کسی دوسری چیز کا داخل کیا جانا شرعاً ممنوع ہے۔ محض اس کی بنیاد پر مساکین مذکورین کو مال زکوٰۃ سے کوئی حصہ نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ان آٹھوں مصارف میں سے کسی ایک کے دائرہ میں نہیں آتے تھے۔

۲۔ —— ہم جمہور اہل علم کے اس موقف سے پوری طرح متفق ہیں کہ "فی سبیل اللہ" کا استعمال جب کتاب وسنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد صرف غزوہ وجہاد عسکری ہی ہوتا ہے۔

۳۔ —— ہمارے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف سبیل اللہ کا معنیٰ ومطلب متعین طور پر غزوہ اور جہاد عسکری ہے۔ اس معنی ومطلب کی تعیین نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اور نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں متعین شدہ معنی وموقف سے عدول و اختلاف جائز نہیں۔ اس طرح کے موقف کے خلاف اختیار کیا جانے والا ہر موقف ہمارے نزدیک غیر مقبول ہے۔ اسے اختیار کرنے والے خواہ قرون اولیٰ کے اہل علم ہوں یا بعد کے تعداد میں کم ہوں یا زیادہ۔ ہمارے نزدیک اس طرح کے موقف سے ان اہل علم کا اختلاف غیر شعوری طور پر صادر ہونے والی اجتہادی لغزش پر مبنی ہوتا ہے۔ بنابریں وہ معذور بھی ہیں اور ماجور بھی۔

آیات احکام میں سے کسی آیت کے معنی ومطلب کی تعیین اگر کسی نص سے نہیں ہو پا رہی ہو اور وہ آیات ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتی ہو اور اس کے معنی کی تعیین وتشریح میں خلفائے راشدین میں سے کسی ایک سے یا سب سے کوئی ایسا قول واحد منقول ہو جس سے دوسرے صحابہ نے اختلاف کر رکھا ہو تو خلفائے راشدین کی تشریح وتعیین قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ فرمان نبوی میں صراحت ہے کہ "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین[1]" خلفائے راشدین سے قول واحد منقول ہونے کی بجائے اقوال مختلفہ منقول ہونے کی صورت میں ہے جو بات کتاب وسنت سے قریب محسوس ہوا سے وہ بات مان لینے کا اختیار ہے۔ خلفائے راشدین سے منقول اقوال مختلفہ میں سے سبھی کو بلا دلیل شرعی رد کر دینا اور کسی کو بھی قبول نہ کرنا نامناسب ہے۔ اس طرح کے معاملہ میں بشمول خلفائے راشدین صحابۂ کرام سے منقول اقوال مختلفہ سے ہر ایک قول یا کسی قول اصولاً اہل علم

---

[1] مسند احمد وغیرہ۔

کے مطابق نص کے ہم معنی قرار پانے کا احتمال رکھتا ہو، اس لئے اس طرح کے معاملہ میں صحابۂ کرام منقول اقوال مختلفہ میں سے کسی ایک کو قبول کئے بغیر سبھی سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی دوسرا موقف اختیار کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں، صحابہ کرام سے منقول اقوال مختلفہ کی تعداد خواہ دو ہو یا اس سے زیادہ۔ صحابہ کرام سے منقول اقوال مختلفہ بہرحال نص کے برابر نہیں، اس لیے کسی زمانہ میں مخصوص احوال وظروف کی بناء پر اگر صحابہ سے منقول اس طرح کے اقوال مختلفہ سے خروج کی ضرورت شدیدہ امت کے مخلص اہل علم شریعت کے نصوص عامہ کی روشنی میں محسوس کریں تو اس ضرورت شدیدہ کی بنا پر اس طرح کا خروج ناجائز نہیں،

۴ ــــ الف ــــ اس سوال کا جواب پہلے، دوسرے، تیسرے سوال کے جواب میں آچکا ہے یعنی "سبیل اللہ" کا مصداق غزوہ وجہاد عسکری ہے،

(ب) جو لوگ "فی سبیل اللہ" کا مصداق ہوں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر شرط نہیں۔

۵ ــــ مصارف زکوٰۃ کا ہر مصرف بذات خود منصوص چیز ہے۔ لہذا مصارف زکوٰۃ میں مذکور طریقہ پر قیاس شرعی سے کام لے کر کسی نویں چیز کو نہیں داخل کیا جاسکتا، جن لوگوں نے سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری ماننے کے ساتھ اس پر جہاد قلمی، جہاد فکری وغیرہ کو قیاس کرکے فی سبیل اللہ کے مصداق میں شامل کرنے کی بات کہی ہے ان کی بات ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، نہ عہد نبوی اور نہ عہد صحابہ میں غیر عسکری جہاد کرنے والوں میں سے کسی کو زکوٰۃ کی مد سے کچھ دینے کی مثال ملتی ہے، اور جب جہاد عسکری کے علاوہ غیر عسکری جہاد مصرف سبیل اللہ میں شامل کئے جانے کے لائق نہیں تو غیر عسکری جہاد کے علاوہ کچھ اور قسموں کو بھی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل کرنا بدرجۂ اولیٰ غیر صحیح ہے۔ اس قسم کے امور میں خرچ کرنے کا کوئی ایسا راستہ اہل اسلام کو مل کر نکالنا چاہئے جو زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دوسرا مشروع راستہ ہو،

۶ ــــ ہمارے نزدیک اس کی گنجائش نہیں کہ دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر دائرہ فی سبیل اللہ کو مذکورہ طریق پر وسیع کرنے کے لئے متاخر یا معاصر علماء تعمیم وتوسیع والے قول کو اختیار کرلیا جائے۔

۷ ــــ ہمارے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف سبیل اللہ کا معنی ومطلب متعین طور پر غزوہ وجہاد ہے، جیسا کہ تیسرے سوال کے جواب میں ہم نے عرض کیا، اس لیے غزوہ وجہاد عسکری کے علاوہ کوئی اور

چیز اس مصرف کا مصداق نہیں قرار دی جا سکتی۔ ہماری اس تحریر میں مختصر دلائل کا ذکر آ چکا ہے۔ اور سوال نامہ پر مشتمل اس تحریر کے صفحہ ۱۱-۱۰ میں بھی ہمارے اختیار کردہ موقف کے دلائل کا ذکر موجود ہے۔ ہمارے نزدیک ایسے دلائل سے مدلل موقف سے عدول و اختلاف نامناسب ہے۔ موقف مذکور کے خلاف اس تحریر میں ذکر کردہ باقی چار موقف کی تغلیط کے لیے وہ باتیں اور دلیلیں کافی ہیں جو ہمارے اختیار کردہ موقف کی تائید میں سوال نامہ پر مشتمل تحریر میں مذکور ہے۔

ان چاروں مواقف میں سے تیسرے موقف کی تائید میں جن مرفوع احادیث کا ذکر کیا گیا ہے وہ محتمل المعانی ہونے کے باوصف ان الفاظ کے ساتھ سنداً ساقط الاعتبار ہیں جن پر موقف مذکور کے استدلال کا دارومدار ہے۔ مثلاً "سبیل اللہ" میں حضرت ابو معقل کے وقف و محبوس کیے ہوئے ایک اونٹ کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنی بیوی کو دے دو کہ اس پر سوار ہو کر حج کر آئیں، کیونکہ حج بھی "سبیل اللہ" میں ہے۔[1] یہ معلوم ہے کہ "سبیل اللہ" (غزوہ و جہاد عسکری کے مد میں) آدمی زکوٰۃ کے علاوہ اپنے دوسرے اموال کو بھی وقف کر سکتا ہے، اور عہد نبوی میں اس کا رواج عام بھی تھا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر فی سبیل اللہ کے مد میں حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آدھا مال، اور عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے مال تجارت کا آدھا حصہ دے دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا دیا ہوا مال زکوٰۃ کا مال نہیں تھا۔ اسی طرح یہ بعید نہیں کہ ابو معقل رضی اللہ عنہ نے مال زکوٰۃ کے بجائے کسی اور مد سے اپنا یہ اونٹ سبیل اللہ میں وقف و محبوس کیا ہو کیونکہ سبیل اللہ میں ابو معقل کے وقف کردہ اونٹ کا مال زکوٰۃ سے ہونا منقول نہیں۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ عہد نبوی میں غیر مال زکوٰۃ کو سبیل اللہ کی مد میں وقف و محبوس کرنے کا رواج تھا، اور زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال میں سے سبیل اللہ یا کسی بھی کار خیر کے لیے وقف کردہ چیزوں کو متعدد غیر مستحقین زکوٰۃ میں خرچ کیا جا سکتا ہے، اس لیے یہ مستبعد نہیں کہ جہاد عسکری و غزوہ کے لیے وقف و محبوس کردہ ابو معقل والا اونٹ مال زکوٰۃ نہ رہا ہو، بلکہ ایسا مال رہا ہو جس کا استعمال غیر مستحق زکوٰۃ کے لیے بھی جائز ہو، اور کسی خاص مصلحت کے تحت زکوٰۃ کی مستحق نہ ہونے کے باوجود آپ نے اس اونٹ پر سوار ہو کر

---

[1] تحریر مذکور ۹-۸

ام معقل کو حج کرنے کی اجازت دے کر کہا ہو کہ حج بھی سبیل اللہ میں داخل ہے، حج یا کسی بھی کارِ خیر کا سبیل اللہ میں سے ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ لیکن مصارفِ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف یعنی "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں عسکری جہاد کے علاوہ یا کسی کارِ خیر کا شامل نہ ہونا نصوص سے مستفاد ہے، لہٰذا حدیث مذکور میں وارد شدہ "الحج فی سبیل اللہ" کا مصرف زکوٰۃ والے "فی سبیل اللہ" سے مختلف ہونا متعین ہے، یا پھر یہ بات کسی شرعی مصلحت کی بنا پر ام معقل اور اس طرح کے بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہو یہی حال ابولاس والی مرفوع حدیث کا بھی ہے، اس کے متن الفاظ پر موقف مذکور کے استدلال کا دار ومدار ہے وہ سنداً ثابت نہیں، اور جس اونٹ کو آپؐ نے حج کرنے کے لیے دیا اس کا مال زکوٰۃ ہی سے ہونا منصوص طور پر ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ دونوں مرفوع احادیث موقف مذکور کی تائید میں کوئی معتبر دلیل نہیں۔ یہ معلوم ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ عہدِ خلافت میں جہادِ عسکری و غزوہ کے علاوہ بکثرت ایسے کام کرتے رہنے کو اپنا شیوہ وشعار بنائے ہوئے تھے جنہیں مفہوم عام کے اعتبار سے سبیل اللہ والے کام کہا جاتا ہے۔ مگر منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ لاعلمی میں ایسا دودھ پی لیا جو زکوٰۃ کی اونٹوں میں سے کسی اونٹنی کا تھا، معلوم ہونے پر حضرت عمرؓ نے اس دودھ کو قے کے ذریعہ خارج کر دیا۔ اگر غزوہ و جہادِ عسکری کے علاوہ دوسرے کارِ خیر، سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل ہوتے تو حضرت عمرؓ مذکورہ دودھ کی قے کرنے کی محنت شاقہ برداشت نہ کرتے۔ حضرت زید بن حارث صدائیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دے دیجئے، آپؐ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے مال کی تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود مصارف بیان کر دیے ہیں، وہ مالِ زکوٰۃ کی تقسیم کے معاملہ میں کسی نبی یا غیر نبی کو مجاز بنانے پر راضی نہیں، لہٰذا تم اگر اللہ کے بیان کردہ ان آٹھوں مصارفِ زکات میں سے کسی کے دائرہ میں آتے ہو تو میں تمہیں زکوٰۃ کے مال میں سے دے سکتا ہوں ورنہ نہیں[1]۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے بیان کردہ مصارفِ زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور مصرف میں زکات کا مال نہیں خرچ کیا جا سکتا، اور یہ معلوم ہے کہ منصوص چیز کے بالمقابل صحابہ کے آثار و اقوال و فتاویٰ حجت نہیں۔

---

[1] رواہ ابوداؤد

اسی طرح کے ایک سوال نامہ کے جواب میں جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے تحریر کیا گیا کسی قدر تفصیل پر مشتمل ایک فتویٰ ماہنامہ "محدث" جامعہ سلفیہ بنارس شمارہ ۷ر جلد ۱۰ر عدد مسلسل ۱۱۴، محرم ۱۴۱۳ھ جولائی ۱۹۹۲ء میں از ص ۳۱ تا ص ۴۸ شائع ہوچکا ہے۔ جس میں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر موقف کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لے کر ہمارے اختیار کردہ موقف کے دلائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ تحقیق پسند اہل علم کو اس کا مطالعہ کرلینا مناسب ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فی سبیل اللہ

از ـــــ مولانا رفیق الشان قاسمی، استاذ جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور

تملیک رکن زکوٰۃ ہے

جمہور فقہاء کے نزدیک ادائے زکوٰۃ کے لیے تملیک بنیادی رکن کی حیثیت رکھتی ہے، جب تک زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ کو بطور تملیک دے نہ دی جائے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

شیخ عبدالرحمٰن الجزیری زکوٰۃ کی تعریف یوں نقل کرتے ہیں:

" وشرعاً تملیک مال مخصوص لمستحقه بشرائط مخصوصة "[1]

دکتور وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں:

" واما رکن الزکوٰة فهو اخراج جزء من النصاب بانهاء ید المالک عنه وتملیکه إلى الفقیر وتسلیمه الیه او إلى من هو نائب عنه وهو الإمام او المصدق "[2]

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

" والاحسن ما قاله حافظ الدین النسفی الزکوٰة تملیک المال

---

۱ الفقه على المذاهب الاربعة ۱/۰ ۲ الفقه الاسلامی وادلته ۲/۷۳۰

من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن المالک من کل وجہ للہ تعالیٰ[1]

اداء زکوٰۃ کے لیے تملیک کی شرط محض فقہی موشگافی نہیں بلکہ اس کی ٹھوس اور مضبوط شرعی بنیادیں موجود ہیں، اس سلسلہ میں ملک العلماء کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وامر اللہ تعالیٰ الملاک بایتاء الزکوٰۃ لقولہ عز وجل وآتوا الزکوٰۃ والایتاء ہو التملیک ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکاۃ صدقۃ بقولہ عز وجل انما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک فیصیر المالک مخرجا قدر الزکوٰۃ الی اللہ تعالیٰ بمقتضیٰ التملیک سابقا علیہ ولان الزکاۃ عبادۃ علیٰ اصلنا والعبادۃ اخلاص العمل بکلیتہ للہ تعالیٰ وذلک فیما قلنا ان عند التسلیم الی الفقیر تنقطع نسبۃ قدر الزکاۃ عنہ بالکلیۃ وتصیر خالصۃ للہ تعالیٰ ویکون معنی القربۃ فی الاخراج الی اللہ تعالیٰ بابطال ملکہ عنہ"[2]

اس وجہ سے علماء امت قریباً اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق کو مالک بنائے بغیر رفاہ عامہ میں خرچ کرنا جائز نہیں چاہے اس سے فقراء ہی کے مفادات وابستہ کیوں نہ ہوں۔

"وعلیٰ ہذا یخرج صرف الزکوٰۃ الی وجوہ البر من بناء المساجد والرباطات والسقایات واصلاح القناطر وتکفین الموتیٰ ودفنہم انہ لایجوز لانہ لم یوجد التملیک"[3]

ولا یبنی بہا مسجد لان الرکن فی الزکاۃ التملیک من الفقیر ولم یوجد ولایکفن بہا میت لانعدام التملیک من المیت وہو الرکن وکذا لاتبنی بہا القناطر والسقایات ولایحفر بہا الآبار ولاتصرف فی اصلاح الطرقات وسد الثغور والحج والجہاد ونحو ذلک مما لایملک فیہ[4]

---

[1] البنایۃ ۲/۲۳۲ [2] البدائع ۲/۳۹ [3] حوالہ مذکور [4] البنایۃ مع الہدایہ ۲/۲۳۵

" اتفقوا على انه لايجوز ان يخرج الزكوٰة الى بناء مسجد ولا تكفين ميت وان كان من القرب لتعين الزكوٰة لما عينت له "[1]

ولايجوز صرف الزكوٰة إلى غير من ذكر الله تعالى من بناء المساجد والقناطر والسقايات واصلاح الطرقات وسد البثوق وتكفين الموتى والتوسعة على الاضياف واشباه ذلك من القرب التى لم يذكرها الله تعالى "[2]

فهذه الاصناف الثمانية هى المذكورة فى قوله تعالى (انما الصدقات للفقراء) فلا تجزئ لغيرهم كسور وسقف لغير جهاد فى سبيل الله وشراء كتب علم ودار لتسكن وضيعة لتوقف على الفقراء "[3]

مصالح عامہ کے کاموں میں براہ راست زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا بیشتر بلکہ قریباً تمام علماء و مسلم الموافقہاء کے نزدیک ناجائز ہے لیکن بعض فقہاء کی طرف سے اس کا جواز بھی منسوب کیا گیا ہے۔

" نقل القفال عن بعض الفقهاء انهم اجازوا صرف الصدقات إلى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الحصون وعمارة المساجد "[4]

اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبيل الله إلى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغير ذلك "[5]

وہ بعض فقہاء کون ہیں؟ المغنی میں ابن قدامہؒ نے اس سلسلہ میں انس بن مالکؓ و حسن بصریؒ کے نام لیے ہیں، ان دو کے علاوہ اور کوئی نام اس سلسلہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔

" وقال انس والحسن ما اعطيت فى الجسور والطرق فهى صدقة ماضية "[6]

---

[1] الافصاح عن معانی الصحاح ۱/۲۲۳ بحوالہ الفرقان اگست ۱۹۷۰ء [2] المغنی ۲/۶۶۷ [3] الشرح الصغیر ۱/۶۶۳

[4] تفسیر کبیر ۱۶/۱۱۳ [5] تفسیر خازن ۲/۹۳ [6] المغنی ۲/۶۶۷

اور حقیقت یہ ہے کہ اس قول کا انتساب ان دونوں بزرگوں کی جانب بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"فان قلت روى انس والحسن رضى الله عنهما ما اعطيت من الجسور والطريق صدقة ماضية. قلت هذا وهم عليهما وليس مرادهما عمارة الجسور والطريق بل معناه اعطاء الزكاة لمن يجبى الجسور والطريق من العشار الذين يقيمهم السلطان لاخذهم الزكاة والعشور وان ذلك يسقط الفرض ووجه الوهم انما قالا اعطيت من الجسور والطريق ولم يقولا فى الجسور كذا فى كتاب ابى عبيد وقد اصلحه بعض من تعرفه فضرب على "من" والحق "فى" ليستقيم الكلام على المعنى الذى توهمه ولم يعلم ان الرواية صواب وانما الوهم فى معناها"[1]

مذکورہ اثر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ و کتاب الاموال ابی عبید دونوں میں موجود ہے اور ان دونوں محدثین نے جس طرح اسے نقل کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انس و حسن کے مذکورہ قول کا پلوں اور سڑکوں کی تعمیر سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ پلوں اور سڑکوں پر مامور عشار و محصلین اصحاب اموال سے جو رقم بطور زکوٰۃ وصول کریں وہ زکوٰۃ ہی میں شمار ہوگی اور فرض زکوٰۃ اصحاب اموال سے ساقط ہو جائے گا۔

ابو عبید قاسم بن سلام کے نقل کردہ الفاظ علامہ عینیؒ کی مذکورہ عبارت میں گزر چکے۔

امام ابن ابی شیبہ کے نقل کردہ الفاظ اس سلسلہ میں بہت واضح ہیں۔

عن انس والحسن قالا ما أخذ منك على الجسور والقناطر فتلك زكوٰة قاضية[2]

اس کو ابن ابی شیبہؒ نے باب "من قال يحتسب بما اخذ العاشر" کے تحت ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں مثلاً:

"عن ابراهيم قال احتسب بما اخذ منك العاشرون من زكوٰة مالك

---

[1] البنایہ ۲/۵۴۳ [2] مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۱۹۶

عن الزبرقان قال سئلت ابارزين مايأخذ العشار من التجار قال يحتسب به من زكاته عن ابراهيم والحسن قالا ما اخذ منك العاشر فاحتسب به من الزكاة عن الحسن قال اذا مر على العاشر فاخذ منه احتسب به من زكاته وغيره من الآثار[1]

اس کے بالمقابل دوسرا باب ہے من قال لاتحتسب بذلك من زكاتك اس کے تحت ابوقلابہ، میمون، مجاہد، طاؤس، ابوجعفر اور ابن عمرؓ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

"لاتحتسب بما اخذ منك العاشر"[2]

ان تمام آثار کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ حضرات انس وحسن کی مذکورہ اثر کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو غلطی سے بعض بزرگوں نے سمجھ لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جملہ امور خیر میں علی الاطلاق زکوٰۃ صرف کرنے کا جواز کسی بھی معروف ومسلم امام وفقیہ سے ثابت نہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ادائے زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے البتہ دو معاملات میں بعض فقہاء کرام سے استثنیٰ بھی منقول ہے، زکوٰۃ کے دو مصارف "فی الرقاب وفی سبیل اللہ" میں بعض کے نزدیک تملیک ضروری نہیں۔

"فی الرقاب وهم عند الجمهور المكاتبون المسلمون الذين لايجدون وفاء ما يؤدون لانه لايمكن الدفع إلى الشخص الذي يراد فك رقبته إلا إذا كان مكاتبا ولو اشترى بالسهم عبيد لم يكن الدفع اليهم وانما هو دفع إلى سادتهم ولم يتحقق التمليك المطلوب في اداء الزكاة .... وقال المالكية يشترى بسهمهم رقيق فيعتق"[3]

اسلامی جہاد وعسکری ضروریات میں بھی بلا تملیک مستحق بر اہ زکوٰۃ کا صرف کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۹۶ [2] ایضاً ۲/۱۹۷ [3] الفقہ الاسلامی ۲/۸۷۰

"اتفق جماهیر فقہاء المذاهب علی انہ لایجوز صرف الزکوٰۃ إلی غیر من ذکر اللّٰہ تعالیٰ من بناء المساجد .... واعداد وسائل الجهاد کصناعة السفن الحربية وشراء السلاح .... مما لاتملیک فیہ"[1]

لیکن بعض اہل علم سے حربی ضروریات میں بلا تملیک زکوٰۃ صرف کرنے کا جواز بھی منقول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال بعض اصحابنا لامؤلفة فیجعل سهم المؤلفة وسهم فی سبیل اللّٰہ فی الکراع والسلاح فی ثغر المسلمین حیث یراه الوالی"[2]

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں:

"فهذه الاصناف الثمانية .... فلا تجزئ لغیرهم کسور وسفن لغیر جهاد فی سبیل اللّٰہ"[3]

اس کے ذیل میں علامہ صاوی مالکی لکھتے ہیں:

"قوله "لغیر جهاد فی سبیل اللّٰہ" ای واما له فیجوز کما قال ابن عبد الحکم ینشئ المرکب للغزو ویعطی منها کراء النواتية ویبنی منها حصن علی المسلمین ولم ینقل اللخمی غیره واستظهره فی التوضیح وقال ابن عبد السلام هو الصحیح"[4]

صاحب تفسیرات احمدیہ ملا جیونؒ لکھتے ہیں:

"وقیل" فی سبیل اللّٰہ" ای یصرف فی الجهاد بابتیاع الکراع والسلاح وقیل سد الثغور وبناء الرباطات من هذا القبیل نص به فی البیضاوی والحسینی"[5]

---

[1] الفقہ الاسلامی ۸۶۵/۲

[2] کتاب الام للشافعی ۹/۲، [3] الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۶۶۲/۱

[4] تفسیرات احمدیہ /۳۴۲

استحقاقِ زکوٰۃ کے لیے فقر و احتیاج کی شرط

زکوٰۃ کے اصل مصرف فقرا و مساکین ہیں اور وجہِ استحقاق حقیقۃً صرف فقر و احتیاج ہے جن افراد امت کو اللہ تعالیٰ نے دولت و ثروت سے نوازا ہے اور جو بفضلِ خدا غنی ہیں وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ہیں۔ زکوٰۃ لینے کا انھیں کوئی حق نہیں۔ قرآن و سنت میں اس سلسلہ میں بہت واضح نصوص موجود ہیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

والذین فی اموالھم حق معلوم ۝ للسائل والمحروم[1]

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ویکفر عنکم سیئاتکم واللہ بما تعملون خبیر[2]

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لا یسئلون الناس الحافا وما تنفقوا من خیر یوف الیکم وانتم لا تظلمون[3]

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ[4] الآیۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت جو ہدایات دی تھیں ان کا ایک حصہ یہ ہے:

"اعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم"[5]

حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

---

[1] المعارج: ۲۴-۲۵ [2] البقرہ: ۲۷۱ [3] البقرہ: ۲۷۳ [4] النور: ۲۲

[5] بخاری ۱/۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ، مسلم ۱/۳۶ کتاب الایمان، ابو داؤد ۱/۲۲۶، نسائی ۱/۳۳۶

" بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فینا ساعیا فاخذ الصدقۃ من اغنیائنا فقسمها فی فقرائنا وکنت غلاماً یتیما فاعطانی منها قلوصا"[1]

اس سلسلہ کی مزید روایات:

عن عمرو بن شعیب ان معاذ بن جبل لم یزل بالجند اذ بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قدم علی عمر فرده علی ما کان علیہ فبعث الیہ بثلث صدقۃ الناس فانکر ذلک عمر وقال لم ابعثک جابیا ولا آخذ جزیۃ ولکن بعثتک لتاخذ من اغنیاء الناس فترد علی فقرائهم فقال معاذ ما بعثت الیک بشیء وانا اجد احدا یاخذہ منی[2]

عن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ فرض علی اغنیاء المسلمین فی اموالهم بقدر الذی یسع فقرائهم الحدیث رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر[3]

روی " ویل للاغنیاء من الفقراء یوم القیامۃ یقولون ربنا ظلمونا حقوقنا التی فرضت لنا علیهم فیقول اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لادنینکم ولاباعدنهم ثم تلا صلی اللہ علیہ وسلم: وفی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔ رواہ الطبرانی عن انس[4]

عن عبید اللہ بن عدی بن الخیار اخبرنی رجلان انهما اتیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع وهو یقسم الصدقۃ فسألاہ منها فرفع فینا البصر وخفضہ فرآنا جلدین فقال ان شئتما اعطیتکما ولاحظ فیها لغنی ولا لقوی مکتسب[5]

---

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۲۸ ، ترمذی ۱/۸۲ ۲ رواہ ابوعبید، فقہ السنۃ ۱/۳۱۹ ۳ فقہ السنۃ ۱/۳۱۹

۴ الفقہ الاسلامی ۱/۱۲۱ ۵ ابوداؤد ۱/۲۳۱ ، نسائی ۱/۳۶۳ ، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۰۷ وغیرہ۔

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی ؎

سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں جو آٹھ مصارف زکوٰۃ بیان کیے گئے ہیں ان میں عاملین اور مؤلفۃ القلوب کو چھوڑ کر سبھی میں فقر و احتیاج کا پہلو واضح طور پر نظر آتا ہے۔

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم ۔ (توبہ: ۶۰)

زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ وقتی حالات و مصالح کے تحت رکھا گیا تھا جو حالات زمانہ کی تبدیلی کے باعث ختم ہو گیا، اور عاملین کو زکوٰۃ کی رقم میں سے جو کچھ ملتا ہے وہ بحیثیت زکوٰۃ نہیں بلکہ فقراء کا وکیل ہونے اور ان کے لیے کام کرنے کی وجہ سے بطور حق المحنت کے ملتا ہے۔ زکوٰۃ کا مال اصلاً فقراء کا ہے اور عاملین کو فقراء کے مال سے ان کی خدمت کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ بقیہ چھ مصارف فقر و احتیاج کے رشتے سے منسلک ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کسی کی احتیاج مستقل ہے اور کسی کی وقتی و عارضی، کسی کی احتیاج ذاتی ضروریات کے لیے ہے اور کسی کی احتیاج قومی و ملی مفادات و مصالح کے حق میں ہے۔

"والآیة خرجت لبیان مواضع الصدقات ومصارفها ومستحقیها وهم وان اختلفت اسامیهم فسبب الاستحقاق فی الکل واحد وهو الحاجة الا العاملین علیها فانهم مع غناهم یستحقون العمالة لان السبب فی حقهم العمالة ؎"

اسی وجہ سے فقہائے احناف کے نزدیک استحقاق زکوٰۃ کے لیے بقیہ چھ مصارف میں فقر و عدم غنا بنیادی شرط ہے۔ البتہ یہ فقر و عدم غنا عام ہے چاہے ملک و ید دونوں کے اعتبار سے ہو جیسے عام فقراء یا صرف ید کے اعتبار سے جیسے ابن سبیل یا کسی لازمی التزام مالی مطالبہ کے اعتبار سے ہو جیسے غارم۔ علامہ جصاص رازیؒ "احکام القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں۔

؎ ابوداؤد ۱/۲۳۲، نسائی ۱/۳۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۰۷ ؎ البدائع ۲/۴۴

"وجميع من يأخذ الصدقة من هذه الأصناف فإنما يأخذها صدقة بالفقر والمؤلفة قلوبهم والعاملون عليها لا يأخذونها صدقة وإنما تحصل الصدقة في يد الإمام للفقراء ثم يعطي الإمام المؤلفة منها لدفع أذيتهم عن الفقراء وسائر المسلمين ويعطيها العاملين عليها من أجل عملهم لا على أنها صدقة وإنما كان ذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم أمرت أن آخذ الصدقة من أغنيائكم وأردها في فقرائكم فبين أن الصدقة مصروفة إلى الفقراء فدل ذلك على أن أحدا لا يأخذها صدقة إلا بالفقر وأن الأصناف المذكورين إنما ذكروا بيانا لأسباب الفقر"[1]

استحقاق زکوٰۃ کے لیے فقر و عدم غناء کی شرط باجماع امت مسلم ہے لیکن مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے جمہور علماء کے نزدیک بعض مصارف زکوٰۃ اس شرط عام سے مستثنیٰ ہیں اور استثناء کی وجہ درج ذیل حدیث ہے۔

"عن عطاء بن يسار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة لغاز في سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل اشتراها بماله أو لرجل له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهدى المسكين للغني"[2]

عن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني إلا في سبيل الله وابن السبيل أو جار فقير يتصدق عليه فيهدي لك أو يدعوك[3]

اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا نقطۂ نظر وہ ہے جسے محقق ابن ہمام نے یوں بیان کیا ہے:

"وما رواه أبو داؤد وابن ماجه ومالك عنه عليه السلام لا تحل الصدقة

۱؎ بحوالہ اوجز المسالک ۳/۲۲۴ ۲؎ مؤطا امام مالک مع الاوجز ۳/۲۲۳، ابوداؤد ۱/۲۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۱۰ ۳؎ ابوداؤد ۱/۲۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۱۰۔

لغنی .... قيل لم يثبت ولو ثبت لم يقو قوة حديث معاذ فانه رواه اصحاب الكتب الستة مع قرينة من الحديث الأخر ولو قولى قرينة ترجيح حديث معاذ بانه مانع وما رواه مبيح مع انه دخله التاويل عندهم حيث قيد الاخذ له بان لايكون له شئ فى الديوان ولا اخذ من الفئ وهؤلاء هم من ذلك وذلك يضعف الدلالة بالنسبة إلى مالم يدخله تاويل [1]

پھر مذکورہ روایات میں غارم اور ابن السبیل پر غنی کا اطلاق محض ایک پہلو کے اعتبار سے ہے جو شخص بقدر نصاب مال کا مالک ہو مگر اسی قدر اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ بظاہر غنی ہے اگرچہ قرض کی رقم نکال دینے کے بعد اس کے پاس کچھ نہیں رہ جائے گا، اسی طرح اگر ایک آدمی کی ملکیت میں مقدار نصاب سے زائد مال ہو مگر بحالت سفر اس کا ہاتھ بالکل خالی ہو جائے تو وہ مال نصاب کا مالک ہونے کے اعتبار سے غنی ہے اگرچہ ہاتھ خالی ہونے کی وجہ سے وہ وقتی طور پر محتاج ہو گیا ہے، ان صورتوں میں غارم اور ابن السبیل کو ایک پہلو کے لحاظ سے غنی کہا جائے یا دوسرے پہلو کے اعتبار سے فقیر کہا جائے، اصل حقیقت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اس سلسلہ کا اختلاف صرف اختلاف لفظی ہوگا۔

البتہ "غازی" کے بارے میں احناف اور جمہور فقہاء کا اختلاف کسی حد تک واقعی اور حقیقی ہے جمہور فقہاء کے نزدیک "غازی غنی" کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے مگر اس قید کے ساتھ کہ بیت المال سے اسے باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی ہو۔

"فى سبيل الله وهم الغزاة المجاهدون الذين لاحق لهم فى ديوان الجند لان السبيل عند الاطلاق هو الغزو .... فيدفع اليهم لانجاز مهمتهم وعودهم ولو كانوا عند الجمهور اغنياء لانه مصلحة عامة واما من له شئ مقدر فى الديوان فلايعطى لان من له رزق راتب يكفيه فهو مستغن به" [2]

---

[1] فتح القدير ۲/۱۸   [2] الفقه الاسلامى ۲/۸۷۳

عدم راتب کی قید سے یہ ظاہر ہے کہ جمہور فقہاء نے بھی احتیاج کے پہلو کو یکسر نظر انداز نہیں کیا۔ احناف کے نزدیک غازی غنی مستحق زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ انھیں مجاہدین کو دی جائے گی جو غنی نہ ہوں[1]۔ البتہ اس سلسلہ میں کچھ توسع سے کام لیا گیا ہے۔

"قال الرازی فی احکام القرآن: قد یکون الرجل غنیا فی اهل بلدة بالدار والاثاث والخادم والفرس وله فضل مال تجب علیه الزکوٰة فیه ولا تحل له الصدقة فاذا عزم على الخروج الى الغزو واحتاج الى آلات السفر وسلاح الغزو والعدة فیجوز له اخذ الصدقة وان انفق الفضل فیما یحتاج الیه من السلاح والعدة ولو لا سفره للغزو کان غنیا لا یحتاج فی اقامته الى انفاق الفضل فاذا قصد الغزو جاز له اخذ الصدقة وهو غنی فی هذا الوجه فهذا معنى قوله صلى الله علیه وسلم الصدقة تحل للغازی الغنی[2]"

علامہ کاسانیؒ غازی غنی کے لیے حدیث میں مذکور علت صدقہ کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واما استثناء الغازی فمحمول على حال حدوث الحاجة وسماه غنیا على اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجة ..... فیعطی بعض ما یحتاج الیه سفره لما احدث له السفر من الحاجة لا انه یعطی حین یعطی وهو غنی[3]"

آیت مصارف میں حصر حقیقی ہے یا اضافی؟

اگر مولفین و عاملین کے علاوہ بقیہ تمام مصارف میں فقر و احتیاج کو شرط عام کی حیثیت دی جائے اور مکاتب، غارم، فی سبیل اور ابن السبیل کو خاص اور ترجیحی مصارف قرار دیا جائے تو حصر اضافی ہوگا اور مذکورہ مصارف میں نص و قیاس کے ذریعہ توسیع کی گنجائش ہوگی، مثلاً فی سبیل اللہ کے اصل مصداق غزاۃ ہیں

---

[1] ولا یصرف الى اغنیاء الغزاة عندنا لان المصرف هو الفقیر۔ هدایه ۱۸۵/۱

[2] احکام القرآن لابی بکر الجصاص الرازی ۱۶۴/۳، البنایه شرح الهدایه للعینی ۵۳۶/۳ [3] البدائع ۴۶/۲

جو دین و ملت کی خدمت، تحریکِ اسلام اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں اور کسب و تجارت سے منقطع ہو جانے کی باعث ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں، اس لیے یہ بھی طور پر زکوٰۃ کے مستحق ہیں گویا کہ یہ لوگ محتاج ہونے کے ساتھ دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اب جو لوگ بھی کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہوں اور ذریعہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے محتاج ہوں تو وہ فی سبیل اللہ کے حکم میں ہوں گے علومِ دینیہ کے طلبہ، اساتذہ، علماء، مبلغین، مصنفین اور وہ تمام لوگ اس زمرے میں آ جائیں گے جو کسی بھی پہلو سے اسلام اور اہلِ اسلام کے مفاد میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر رہے ہوں۔ اگر فقر کی شرط کے ساتھ ان کی مصارف کا ذکر کیا جائے تو ان کی تحدید و حصار سے باہر ہو گی۔ اگر آیت میں مذکور مصارف کے علاوہ جتنے بھی مصارف نکلیں گے وہ حقیقۃً انھیں میں سے کسی ایک سے متفرع ہوں گے۔

لیکن اگر فقر و احتیاج کا لحاظ کیے بغیر تمام مصارف کو عام رکھا جائے اور ہر ایک کو مستقل حیثیت دی جائے تو پھر آیت میں حصر حقیقی ہو گا اور ان میں توسیع اور بلا کسی واضح نصِ شرعی کے کسی تعمیم کی کوئی گنجائش نہ ہو گی، کیوں کہ زکوٰۃ اصلاً فقراء کا حق ہے۔ اغنیاء زکوٰۃ دینے کے پابند ہیں، زکوٰۃ لینے کے حق دار نہیں ہیں، اس لیے اغنیاء و اہلِ ثروت کا استحقاقِ زکوٰۃ موردِ نص ہی تک محدود رہے گا۔

فی سبیل اللہ کی مراد اور اس کی حدود و قیود

"سبیل اللہ" اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے عام ہے اور جملہ امورِ خیر کو شامل ہے لیکن آیت زیرِ بحث میں باجماعِ امت اس سے عام لغوی معنی مراد نہیں ہے۔ متعدد فقہاء، محدثین، مفسرین اور قرآنیات و لغت کے ماہرین نے یہ تصریح کی ہے کہ جب اس کا استعمال علی الاطلاق ہو تو اس سے غزوہ و جہاد مراد ہوتا ہے۔[1] اسی وجہ سے جمہور علماء و فقہاء اس پر متفق ہیں کہ آیتِ صدقہ میں فی سبیل اللہ کے مصداق وہ مجاہدین و غزاۃ ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے سر سے کفن باندھ کر میدانِ کارزار میں اترتے ہیں۔ ائمہ اربعہ میں سے ابو حنیفہ، مالک اور شافعی رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن

---

[1] ابن قدامہ، المغنی [illegible]، ابن حجر، فتح الباری [illegible]، الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعہ [illegible]، مرغینانی، ہدایہ [illegible]
[illegible]

الحسن رحمہ اللہ نے مجاہدین کے ساتھ حجاج کو بھی ملحق کیا ہے اور اس کی وجہ وہ حدیث ہے جس میں حج کو بھی فی سبیل اللہ کہا گیا ہے[1]

"[2] حكى ابو ثور عن ابي حنيفة انه الفقير دون الحاج وذكر ابن بطال في شرح البخاري انه قول ابي حنيفة ومالك والشافعي[2] قال مالك سبيل الله مواضع الجهاد والرباط وبه قال ابو حنيفة[3] وقال غيره الحجاج والعمار وقال الشافعي هو الغازي جار الصدقة ويعطى من سهم سبيل الله من غزا من جيران الصدقة فقيرا كان او غنيا ولا يعطى منه غيرهم الا ان يحتاج الى الدفع عنهم فيعطاه من دفع عنهم المشركين[4]"

جمہور فقہا کے نزدیک حاجی فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ فی سبیل اللہ جو مصارف زکوٰۃ میں ہے حج کا اس سے کوئی تعلق نہیں، پھر حدیث لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة میں لغاز في سبيل الله کے الفاظ سے آیت صدقہ میں وارد فی سبیل اللہ کے مفہوم و مصداق کی واضح تعیین و توضیح ہو جاتی ہے جس روایت کی بنا پر بعض اہل علم نے حج کو بھی فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل کیا ہے وہ نقل روایت کے اعتبار سے بھی کمزور ہے اور دلالت کے اعتبار سے بھی۔

"جمهور العلماء ان المراد به هنا الغزو وان سهم سبيل الله يعطى المتطوعين من الغزاة الذين ليس لهم مرتب من الدولة فهؤلاء لهم سهم من الزكوة يعطونه سواء كانوا من الاغنياء ام الفقراء ...... والحج ليس من سبيل الله التي تصرف فيها الزكوة لانه مفروض على المستطيع[5]"

---

[1] رواه ابو داؤد والنسائي والحاكم والطبراني والبزار راجع ٢٢٤/٣

[2] البناية ٤٣٣/٣ [3] بداية المجتهد ٢٠٠/١

[4] كتاب الأم للشافعي ٦١/٢ [5] فقه السنة ٣٩٣/١

علامہ ابن حزم "المحلی" میں فرماتے ہیں:

"واما سبیل اللہ فھو الجہاد بالحق .... فان قیل قد روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الحج من سبیل اللہ وصح عن ابن عباس ان یعطی منہا فی الحج، قلنا نعم وکل خیر فھو من سبیل اللہ الا انہ لاخلاف فی انہ تعالٰی لم یرد کل وجہ من وجوہ البر فی قسمۃ الصدقات فلم یجز ان توضع الاحیث بین النص وھو الذی ذکرنا وباللہ التوفیق"[1]

حافظ ابن ہمامؒ نے حج کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل کرنے والوں کی مستدل حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس سے استدلال کے ضعف کو یوں ظاہر کیا ہے:

"ثم فیہ نظر لان المقصود ما ھو المراد بسبیل اللہ المذکور فی الآیۃ والمذکور فی الحدیث لایلزم کونہ ایاہ لجواز انہ اراد الامر العام و لیس ذلک المراد فی الآیۃ بل نوع مخصوص والا فکل الاصناف فی سبیل اللہ بذلک المعنی"[2]

پھر حج میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا جواز جن کے نزدیک بھی ہے وہ مطلق نہیں بلکہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ ایک آدمی پر حج فرض ہوچکا ہو لیکن کسی وجہ سے وہ حج کے مصارف برداشت کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو یا وہ حجاج کے قافلے سے بچھڑ گیا ہو اور اپنے مال واسباب سے منقطع ہوگیا ہو۔

"والحج عند الحنابلۃ وبعض الحنفیۃ من السبیل .... فیاخذ مرید الحج من الزکوٰۃ ان کان فقیرا ما یؤدی بہ فرض حج او فرض عمرۃ او یستعین بہ فی اداء احد الفرضین لانہ یحتاج الی اسقاط الفرض واما التطوع فلہ عنہ مندوحۃ"[3]

اس اعتبار سے امام احمد و امام محمد رحمہما اللہ کا جمہور کی رائے سے اختلاف حقیقۃً کوئی بنیادی اختلاف

---

[1] المحلی لابن حزم ۱۵۱/۶ [2] فتح القدیر ۱۸/۲ [3] الفقہ الاسلامی ۸۷۰/۲

نہیں کیوں کہ محتاج فقیر جمہور ائمہ کے نزدیک بھی بہر حال مستحق زکوٰۃ ہے، رہا حج کے اعتبار سے نہیں فقر کے اعتبار سے وہ بالاتفاق زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

"ثم لا یشکل ان الخلاف فیہ لا یوجب خلافا فی الحکم للاتفاق علی انہ انما یعطی الاصناف کلھم سوی العامل بشرط الفقر فمنقطع الحاج یعطی اتفاقا"[۱]

غرضے کہ مصرف فی سبیل اللہ کا علی الاطلاق مصداق تمام ائمہ مجتہدین وفقہاء سلف کے نزدیک صرف مجاہدین وغزاۃ ہیں۔

فقر وعدم غنیٰ کی قید کے بغیر جنھیں فقہائے سلف نے فی سبیل اللہ کا مصداق قرار دیا وہ صرف وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں کے دفاعی امور میں اپنی خدمات پیش کر رہے ہوں، اس لیے میری ناقص رائے میں اہل غنا حجاج، طلبہ، علماء، دعاۃ اور دوسرے دینی وعوامی خدمت میں لگے ہوئے اغنیا کو بھی فی سبیل اللہ کے زمرے میں داخل کر کے انھیں مستحق زکوٰۃ قرار دینا غیر درست وخرق اجماع کے مترادف ہے۔

ہاں اگر فقر وعدم غنا کو شرط عام کی حیثیت دی جائے تو فی سبیل اللہ کے زمرہ میں مجاہدین کے ساتھ ان تمام لوگوں کو ملحق کیا جا سکتا ہے جو کسی دینی خدمت وامر خیر میں مصروف ہوں اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد میں کام کر رہے ہوں۔ فقہائے احناف کے ہاں فی سبیل اللہ کے دائرے میں نسبتاً جو توسع نظر آتی ہے اس کی بنیاد یہی ہے۔ فقہائے احناف کا موقف جہاں تک میں نے سمجھا ہے یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصداق اصلاً مجاہدین ہیں، جو فقر اور خدمت دین دو اسباب کی وجہ سے ترجیحی طور پر مستحق زکوٰۃ قرار دیے گئے، اب جن لوگوں میں بھی یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں وہ مجاہدین کے حکم میں ہوں گے اور ترجیحی طور پر مستحق قرار پائیں گے، اس کے خلاف جو بعض شاذ روایتیں فقہاء احناف کے ہاں پائی جاتی ہیں وہ متروک ومہجور ہیں یا مؤول، محققین نے ان پر اعتماد نہیں کیا۔

مصارف زکوٰۃ میں تعلیل وقیاس

مصارف زکوٰۃ میں تعلیل وقیاس کی گنجائش یقیناً ہے ورنہ فقہائے کرام کے درمیان اس سلسلہ

---

[۱] فتح القدیر ۲/۱۸

میں اختلاف ہی کیوں ہوتا؟ لیکن قیاس صرف وہی قابل قبول ولائق اعتماد ہو سکتا ہے جو معقول بنیادوں پر قائم ہو اور نص، اجماع اور کسی دوسرے اصل شرعی کے خلاف نہ ہو۔

شاہ ولی اللہؒ زکوٰۃ کے مقاصد و مصالح کا ذکر کرتے ہوئے اس کی معاشرتی مصلحت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"ومصلحة ترجع الى المدنية وهي انها تجمع لا محالة الضعفاء وذوي الحاجة وتلك الحوادث تغدو على قوم وتروح على آخرين فلو لم تكن السنة بينهم مواساة الفقراء واهل الحاجات لهلكوا وماتوا جوعا وايضا انتظام المدنية يتوقف على مال يكون به قوام معيشة الحفظة الذابين عنها والمدبرين السائسين لها ولما كانوا عاملين للمدنية عملا نافعا مشغولين به عن اكتساب كفافهم وجب ان يكون قوام معيشتهم عليها"[1]

امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:

"والصواب ان الله تعالى جعل الصدقة في معنيين احدهما سد خلة المسلمين والثاني معونة الاسلام فما كان معونة للاسلام يعطى منه الغني والفقير كالمجاهد ونحوه ومن هذا الباب يعطى المؤلفة"[2]

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

"لان الزكاة تصرف الى احد رجلين محتاج اليها كالفقراء والمساكين وفي الرقاب والغارمين لقضاء ديونهم او من يحتاج اليه المسلمون كالعامل والغازي والمؤلف والغارم لاصلاح ذات البين"[3]

مذکورہ بزرگوں کے الفاظ مختلف ہیں مگر حاصل سب کی عبارتوں کا ایک ہی ہے کہ کسی کو زکوٰۃ دو وجہوں

---

۱ حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۴۲ ۲ فتاویٰ ابن تیمیۃ ۲۸/۵۸۹ ۳ المغنی ۲/۶۹۲

میں سے کسی ایک وجہ سے دی جاتی ہے یا تو جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جارہی ہے وہ خود محتاج ہو یا وہ کسی ایسے کام میں مصروف ہو جس کا تعلق مسلمانوں کی عمومی ضروریات و مصالح سے ہو یعنی استحقاق زکوٰۃ کی علت جملہ مصارف میں صرف دو ہیں، اول فقر و احتیاج، دوم اسلام و مسلمین کی عمومی مصلحت و اجتماعی خدمت سے وابستگی دوسری علت کے دائرۂ اثر میں عامل، غازی، مؤلف اور غارم لاصلاح ذات البین آتے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کی خدمت و منفعت کا دائرہ خاص ہے، غازی کا تعلق عوامی خدمت کے ایک خاص شعبے دفاع سے ہے، جمہور علماء امت کے نزدیک مصرف فی سبیل اللہ کی علت صرف مسلمانوں کے دفاع اور عسکری جہاد سے عملی وابستگی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

"کل ما فی القرآن من ذکر سبیل اللّٰہ انما یرید به الجهاد الا الیسیر فیجب حمل ما فی هذه الآیة علی ذلك لان الظاهر ارادته به"[1]

بہرحال جمہور کے نزدیک فی سبیل اللہ کا تعلق محض دفاعی امور سے ہے، عوامی خدمت کے کسی دوسرے شعبہ سے متعلق افراد علی الاطلاق فی سبیل اللہ کے زمرے میں نہیں آئیں گے، یعنی وہ مجاہدین کی طرح مستحق زکوٰۃ نہیں ہوں گے۔

لیکن معدودے چند فقہاء فی سبیل اللہ کی تعلیل میں تعمیم و توسیع کرتے ہوئے غزاۃ کے ساتھ کچھ اور عوامی خدمت گاروں کو بھی لاحق کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے بعض مالکیہ نے قضاۃ، ائمہ اور فقہاء کو بھی مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے بشرطیکہ بیت المال سے وہ تنخواہ نہ پاتے ہوں۔ علامہ صاوی مالکی فرماتے ہیں:

"قال الخرشي ومثل السور والمركب (اى الجهاد فى سبيل اللّٰه) الفقيه والقاضي والامام (اى فى اخذ الزكوٰة) لكن قال فى الحاشية محل كون الفقيه الذي يدرس العلم اوينفتى لاياخذ منها اذا كان يعطى

---

[1] المغنی ۶/۳۳۰

من بيت المال والا فيعطي منها .... ولكن قال اللخمي وابن رشد اذا منعوا حقهم من بيت المال جاز لهم اخذ الزكوٰة مطلقا سواء كانوا فقراء او اغنياء"[1]

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

"والذين اجازوها للعامل وان كان غنيا اجازوها للقضاة ومن فى معناهم ممن المنفعة بهم عامة للمسلمين"[2]

فقہائے احناف کے ہاں بھی بعض ایسی شاذ روایتیں ملتی ہیں:

"وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكاة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى مالابد منه"[3]

بعض فقہاء نے ابن السبیل میں علت فقر بالید کو قرار دے کر فقیر بالید مقیم کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے:

"وابن السبيل وهو المسافر المنقطع عن ماله .... والحق به كل من هو غائب عن ماله وان كان فى بلده وفى المحيط وان كان تاجرا له دين على الناس لايقدر على اخذه ولايجد شيئا يحل له اخذ الزكوٰة لانه فقير يدا كابن السبيل وفى الغاية تفصيل فى هذا المقام قال والذى له دين مؤجل على انسان اذا احتاج إلى النفقة يجوز له ان ياخذ من الزكوٰة قدر كفايته إلى حلول الاجل وان كان الدين غير مؤجل فان كان من عليه الدين معسرا يجوز له ان ياخذ الزكوٰة فى اصح الاقاويل لانه بمنزلة ابن السبيل"[4]

---

[1] حاشية الصاوى على الشرح الصغير ۱/۶۶۳ [2] بداية المجتهد ۱/۲۴۸

[3] الدر المختار على هامش الرد ۲/۵۹ [4] روح المعانى ۱۰/۱۲۳

تفصیل پیش کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں بھی تعلیل وقیاس کی گنجائش ہے اور کتب فقہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قیاس کے نام سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جائے وہ قابل قبول ہے، قیاس وہی قابل قبول ولائق اعتنا ہو سکتا ہے جو واضح نصوص، اجماع اور عام مزاج شریعت کے معارض نہ ہو، اور تعلیل وقیاس کے مسلمہ اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

مثلاً اسی قیاس کو لیجیے کہ بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری کو قرار دینے کے باوجود جہاد قلمی، جہاد فکری، جہاد ثقافتی کو جہاد عسکری پر قیاس کرتے ہوئے ان میں بھی زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز قرار دیا ہے۔ میرے خیال میں یہ قیاس قابل قبول نہیں ہے۔ اولاً تو قلمی، فکری، ثقافتی کارناموں پر جہاد کا اطلاق صرف لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے، جہاد کا عام لغوی معنی قریب قریب وہی ہے جسے ہم اپنی زبان میں کد وکاوش یا جد وجہد سے تعبیر کرتے ہیں اور اس معنی میں جہاد کا اطلاق اچھی بری ہر قسم کی جد وجہد پر ہو سکتا ہے، خود قرآن مجید میں شرک پر آمادہ کرنے کی جد وجہد کے لیے بھی جہاد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔[۱]

لیکن جہاد کا شرعی اصطلاحی معنی اس کے عام لغوی معنی سے بہت مختلف ہے۔

"الجهاد بكسر الجيم اصله لغة المشقة .... وشرعا بذل الجهد في قتال الكفار ويطلق ايضا على مجاهدة النفس والشيطان والفساق[۲]

قال القاري الجهاد لغة المشقة وشرعا بذل المجهود في قتال الكفار مباشرة او معاونة بالمال او بالرای او بتكثير السواد او غيرة لك وفي المغرب والجهاد مصدر جاهدت العدو اذا قابلته في تحمل الجهد اوبذل كل واحد منهما جهده اي طاقته في دفع صاحبه ثم غلب في الاسلام على قتال الكفار[۳]

کتاب وسنت میں جہاد کا اطلاق شاذ ونادر عام لغوی معنی میں بھی ہوا ہے اور کہیں کہیں نفس و شیطان اور منکرات کے خلاف جد وجہد کو بھی جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اکثر وبیشتر جہاد کا اطلاق قتال اعدائے اسلام ہی کے لیے ہوا ہے[۴] اور جب بھی یہ لفظ مطلق استعمال ہوتا ہے اسی متبادر مفہوم میں ہوتا ہے اسلیے

۱؎ العنکبوت ۸، لقمان ۱۵ ۲؎ فتح الباری ۳/۶ ۳؎ اوجز المسالک ۸/۱۹۸ ۴؎ دیکھیے سورۂ البقرہ: ۲۱۸، آل عمران ۱۴۲، المائدہ ۵۴، التوبہ ۱۹، ۲۰، ۴۴، ۸۸، النحل ۱۱۰، الفرقان ۵۲، الممتحنہ ۱، الحج ۷۸، النساء ۹۵ وغیرہ

جہاد لغوی کے تمام طاقتوں کو جہاد شرعی کے ہم پلہ قرار دے کر سب کو ایک حکم میں رکھنا صحیح نہیں ہے۔

پھر اگر جہاد کے تمام طاقات کو فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل مان لیا جائے تو اس کے نتیجہ میں جو تعمیم پیدا ہوگی وہ شاید کسی بھی ذی عقل کے لیے قابل قبول ہوگی اور اس سے زکوٰۃ کا اصل مقصد اور حکیمانہ نظام بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

اور اگر جہاد کے شرعی متبادر مفہوم سے قطع نظر یہ مان بھی لیا جائے کہ جہاد کا اطلاق جہاد عسکری کی طرح جہاد قلمی، جہاد لسانی، جہاد فکری وغیرہ کو بھی یکساں طور پر شامل ہے اور جہاد کے عموم میں ہر قسم کے جہاد داخل ہیں تو بھی مصرف فی سبیل اللہ میں اس تعمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حدیث "لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ" میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "غاز فی سبیل اللہ" کے الفاظ سے جہاد کی ایک خاص قسم جہاد عسکری کی تعیین فرمادی اور بقیہ جملہ اقسام سے بصراحت حلت زکوٰۃ کی نفی فرمادی۔ جب خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے استحقاق زکوٰۃ کے لیے جہاد عسکری کی تعیین فرما کر دوسروں کو جو ہے وہ مختلف قسم کے مجاہدین ہی کیوں نہ ہوں غیر مستحق قرار دے دیا اور ان کے لیے بالصراحت عدم حلت زکوٰۃ کا اعلان کر دیا تو لفظ جہاد کے عموم کے اقتضا کی گنجائش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ اس لیے جہاد عسکری پر جہاد قلمی وغیرہ کا قیاس محض لفظی اشتراک کی بنیاد پر میری رائے میں ایک مغالطہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اجماع کے خلاف اور نص حدیث کے بالکل معارض ہونے کی بنا پر ناقابل التفات ہے۔

صدقے سے دیت کی ادائیگی

نظریہ تعمیم کی حمایت میں جو ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں صدقے کے اونٹوں سے دیت ادا کرنے کا ذکر ہے، اس حدیث کی تحقیق اور اس سے استدلال کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

یہ حدیث صحاح ستہ میں صحیح بخاری و سنن کی قریباً تمام ہی مصنفات میں موجود ہے اور مسئلہ قسامت کا پورا دارومدار اسی حدیث پر ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک انصاری صحابی خیبر میں مقتول پائے گئے۔ مقتول کے ورثاء نے یہود خیبر پر قتل کا الزام عائد کیا لیکن ان کے پاس اس کی کوئی شہادت موجود نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کی تجویز پیش کی لیکن مدعیان یعنی ورثاء مقتول قسم کھانے کے لیے آمادہ نہ تھے اور مدعا علیہم یہود قسامت کے اصول پر قسم کے لیے آمادہ تھے مگر مدعیان نے ان کی کذب و فریب کی عام روش کے پیش نظر ان کی قسم کو

ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ وجدال کا خطرہ ٹالنے، معاملہ رفع دفع کرنے اور مقتول کے ورثہ کی دل جوئی واشک شوئی کے لیے خود ہی دیت ادا کر کے اس قضیہ کو ختم کر دیا۔

اس حدیث کی اصل تو ثابت شدہ اور ناقابلِ انکار ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا قسامت کی بنیاد یہی حدیث ہے، مگر واقعہ کی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی نوعیت اور محل دیت کے سلسلہ میں روایات میں بہت اضطراب پایا جاتا ہے۔

واقعہ کی تفصیلات سے یہاں کوئی بحث نہیں۔ آخر الذکر دو چیزوں کے متعلق یہاں تھوڑی سی وضاحت مناسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ وطرزِ عمل کے متعلق مختلف روایات میں تین مختلف باتیں ملتی ہیں زیادہ تر رواۃ حدیث نے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی دیت کی رقم ادا کی[1]۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کو یہود پر تقسیم کر دیا، لیکن نصف دیت سے ان کا تعاون کیا (فقسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیته علیهم واعانهم بنصفها[2])، اور بعض روایات کے بموجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ہی کو دیت کا ذمہ دار قرار دیا (فجعل عقله علی الیهود[3])۔

پھر وہ روایات جن کے مطابق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت ادا کی، دو قسم کی ہیں۔ اکثر و بیشتر رواۃ نے "وداه من عنده، من قبله" یا اس کے ہم معنی "اعطی عقله، عقله من عنده" وغیرہ کے الفاظ نقل کیے ہیں اور بعض رواۃ نے "من ابل الصدقة" نقل کیا ہے۔

یہ حدیث عبداللہ بن عمر (عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده) سہل بن ابی حثمہ و رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں صرف "من عندہ" مذکور ہے[4]۔ حضرت سہل اور رافع سے براہِ راست نقل کرنے والے دو راوی ابو لیلیٰ اور بشیر بن یسار ہیں۔ ابو لیلیٰ نے بھی صرف "من عنده" نقل

---

[1] بخاری ۲/۱۰۱۹، باب القسامة، مسلم ۲/۵۷، ابوداؤد ۲/۲۳۲، ترمذی ۱/۱۷۱، ابن ماجه ۱۹۷، موطا ۲/۱۹۹، نسائی ۲/۲۳۶

مشکل الآثار للطحاوی ۲/۲۷۵، طحاوی ۲/۱۹۹[2] نسائی ۲/۲

[3] مصنف عبدالرزاق [4] ابن ماجه ۱۹۷

کیا ہے۔ پھر بشیر بن یسار سے روایت کرنے والے دو راوی یحییٰ بن سعید اور سعید بن عبید طائی ہیں۔ یحییٰ بن سعید کی روایت میں بھی صرف "من عندہ" ہے۔ صرف بشیر بن یسار سے نقل کرنے والے دوسرے راوی سعید بن عبید طائی ہی نے "من ابل الصدقة" نقل کیا ہے۔

محققین حدیث نے "من عندہ" والی روایت ہی کو اختیار کیا ہے اور غالباً تمام ہی ائمہ و فقہاء کے نزدیک وہی معمول بہا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی نے بھی سوائے ابو داؤد کے اس حدیث کو صدقہ کے باب میں ذکر نہیں کیا، امام مالک، امام شافعی، امام ترمذی، ابن ماجہ نے صرف "من عندہ" والی روایت کے ذکر پر اکتفا کیا، امام نسائی نے "من ابل الصدقة" والی روایت بھی نقل کی ہے مگر ساتھ ہی اس کے شذوذ کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ وہ مختلف طرق سے من عندہ والی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
"وخالفهم سعيد بن عبيد الطائي وقال من ابل الصدقة" صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف "من عندہ" والی روایت ہی کی نقل پر اکتفا کیا ہے اور اسے ہی متفق علیہ کہا ہے، "من ابل الصدقة" والی روایت سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ "من عندہ" والی روایت ہی محفوظ اور نسبتاً قوی ہے۔ اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ "من ابل الصدقة" کی روایت کا ظاہر بالاتفاق مہجور و متروک ہے۔ تاہم یہ روایت جیسے حضرات محققین نے بھی نقل کیا ہے آسانی سے نظر انداز بھی نہیں کی جا سکتی۔ اسے متروک کہنے کی بجائے اس کی ایسی توجیہ کی جائے گی جس سے وہ اجماع اور دوسرے نصوص کے خلاف نہ پڑے۔

اس روایت میں متعدد احتمالات ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

[illegible]

۱۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ آیت مصارف صدقات کے نزول سے پہلے کا ہو اور اس وقت تک مصارف صدقات کی مکمل تعیین نہ ہوئی ہو اور صدقات کی تقسیم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دید پر رہی ہو۔

۲۔۔۔۔۔ ممکن ہے کہ راوی نے فی یا بیت المال ہی کے اثاثہ کو صدقہ سے تعبیر کیا ہو۔

۳۔۔۔۔۔ یا اسے غلط فہمی ہوئی ہو اس نے یہ سمجھا ہو کہ دیت صدقہ کے اونٹوں سے ادا کی گئی جب کہ فی الواقع ایسا نہ ہو۔

۴۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ لینے والے مستحق زکوٰۃ ہوں اور دیت کے نام سے انھیں صدقہ ہی کی رقم دی گئی ہو۔

۵۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے صدقہ کی رقم انھیں مؤلفین کے حصے سے بطور تالیف قلب کے دی گئی ہو۔

یہ اور اس طرح کے اور بھی احتمال ہو سکتے ہیں، روایت کی جمع و تطبیق اور توجیہ کے سلسلہ میں بات کو مختصر کرنے کے لیے یہاں چوٹی کے دو حفاظ حدیث و ماہرین فن کی صرف دو عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

علامہ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

"الذی اشکل علی کثیر من الناس اعطاؤه الدیة من ابل الصدقة وقد ظن بعض الناس ان ذلك من سهم الغارمین وهذا لایصح فان غارم اهل الذمة لایعطی من الزکوٰة وظن بعضهم ان ذلك مما فضل من الصدقة عن اهلها فللامام ان یصرفه فی المصالح وهذا اقرب من الاول والاقرب منه انه صلی اللّٰه علیه وسلم وداه من عنده واقترض الدیة من ابل الصدقة ویدل علیه "فوداه من عنده" واقرب من هذا کله ان یقال لما تحملها النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لاصلاح ذات البین بین الطائفتین کان حکمها حکم القضاء عن الغارم لما غرمه لاصلاح ذات البین ولعل هذا مراد من قال انه قضاها من سهم الغارمین وهو صلی اللّٰه علیه وسلم لم یاخذ منها

لنفسه شيئاً فان الصدقة لاتحل له ولكن جرى اعطاء الدية منها مجرى اعطائها من الغرم لاصلاح ذات البين واللّٰه اعلم[1]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وجمع بعضهم بين الروايتين باحتمال ان يكون اشتراها من اہل الصدقة بمال دفعه من عنده او المراد بقوله "من عنده" اى بيت المال المرصد للمصالح واطلق عليه صدقة باعتبار الانتفاع به مجانا لمافى ذلك من قطع المنازعة واصلاح ذات البين .... قال القرطبى فى "المفهم" فعل صلى اللّٰه عليه وسلم ذلك على مقتضى كرمه وحسن سياسة وجلبا للمصلحة ودرأ للمفسدة على سبيل التاليف ولاسيما عند تعذر الوصول إلى استيفاء الحق .... ان يكون تسلف ذلك من اہل الصدقة ليدفعه من مال الفئ او ان اولياء القتيل كانوا مستحقين للصدقة فاعطاهم او اعطاهم ذلك من سهم المؤلفة استئلافا لهم واستجلابا لهم لليهود"[2]

ان تفصیلات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ روایت "فوداہ من اہل الصدقۃ" سے مصرف زکوٰۃ کے عموم پر استدلال انتہائی کمزور اور ناقابل اعتنا ہے، ائمہ، فقہا اور محدثین کے جم غفیر میں سے کوئی ایک نام بھی ایسا نہیں ملتا جس نے دیت کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہو اور جب اصل (دیت کا مصرف ہونا) ہی بے اصل و مردود ہے تو تعلیل کے ذریعہ اس کی تفریع اور اس پر قیاس کر کے جملہ امور خیر یا مصالح عامہ کو مصرف زکوٰۃ قرار دینا تو کی حد تک غلط ہے، محکم نصوص کو چھوڑ کر اس طرح کی کمزور، متشابہ المراد اور واجب التاویل روایات کا سہارا لینا اور اس کے بل بوتے پر علماء سلف و خلف کی متفق رائے اور اجتماعی فہم کو چیلنج کرنا میرے خیال میں صحت مندانہ ذہنیت کا ثبوت نہیں۔

---

[1] زاد المعاد ۲/۲۰۱ [2] فتح الباری ۱۲/۲۳۵

خلاصہ جوابات متعلقہ فی سبیل اللہ

۱۔۔۔۔۔ اگر فقراء کو مصرف عام اور بقیہ اصناف کو خاص اور مقید قرار دیا جائے تو آیت صدقہ میں مصارف کا حصر اضافی ہوگا لیکن اگر تمام مصارف کو مستقل و علیٰحدہ حیثیت دی جائے تو پھر حصر حقیقی ہوگا۔

۲۔۔۔۔۔ مجھے جمہور فقہاء کے اس خیال سے مکمل اتفاق ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب و سنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ و جہاد ہی ہوتا ہے۔

۳۔۔۔۔۔ اگر کسی مسئلہ میں قرون اولیٰ میں صرف دو قول پائے جاتے ہوں اور مسئلہ اجتہادی ہو تو دلائل، عرف اور حالات و زمانہ کی مقتضیات کی بنا پر کسی تیسرے قول کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوگی اور علماء سلف کے اجتماعی فہم پر اعتماد اور قول محدث سے اجتناب ہی بہتر اور سلامتی کی راہ ہے۔

۴۔۔۔۔۔ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین غزاۃ ہیں لیکن فقر کی شرط کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مجاہدین کے ساتھ ملحق کیا جاسکتا ہے جو کسی بھی خیر و افادہ عام میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب معاش سے معذور ہوں۔ مجاہدین کی طرح یہ لوگ بھی ترجیحی طور پر مستحق زکوٰۃ ہوں گے۔

۵۔۔۔۔۔ اصولاً مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہو سکتے ہیں مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا جہاد عسکری پر جہاد قلمی وغیرہ کو قیاس کر کے جہاد کے جملہ اطلاقات کو فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۶۔۔۔۔۔ دور حاضر میں مختلف دینی و دعوتی کاموں کی اہمیت اور اس کے لیے کافی سرمایہ کی ضرورت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، امراء و اہل ثروت میں دینی حمیت اور مسابقت فی الخیرات کے جذبہ کی کمی کا شکوہ بالکل غلط نہیں، لیکن ہر درد کا مداوا زکوٰۃ میں تلاش کرنا غلط ہے، زکوٰۃ کا ایک خاص مقصد ہے (تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم) جو بہرحال نظر انداز نہیں ہونا چاہیے۔

استحقاق زکوٰۃ کے لیے فقر اور اداء زکوٰۃ کے لیے تملیک مستحق بنیادی شرطیں ہیں، واضح نصوص کی

بنا پر بعض ذیلی جزئیات میں اصول استثنا کی گنجائش ہو سکتی ہے، مگر فقر و تملیک کی بنیادی شرط
کو یکسر نظر انداز کر کے تمام ملی ضروریات اور دینی، اصلاحی اور دعوتی کاموں کے لیے زکوٰۃ کی رقم
صرف کرنے کی وکالت کرنا اور ہر قسم کے دینی و خیراتی کاموں میں لگے ہوئے لوگوں کو بلا قید زکوٰۃ
کی رقم دیے جانے کی حمایت کرنا ایسی اباحیت پسندی ہوگی جس کی نظیر سابقہ ادوار میں مشکل
ہے اور اس کے نتیجے میں مصرف زکوٰۃ میں جو عموم پیدا ہوگا اس سے زکوٰۃ کے اصل و بنیادی مقاصد
فوت ہو جائیں گے، قرآن مجید میں بیان مصارف کا اہتمام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر
من و عن سختی سے عمل کرنے پر اصرار اور مصارف زکوٰۃ میں کسی قسم کی توسیع اور من مانی سے واضح
اور غیر متزلزل انکار، یہ سب چیزیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔

۵ ۔ — فقر و احتیاج کی شرط کے بغیر مصرف فی سبیل اللہ میں میرے خیال میں کسی توسیع کی کوئی گنجائش
نہیں، اس کے مصداق صرف مجاہدین ہیں، فقر کی شرط کے ساتھ البتہ مجاہدین کے
ساتھ ان تمام لوگوں کو ملحق کیا جا سکتا ہے جو دین و ملت کی خدمت میں مصروف ہونے کے
باعث معاشی جد و جہد کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے، ایسے لوگ مجاہدین کی طرح فقر و دینی
خدمت دو وجہوں سے ترجیحی طور پر مال زکوٰۃ کے مستحق ہوں گے اور انھیں دینے والے لوگ
دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے۔

لیکن مساجد، مدارس، مکتبات، اسپتال، پلوں اور سڑکوں کی تعمیر اور اس قبیل کے دوسرے
ان تمام کاموں میں جن میں کسی مستحق کو زکوٰۃ کا مالک بنانا نہ پایا جائے زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا ناجائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

مصارفِ زکوٰۃ
فی سبیل اللہ

از: مولانا معاذ الاسلام سنبھلی، مدرسہ امدادیہ مراد آباد

فی سبیل اللہ سے مراد اور اس کے مفہوم میں مختلف اقوال و آراء اور ان کے دلائل تفصیل کے ساتھ آپ نے خود ہی سوال میں ذکر فرما دیے ہیں، اس لیے اس جواب میں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں؛ غور و فکر کے بعد میں جس نتیجہ پر پہونچا ہوں وہ پیش کیا جا رہا ہے۔

" انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفة قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل الآیة "

بعض منافقین نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگایا تھا کہ آپ (معاذ اللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصارف صدقات کو متعین فرما کر ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات خود متعین فرما دی ہے کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے [1]

---

[1] معارف القرآن

ابو داؤد اور دارقطنی نے زیاد بن حارث صدائی کی روایت نقل کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ میری قوم کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر روانہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ لشکر نہ بھیجیں میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ سب مطیع و فرمانبردار ہو کر آجائیں گے پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ اس پر آپ نے فرمایا،

"یا اخا صداء المطاع فی قومه"

جواب عرض کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں ابھی اسی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو یہ جواب دیا۔ صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالے نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیے اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں۔

"عن الصدائی ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعطیه من الصدقة فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیها فجزأها ثمانیة اجزاء فان کنت من تلك الاجزاء اعطیتك حقك"[1]

اس آیت کو لفظ انما سے شروع کیا گیا ہے یہ لفظ حصر و انحصار کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کلمہ نے بتلا دیا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں تمام صدقات واجبہ صرف انہی میں خرچ ہونے چاہئیں ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف خیر میں صرف نہیں ہو سکتے۔ جیسے جنگ کی تیاری، فوجوں کی تنخواہیں، قومی اسپتال، عمومی تعمیراتی، اسپتال و مدارس وغیرہ۔

"قال فی الکشاف قصر جنس الصدقات علی الاصناف المعدودة وانها مختصة بها لا تتجاوزها الی غیرها کانه قیل انما هی لهم لا لغیرهم ونحوه قولك انما الخلافة لقریش یرید لا تتعداهم"

---

۱ ہدایۃ المجتہد: ص ۲۸۵

ولا يفكرون لغيرهم فيحتمل ان تصرف الى الاصناف كلها وان تصرف الى بعضها [1]

آیت کا دوسرا لفظ صدقات صدقہ کی جمع ہے یہ لفظ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے عام ہے نفل صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے فرض زکوٰۃ کو بھی۔ نفل کے لیے اس کا استعمال عام ہے ہی قرآن و حدیث میں بھی ا۔۔ کے لیے استعمال ہوا ہے اور روایات حدیث میں ہر نیک کام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے مثلاً کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا۔ کسی کا بوجھ اٹھوا دینا، پانی کے ڈول میں سے کسی کو پانی دے دینا صدقہ ہے لیکن قرآن کریم میں فرض کے لیے بھی بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے بلکہ قرطبی کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے اور کوئی قرینہ نفلی صدقہ کا نہ ہو تو وہاں فرض ہی مراد ہوتا ہے۔ اس آیت میں باجماع امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان مراد ہے۔

تیسرا لفظ للفقراء سے شروع ہوا ہے اس کے شروع میں حرف لام ہے جو تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لیے جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف انہی لوگوں کا حق ہے جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے [2]

اس آیت میں آٹھ مصارف کا ذکر ہے۔ پہلے چار مصارف کا حق حرف لام کے تحت بیان ہوا ہے آگے بھی چار مصارف الرقاب، غارمین، سبیل اللہ، ابن سبیل کا بیان ہے۔ ان میں عنوان بدل کر لام کی جگہ حرف فی استعمال فرمایا ہے۔ زمخشری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ آخری چار مصرف بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لیے بولا جاتا ہے اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورت مند ہونا ہے۔

ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں پھر حرف فی کا اعادہ کیا گیا۔ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل و بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو غریب شخص کی امداد دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت، کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لیے مال نہ ہو یا وہ شخص جس کے

---

۱ الکفایہ فتح القدیر ۲/۲۰   ۲ معارف القرآن

ذمہ میں حج فرض ہو چکا، مگر اب اس کے پاس مال نہیں رہا، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں اس لیے مال زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی۔

"ثم ذکر فی الکشاف فان قلت لم عدل عن اللام إلی فی فی الاربعة الاخیرة قلت للایذان بانهم ارسخ فی استحقاق التصدق علیهم ممن سبق ذکره لان فی للوعاء فنبه علی انهم احقاء بان یوضع فیهم الصدقات ویجعلو مظنة لها ومصبا وذلک فی فک الرقاب من الکتابة او الرق او الاسر وفی فک الغارمین من الغرم من التخلیص والانقاذ ویجمع الغازی الفقیر او المنقطع فی الحج بین الفقر والعبادة وکذلک ابن السبیل جامع بین الفقر والغربة عن الاهل والمال وتکریر فی فی قوله تعالی وفی سبیل الله وابن السبیل فیه فضل ترجیح لهذین علی الرقاب والغارمین"[1]

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی تو بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں، وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔

بعض لوگوں کو لفظی معنی کے اعتبار سے یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر مصارف زکوٰۃ میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں جو سراسر غلط اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ صحابہ کرام اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

امام ابن جریر، ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لیے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو اور جن حضرات نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے

---

[1] الکفایہ فتح القدیر ۲/۶

ساتھ گیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں۔ لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے ادارے اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں۔ ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی تصریحات کے علاوہ اگر اس بات پر غور کر لیا جائے تو مسئلہ کے سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام رفاہ عامہ و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہوتا تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی ان کے آٹھ مصرف متعین فرما دیے تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔[1]

مختصر المعانی میں حقیقت و مجاز کی تعریف کرنے کے بعد کہا ہے کہ ہر ایک کی لغوی، شرعی، عرفی خاص، عرفی عام چار چار قسمیں ہیں۔ پھر کہا ہے کہ یہ نسبت حقیقت میں باعتبار واضع کے ہے اگر اس کا واضع لغت ہے تو لغویہ ہے اور اگر شارع ہے تو شرعیہ ہے الخ۔ اور مجاز میں اس اصطلاح کے اعتبار سے ہے کہ واقع ہو استعمال اس اصطلاح میں غیر وضعت لہ میں۔

پس اگر وہ لغت کی اصطلاح ہو تو مجاز لغوی ہے اور اگر اصطلاح شرع ہو تو شرعی ہے ورنہ عرفی عام یا خاص ہوگا جیسے کہ اسد سبع مخصوص اور رجل شجاع کے لیے پس وہ حقیقت لغویہ سبع میں اور رجل شجاع میں مجاز لغوی ہے۔ اور صلوٰۃ عبادت مخصوصہ اور دعا کے لیے پس حقیقی وہ عبادات میں حقیقت شرعیہ ہے اور دعا میں مجاز شرعی ہے۔

"وکل منہا ای من الحقیقۃ والمجاز لغوی وشرعی وعرفی خاص وعرفی عام وھذہ النسبۃ فی الحقیقۃ بالقیاس الی الواضع الخ"

---

[1] معارف القرآن

كان واضعها واضع اللغة فلغوية وان كان الشارع فشرعية وعلى
هذا القياس وفى المجاز باعتبار الاصطلاح الذى وقع الاستعمال
فى غير ما وضعت له فى ذلك الاصطلاح فان كان هو اصطلاح
اللغة فالمجاز لغوى وان كان اصطلاح الشرع فشرعى والا
فعرفى عام او خاص كاسد للسبع المخصوص والرجل الشجاع
فانه حقيقة لغوية فى السبع ومجاز لغوى فى الرجل
الشجاع وصلوٰة للعبادة المخصوصة والدعاء فانها حقيقة
شرعية فى العبادة ومجاز شرعى فى الدعاء [1]

بغیر کسی قرینہ کے لفظ سے عند الاطلاق جو متفاہم ہو وہ حقیقت ہے اور معنی مجازی کے مراد لینے کے لیے قرینہ درکار ہوتا ہے۔

فی سبیل اللہ کا استعمال غازی اور مجاہد میں بطور حقیقت شرعیہ کے ہے۔ قدوری میں ہے
"وفی سبیل اللّٰہ منقطع الغزاۃ عند ابی یوسف رحمہ اللّٰہ"

صاحب بدائع نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ —— لانہ ھو المتفاھم عند الاطلاق۔

امام محمدؒ کے نزدیک اس سے مراد منقطع الحاج ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کر دیا تھا تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا تھا کہ اس پر کسی حاجی کو سوار کر دے۔ ابو معقل اور ام معقل کی روایت جو ابو داؤد میں ہے جس میں فی سبیل اللہ کیے گئے اونٹ پر حج کرانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ صاحب فتح القدیر نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن مہاجر متکلم فیہ ہیں۔ دوسرے اس روایت کے بعض طرق میں یہ ہے کہ ابو معقل کی وفات کے بعد کا یہ واقعہ ہے اور ام معقل کو آپ نے عمرہ کرنے کے لیے فرمایا تھا۔ دوسرے اس حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد حج بھی ہے اس پر ابن ہمامؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ آیت میں جو فی سبیل اللہ مذکور ہے اس سے مراد کیا ہے اور حدیث میں جو ہے اس سے یہ لازم نہیں

---

[1] مختصر المعانی

تاہم آیت میں بھی مراد وہی ہو اس لیے کہ ہو سکتا ہے حدیث میں عام معنی مراد ہوں اور آیت میں نوع مخصوص مراد ہو، ورنہ اس اعتبار سے تو تمام ہی اصناف فی سبیل اللہ ہیں۔

"اخرج ابوداؤد فی باب العمرة عن ابی عبد الرحمٰن قال امرنی رسول مروان الذی ارسل الی ام معقل فسالته الی ان ذکر قالت یارسول اللہ ان علی حجة ولابی معقل بکرا قال ابو معقل جعلته فی سبیل اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطها فلتحج علیه فانه فی سبیل اللہ فاعطاها البکر وابراہیم بن مهاجر متکلم فیه وفی بعض طرقه انه کان بعد وفاة ابی معقل ذکرت ذلك لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لها اعتمری علیه ثم فیه نظر لان المقصود ما هو المراد بسبیل اللہ المذکور فی الآیة والمذکور فی الحدیث لا یلزم کونه ایاه لجواز انه اراد الامر الاعم ولیس ذلك المراد فی الآیة بل نوع مخصوص والا فکل الاصناف فی سبیل اللہ بذلك المعنیٰ"[1]

احادیث اور علماء کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے حقیقی معنی غازی اور مجاہد کے ہیں اور اصول فقہ میں ہے کہ جب تک معنی حقیقی پر عمل ممکن ہو گا معنی مجازی ساقط ہوں گے۔

"حتی امکن العمل بها سقط المجاز هذا اصل کبیر لنا یتفرع علیه کثیر من الاحکام ای مادام امکن العمل بالمعنی الحقیقی سقط المعنی المجازی لانه مستعار والمستعار لا یزاحم الاصل"[2]

بہرحال قرونِ اولیٰ میں زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تشریح میں دو ہی قول ملتے ہیں صحابہ، تابعین، مفسرین اور جمہور فقہاء نے فی سبیل اللہ کو غزوہ میں محصور کیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حج بھی شامل ہے۔ اب بعد میں کسی اجتہاد یا قیاس کے ذریعہ کسی تیسرے قول کی گنجائش باقی نہیں

---

[1] فتح القدیر ۲/۲۶۵ [2] نور الانوار، مبحث الحقیقة والمجاز۔

رہی کہ ان دونوں قولوں پر سلف کا اجماع ہو گیا، اب کوئی قیاس اجماع کے خلاف ہوگا تو وہ واجب الرد ہوگا۔ اجماع کی بحث میں اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے صاحب نور الانوار کہتے ہیں کہ امت جب کسی مسئلہ میں کسی زمانہ میں چند اقوال پر اختلاف کرے تو ان کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کے ما سوا باطل ہے۔ اور بعد والوں کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ کوئی قول آخر پیدا کریں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی قول ثالث کا بطلان فقط صحابہ میں ہے۔ وہ اگر دو قولوں پر اختلاف کریں تو ان کا قول ثالث کے بطلان پر اجماع ہو گیا، تمام امت کے لیے یہ بات نہیں ہے۔ صاحب نور الانوار کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ قول ثالث کا بطلان مطلق ہے اور ہر عصر کے اختلاف میں جاری ہوگا اور اس کو اجماع مرکب کہتے ہیں۔

"والامة اذا اختلفوا في مسئلة في اي عصر كان على اقوال كان اجماعا منهم على ان ما عداها باطل ولا يجوز لمن بعدهم احداث قول آخر كما في الحامل المتوفى عنها زوجها قيل تعتد بعدة الحامل وقيل بابعد الاجلين ولا يجوز ان تعتد بعدة الوفاة اذا لم تكن ابعد الاجلين وقيل هذا في الصحابة خاصة اي بطلان القول الثالث في الصحابة فقط فانهم ان اختلفوا على قولين كان اجماعا على بطلان القول الثالث دون سائر الامة ولكن الحق ان بطلان القول الثالث مطلق يجري في اختلاف كل عصر وهذا يسمى اجماعا مركبا"[١]

اگر ذبح کرنے والا قصداً تسمیہ ترک کر دے تو احناف کے نزدیک ذبیحہ حلال نہیں اور اگر نسیاناً ترک کر دیا تو حلال ہے، امام شافعی دونوں صورتوں میں حلال فرماتے ہیں۔ اس پر صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ ان کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے کیونکہ سلف میں متروک التسمیہ ناسیاً میں تو اختلاف تھا مگر عامداً میں کوئی اختلاف نہیں تھا، اسی لیے امام ابو یوسف اور مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ متروک التسمیہ عامداً میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور اگر قاضی نے اس کی بیع کے جواز کا حکم دے دیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا۔

---

١ نور الانوار مبحث الاجماع

اس لیے کروہ اجماع کے خلاف ہے۔

"ان ترک الذابح التسمیۃ عمدا فالذبیحۃ میتۃ لاتوکل وان ترکہا ناسیا أکل وقال الشافعی أکل فی الوجہین وہذا القول من الشافعی مخالف للاجماع فانہ لاخلاف فیمن کان قبلہ فی حرمۃ متروک التسمیۃ عامدا وانما الخلاف بینہم فی متروک التسمیۃ ناسیا فمن مذہب ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ یحرم ومن مذہب علی وابن عباس رضی اللہ عنہم انہ یحل بخلاف متروک التسمیۃ عامدا ولہذا قال ابویوسف والمشائخ رحمہم اللہ ان متروک التسمیۃ عامدا لایسع فیہ الاجتہاد ولوقضی القاضی بجواز بیعہ لاینفذ لکونہ مخالفا للاجماع"[1]

ان مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوا کہ فی سبیل اللہ کی تشریح میں صحابہ اور سلف میں دو ہی قول ملتے ہیں، غازی اور حجاج لہذا ان کا اس پر اجماع ہوگیا کہ اس کے خلاف تیسرا قول باطل ہوگا اور اس میں قیاس و اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

جمہور امت، ائمہ مجتہدین اور سلف کے اقوال کے برخلاف بعض غیر معروف اور مجہول حضرات کی طرف منسوب ایسے اقوال بعض لوگوں نے نقل کیے ہیں جو اجماع امت کے خلاف ہیں اور کسی طرح بھی قابل توجہ نہیں ہیں ورنہ اگر اس طرح کے شاذ و نادر اقوال کو قابل اعتنا تصور کیا جانے لگا تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا کیوں کہ اس طرح کے شاذ و نادر اقوال تلاش کرنے سے ہر مسئلہ میں مل جائیں گے۔

بعض لوگوں نے فی سبیل اللہ سے مراد طلبہ علم کو بتلایا ہے۔

"وفی سبیل اللہ وہو منقطع الغزاۃ) وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم"[2]

بعض حضرات نے غازی کے ساتھ طلبہ، علماء، قضاۃ، اصحاب افتاء اور مصنفین سب کو فی سبیل اللہ

---

[1] ہدایہ کتاب الذبائح [2] درمختار

میں داخل کیا ہے اگرچہ وہ غنی ہوں۔

بعض دوسرے حضرات نے ان سب کو عاملین میں داخل مان کر مصرف زکوٰۃ بتلایا ہے۔

"وعامل فيعطى ولو غنيا لا هاشميا لانه فرغ نفسه لهذ العمل فيحتاج إلى الكفاية .... وبهذ التعليل يقوى ما نسب للواقعات من ان طالب العلم يجوزله اخذ الزكوٰة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى ما لابد منه"[1]

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے کہ اس فرع پر کسی نے اعتماد نہیں کیا ہے کیوں کہ غنی کے لیے زکوٰۃ کو مطلقاً حرام کہتے ہیں، اس کے یہ خلاف ہے۔

"وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فى الغنى ولم يعتمده احد"[2]

اوپر ذکر آچکا ہے کہ بیت المال میں چار قسم کے اموال الگ الگ جمع کیے جائیں گے اور نوع ثالث یعنی اراضی کا خراج، جزیہ اور اہل ذمہ اور مستامنین تجارے عشار جو کچھ وصول کریں گے اس کا مصرف ولاۃ، قضاۃ، اہل فتویٰ علما، اور مقاتلہ کا رزق ہوگا، اور اسی سے راستوں، مساجد در باطات، قناطر وجسور اور سرحدوں وغیرہ کی اصلاح میں خرچ کیا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعون کے عہد میں قضاۃ اہل فتویٰ اور علماء وغیرہ نہ عاملین میں داخل تھے اور نہ فی سبیل اللہ میں۔

بعض لوگوں کا اس روایت سے استدلال کرنا جس میں یہ ہے کہ آپؐ نے زکوٰۃ کے اونٹوں سے مقتول کی دیت ادا فرمائی، یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے اور مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

ایک روایت میں ہے: ـــــ فوداه رسول الله صلى الله عليه وسلم من قبله۔
ایک میں ہے: ـــــ من عنده ـــــ ایک روایت میں ہے: ـــــ فوداه مائة

---

[1] درمختار [2] شامی ۲/۹۵

من اہل الصدقۃ۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس اخیر روایت کے الفاظ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ رواۃ کی غلطی ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کا یہ مصرف نہیں ہے اس کا مصرف وہ اصناف ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابو اسحٰق مروزی نے اس روایت کی بنیاد پر یہ فرمایا کہ دیت زکوٰۃ کے اونٹوں سے دی جا سکتی ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا ہمارے اور دیگر جمہور علماء اس کے معنی یہ بتلاتے ہیں کہ زکوٰۃ کے اونٹ جن لوگوں کو دیئے گئے تھے ان سے خرید کر آپؐ نے دیت میں دیئے۔ کچھ اور اقوال نقل کرنے کے بعد امام نووی فرماتے ہیں کہ مختار وہی ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ آپؐ نے اونٹوں کے مالکوں سے خرید کر دیئے۔ (مسلم ۲/۴۵)

معلوم ہوا کہ جو لوگ مصارف زکوٰۃ میں وسعت پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور ان کا اس سے استدلال جمہور کے خلاف ہوگا۔

رہا یہ اختلاف کہ غازی غنی کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں تو احناف کے نزدیک نہیں دی جا سکتی ان کے نزدیک عاملین اور مولفۃ القلوب کے علاوہ سب مصارف میں فقر کی شرط ہے۔ ان کی ایک دلیل تو یہ ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے کہ یہاں تعلیق حکم مشتق پر ہے، لہٰذا قاعدہ کے مطابق مبدأ اشتقاق حکم کی علت ہوگا اور ان اسماء میں جو ماخذ اشتقاقات ہیں ان میں فقر و حاجت مناط و ملحوظ ہے۔

دوسرے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے جو حدیث کی مشہور کتب ستہ میں مروی ہے کہ:

"تؤخذ من اغنیاٴھم وترد علی فقراٴھم"

نسائی اور ابوداؤد میں حدیث ہے کہ دو آدمی آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ زکوٰۃ تقسیم فرما رہے تھے تو انھوں نے بھی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم چاہو تو دے دوں لیکن اس میں غنی اور قوی مکتسب کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

"واحسنها عندی ما اخرجه النسائی وابوداؤد عن هشام بن عروة عن ابیه عن عبید الله بن عدی بن الخیار قال اخبرنی رجلا انهما اتیا النبی صلی الله علیه وسلم وهو یقسم الصدقة فسالاه فرفع فینا البصر وخفضه فرآنا جلدین

فقال ان شئتما اعطيتكما ولاحظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب؛
صاحب فتح القدیر اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فهذا مع حديث معاذ يفيد منع غني الغزاة والغارمين عنها فهو حجة على الشافعي في تجويزه لغني الغزاة اذ لم يكن له شيء في الديوان ولم ياخذ من الفيء وما تقدم من ان الفقراء في حديث معاذ صنف واحد كما قاله ابن الجوزي غير صحيح فان ذلك المقام مقام ارسال البيان لاهل اليمن وتعليمهم والمفهوم من فقرائهم من اتصف بصفة الفقراء اعم من كونه غارماً اوغازيا فلو كان الغني منهما مصرفا كان فوق ترك البيان في وقت الحاجة لان في ذلك ابقاء للجهل البسيط وفي هذا ايقاعهم في الجهل المركب لان المفهوم لهم من ذلك ان الغني مطلقا ليس يجوز الصرف اليه غازيا او غيره فاذا فرض انه خلاف الواقع لزم ما قلنا وهو غير جائز فلا يجوز ما يفضي اليه." (فتح القدير ٢/٢٩)

امام شافعیؒ نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے:

"لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة الحديث"

اس کا جواب شیخ ابن ہمامؒ نے یہ دیا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہی ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو حدیث معاذ کی سی قوت نہیں رکھتی اور اگر اس جیسی قوت بھی ہو تب بھی حدیث معاذ کو ترجیح ہوگی اس لیے کہ وہ مانع ہے اور امام شافعیؒ نے جس کو روایت کیا ہے وہ مبیح ہے۔

"وما رواه ابوداؤد وابن ماجه ومالك عنه عليه الصلوٰة والسلام لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة الحديث قيل لم يثبت ولو ثبت لم يقو قوة حديث معاذ فانه رواه اصحاب الكتب الستة مع قرينة من الحديث الاخر ولو قوي قوته ترجح حديث معاذ بانه مانع وما رواه مبيح." (فتح القدير ٢/٢٩)

مصرف زکوٰۃ "فی سبیل اللہ"

از ——— ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی (علی گڑھ)

فی سبیل اللہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں ساتواں مصرف ہے، اس لفظ کے معنیٰ و مفہوم میں بڑی وسعت ہے، زکوٰۃ کے مصارف کے تعلق سے اس کے معنیٰ و مفہوم کی کوئی جامع و مانع تفسیر احادیث میں نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ اس کے مدلول کی تعیین میں قدیم و جدید فقہاء کرام کے درمیان افراط و تفریط پر مبنی کافی اختلافات پائے جاتے ہیں، ایک طرف بعض فقہاء نے اس میں اس قدر تضییق پسندی سے کام لیا کہ اس کو فقیر و محتاج مجاہدین تک محدود کر دیا جس سے فی سبیل اللہ بجائے ایک مستقل مصرف ہونے کے فقراء و مساکین کی ایک ذیلی قسم بن کر رہ گیا، دوسری طرف بعض توسیع پسند حضرات نے ہر کار خیر کو "فی سبیل اللہ" مان لیا، کچھ درمیانی قسم کے حضرات نے جہاد کی ہر قسم، مصالح عامہ کے ہر کام اور تعلیم و تعلّم کی ہر کوشش کو فی سبیل اللہ میں شامل کر لیا، جن کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

"فی سبیل اللہ" قرآن مبین کی ایک اصطلاح ہے اور قرآن کا یہ بیان ہے کہ اس نے اس میں ہر چیز کی وضاحت کر دی ہے۔

سورۃ القیامہ میں ہے:

"فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

(۷۵ : ۱۹)

سو جب ہم اسے پڑھ دیا کریں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کریں، پھر ہمارے ہی اوپر

ہے اس کا بیان کر دینا بھی۔"

سورۃ النحل میں ارشاد ہے :

"ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء ٥"

(۱۶ : ۸۹)

"اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔"

سورۃ ھود کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے :

"الٓرٰ ٥ کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر ٥"

(۱۱ : ۱)

"الٓر یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم کر دی گئی ہیں، پھر ایک حکیم و باخبر (خدا) کی طرف سے ان کو صاف صاف بیان بھی کر دیا گیا ہے۔"

ان سے ملتی جلتی آیات اور بھی مختلف مقامات پر وارد ہیں اور انہی سے یہ تفسیری اصول نکلا کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضا" یعنی قرآن اپنے بعض مجمل حصوں کی بعض دوسرے حصوں سے تفسیر کر دیتا ہے۔

اس بنا پر راقم کو خیال ہوا کہ کیوں نہ فی سبیل اللہ کی تفسیر و تعیین کے لیے قرآن ہی سے رجوع کیا جائے کہ تاریخ اسلامی کے اکثر مراحل میں اور شدید اختلافات کے مواقع پر امت کو اسی کتاب ہدایت سے رہنمائی ملی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال کے بعد شدت جذبات کا عالم ہو یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا مسئلہ، حضرت عمرؓ کے دور میں مہر کی حد بندی کا قصہ ہو یا ارض عراق کی تقسیم کا معاملہ، فیصلہ کن ہدایت اسی کتاب سے ملی۔

چنانچہ راقم نے اپنی بے مائیگی کے احساس اور فوق کل ذی علم علیم کے حضور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی دعا اور ہدایت کی توقع کے ساتھ لفظ فی سبیل اللہ کے معنی کی قرآن مجید سے تعیین و تحدید کرنے کی کوشش کی ہے اس کے لیے سب سے پہلے میں نے ان تمام مقامات کو نشان زد کیا جہاں یہ اصطلاح آئی ہے، پھر اس کے صلات و متعلقات اور [illegible] سیاق سباق کی روشنی میں اس کے معنی طے کیے ہیں، پھر جملہ مصارف زکوٰۃ کی نوعیت و مزاج پر غور کرنے کے بعد [illegible]رف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے مدلول و مراد کو بیان کیا ہے اس

مطالعہ میں متعلقہ احادیث اور مفسرین کرام کے نتائج فکر کو بھی سامنے رکھا ہے۔

"فان اهتديت فمن الله وارجو ان لى اجرين وان اخطأت فمن نفسى ولا ازال ارجو اجرا واحدا"۔

سبیل کے لغوی معنیٰ

سبیل کے لغوی معنیٰ ہیں راستہ کے، عربی کے مشہور لغت لسان العرب میں ہے:

"السبيل الطريق وما وضح منه ويذكر ويؤنث وسبيل الله طريق الهدى الذى دعا اليه"۔

"سبیل کے معنیٰ ہیں راستہ یا نشان راہ، یہ مذکر و مؤنث دونوں مستعمل ہے۔ اللہ کے راستہ کا مطلب ہے وہ راہ ہدایت جس کی طرف اس نے بلایا ہے"۔

قرآن مجید میں سبیل اپنے لغوی معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے:

سورۃ الکہف میں ہے:

"واتخذ سبيله فى البحر عجبا" ○ (۶۳:۱۸)

"اور اس نے دریا میں عجیب طور پر اپنی راہ لی"۔

سورۃ الزخرف میں ہے:

"الذى جعل لكم الارض مهدا وجعل لكم فيها سبلا" ○ (۱۰:۴۳)

"جس نے زمین کو تمہارے لیے مثل فرش کے بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنائے"۔

سبیل کے مجازی و اصطلاحی معنیٰ

لیکن قرآن مجید "سبیل" کو اکثر مجازی و اصطلاحی معنیٰ میں استعمال کرتا ہے اور جب یہ اللہ کی طرف اضافت کے ساتھ آئے تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں نبیوں کے ذریعہ بتایا ہوا اللہ کا سچا راستہ، ایمان و اسلام کی راہ، جو آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار کرے، سورۂ یوسف میں اللہ کی نشانیوں اور ایمان بالتوحید کے

تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

"قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني ○"

[١٠٨:١٢]

"آپ کہہ دیجئے کہ میرا راستہ یہ ہے میں لوگوں کو (توحید) خدا کی طرف بھی بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی:

سبیل اللہ کے موقع استعمال

جس طرح ایمان کے مختلف شعبے اور درجات ہیں اسی طرح سبیل اللہ کے کام بھی مختلف نوعیت کے ہیں مگر ان سارے کاموں کے لیے ایمان اور اخلاص نیت شرط ہے کہ اس کے بغیر کوئی کام اللہ کے راستے کا نہیں ہو سکتا۔ ریاکار شہید، عالم اور سخی سے متعلق مشہور حدیث ہے کہ ان کی اللہ کے حضور پیشی ہوگی اور ان کی بظاہر نیکیوں اور محنت کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے گا کہ وہ فقط لوجہ اللہ نہیں تھیں۔

قرآن شریف میں ہے:

"أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله لا يستوون عند الله ○"

(١٩:٩)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہو، یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے۔"

مذکورہ ذیل شواہد سے معلوم ہوا کہ کوئی فی سبیل اللہ نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ لوجہ اللہ نہ ہو، اور نہ کوئی ہر فی سبیل اللہ کا کام حیثیت و اثر میں برابر ہو سکتا ہے۔

قرآن میں سبیل اللہ کے بالمقابل سبیل الطاغوت بھی ہے:

"الذين آمنوا يقاتلون في سبيل الله والذين كفروا يقاتلون في سبيل الطاغوت فقاتلوا أولياء الشيطان إن كيد الشيطان كان ضعيفا ○" (٧٦:٤)

"وہ جو لوگ ایمان لائے وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور وہ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جنگ کرو، بلا شبہ شیطانی چال کمزور ہوتی ہے۔"

اس آیت میں طاغوت کی راہ سے مراد کفر و سرکشی کی وہ راہ مراد ہے جس کی طرف شیطانی قوتیں بلاتی ہیں اور جہنم کو لیجاتی ہے۔

قرآن شریف میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف کا ذکر ہے وہاں فی سبیل اللہ مطلق آیا ہے باقی ہر جگہ کسی عمل سے متعلق ہو کر آیا ہے، مطلق فی سبیل اللہ کے معنیٰ و مراد کو متعین کرنے سے پہلے اس کے دوسری جگہوں پر استعمال پر نظر ڈال لینا مناسب رہے گا۔ قرآن مجید میں فی سبیل اللہ دو حروف جر "فی" اور "عن" کے ساتھ آیا ہے۔ فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) اور عن سبیل اللہ (اللہ کی راہ سے) قتل و قتال، ہجرت، جہاد، انصار و تغیر، ضرب، اصابت اور انفاق جیسے اعمال کے ساتھ فی سبیل اللہ مجموعی طور پر پچاس سے زائد بار آیا ہے، اسی طرح عن سبیل اللہ ضلالہ و اضلال اور صد کے ساتھ تیس سے زائد مرتبہ استعمال ہوا ہے، ان کے علاوہ فی سبیلہ و فی سبیلک اور عن سبیلہ و عن سبیلک بھی متعدد جگہوں پر آئے ہیں، پہلے ہم عن سبیل اللہ پر غور کرتے ہیں۔

عن سبیل اللہ سے مراد

جیسا کہ اوپر کے سطروں میں عرض کیا گیا، عن سبیل اللہ ضلالہ و اضلال اور صد کے ساتھ آیا ہے اس طرح ضلّ عن سبیل اللہ اور اضلال عن سبیل اللہ کے معنی اللہ کی راہ سے بھٹک جانے یا گمراہ کرنے کے ہوئے، اور صد عن سبیل اللہ کے معنی ہوئے اللہ کی راہ سے روکنا۔ ان آیات کا جائزہ لینے سے جہاں پر ضلّ و اضلال یا صد عن سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں، واضح ہوتا ہے کہ ان تمام مواقع پر سبیل اللہ کے معنی عام کار خیر ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہاں مراد اتباع حق، دعوت دین، توحید اور آیات اللہ ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اضلال اور صد عن سبیل اللہ والی کچھ آیات مکی بھی ہیں اور اہل مکہ کے لیے توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان اور اس کے مطابق زندگی گزارنا ہی سب سے زیادہ شاق تھا اور اسی سے وہ روکنا چاہتے تھے، رہا سبیل اللہ کے وہ عام معنیٰ جس میں ہر کار خیر شامل ہو وہ ان آیات میں اس لیے

مراد نہیں ہے کہ ایسے نیک کام جن میں متضاد نظریات کا تصادم نہ ہو ان سے روکنے کی کوشش کی گئی ہو یا کسی کو بھوکوں، اعزہ و اقرباء کے حقوق پورے کرنے، غریبوں کی مدد کرنا، بیوہ عورتوں اور مظلوموں کی داد رسی جیسے امور فی سبیل اللہ کے وسیع معنی میں شامل ہیں۔ گویا ایسے کاموں کا کوئی بخیل و حب مال یا بدعقیدہ کا انسان منکر نہیں ہوتا ہے۔ سوائے ان معدودے چند لوگوں کے جن کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہو یا جو کسی خود غرضانہ مقصد کی تکمیل پر تلے ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"الذين يبخلون ويأمرون الناس بالبخل ويكتمون ما آتاهم الله من فضله ۝

(۴ : ۳۷)

"وہ لوگ جو کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ہی سے جو انہیں دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔"

یا:

"المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يأمرون بالمنكر وينهون عن المعروف ويقبضون أيديهم ۔ نسوا الله فنسيهم إن المنافقين هم الفاسقون" ۝

(۹ : ۶۷)

"منافق مرد یا منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی انہیں بھلا دیا۔ بے شک یہ منافق بڑے بدکردار ہیں۔"

اس سے واضح ہوا کہ اضلال اور صد عن سبیل اللہ میں سبیل سے مراد وہی ہے جس کے لیے مومن جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

"يسألونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم إن استطاعوا ... ۝

(۲ : ۲۱۷)

"لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ

اس میں قتال کرنا جرم عظیم ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، اور
مسجد حرام سے روکنا اور ان لوگوں کو نکال دینا جو اس کے اہل حق دار تھے اللہ کے
نزدیک اس سے کہیں بڑا جرم ہے اور فتنہ پردازی قتل سے بڑھ کر ہے، اور یہ لوگ
برابر تم سے برسرپیکار رہیں گے کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ قابو پا جائیں"
یہاں صد عن سبیل اللہ کے بعد کفر سے معلوم ہوا کہ ایمان سے روکنا مراد ہے پھر اس کے
علاوہ دوسرے بہت سے جرائم گنائے جن کی روک تھام کے لیے اشہر حرم میں بھی قتال کو جائز قرار دیا ہے،
اور اسے جہاد فی سبیل اللہ گردانا۔ سورۃ لقمان میں ہے:

"ومن الناس من یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم و
یتخذھا ھزوا اولئک لہم عذاب مہین ۞"

(۳۱: ۶)

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو غافل کرنے والی باتوں کو خریدتے ہیں تاکہ اللہ کے راستے
سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کریں اور اس کا مذاق اڑائیں، ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے"
یہاں بھی اللہ کی راہ سے مراد قرآن کی دعوت اور نبی کی اتباع مراد ہے، جس کی راہ سے رکاوٹیں
دور کرنے کے لیے جہاد کا حکم آیا ہے۔
سورۃ محمد کے آغاز میں ہے:

"الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالہم ۞"

(۴۷: ۱)

"جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، خدا نے ان کے اعمال کو کالعدم کر دیا"
یہاں آگے کی آیات کے مطالعہ سے صاف واضح ہے کہ صد عن سبیل اللہ سے مراد اتباع حق سے
روکنا ہے، پھر کافروں سے قتال کی بات کہی گئی ہے، اور آخر میں فرمایا:

"والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالہم ۞"

(۴۷: ۵)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا"

اس سے یہ معلوم ہوا کہ صرف فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جو جنگ ہو وہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔

فی سبیل اللہ سے مراد

فی سبیل اللہ کا سب سے زیادہ استعمال قرآن شریف میں قتل و قتال کے ساتھ ہوا ہے، مجموعی طور پر سترہ مرتبہ۔ ظاہر ہے جان جیسی متاع عزیز کا قربانی کرنا یا برباد کرنا کسی بڑے مقصد ہی کے لیے ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ کی آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل و قتال فی سبیل اللہ وہ خونریزیاں ہیں جو اتباع حق کی راہوں میں حائل رکاوٹوں کے دور کرنے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہوں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے:

"من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله"

"وہ شخص جو اس لیے لڑے کہ اللہ کے کلمہ کا بول بالا ہو وہ درحقیقت فی سبیل اللہ جنگ کر رہا ہے۔"

اسی طرح طاغوتی نظام کو ختم کرنے کے لیے جنگ، ایمان و اسلام کے راستہ کی پیروی کی وجہ سے کسی پر چڑھائی کی جائے اس کا دفاع، عزت و آبرو اور جان و مال کو نشانہ بنایا جائے اس کے تحفظ کے لیے جنگ، انسان کو دوسرے کی غلامی سے بچانے کے لیے لڑائی بھی فی سبیل اللہ ہے، بشرطیکہ ان اقدامات کی وجہ کلمۂ حق کا اقرار اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا عزم ہو۔

"أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق إلا أن يقولوا ربنا الله . . . ."

[۲۲: ۳۹-۴۰]

"اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔"

"فليقاتل في سبيل الله الذين يشرون الحياة الدنيا بالآخرة ومن

يقاتل في سبيل الله فيقتل او يغلب فسوف نؤتيه اجرا عظيما ○ وما لكم لا تقاتلون في
سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا
اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا
من لدنك نصيرا ○

(۴:۷۵)

پس اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرے جو آخرت کی زندگی کے بدلے دنیوی زندگی اختیار کیے ہوئے ہیں، اور جو شخص بھی اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آجائے ہم اس کو اجر عظیم دیں گے اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لیے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لیے غیب سے کسی حامی و مددگار کو بھیج دیجئے۔

ملک گیری کی ہوس، نام و نمود کے لیے، ایک نظام باطل کو مٹا کر دوسرے باطل نظام کو نافذ کرنے کی خاطر جنگ کا فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قتل و قتال کے ساتھ فی سبیل اللہ کے بعد سب سے زیادہ یہ ہجرت و جہاد کے ساتھ آیا ہے، چار مقامات پر صرف ہجرت کے ساتھ[1] چھ مقامات پر ہجرت و جہاد کے ساتھ[2] اور صرف جہاد کے ساتھ چھ مقامات پر۔[3] اس کے علاوہ ایک جگہ جہاد فی سبیلی اور دو جگہوں پر جہاد فی سبیلہ بھی آیا ہے۔[4] ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ ہجرت و جہاد کی غرض و غایت وہی ہے جو فی سبیل اللہ قتل و قتال کی ہے اور دونوں جگہوں پر فی سبیل اللہ کے معنی و مراد ایک ہی ہے البتہ قتال و جہاد میں خاص و عام کا تعلق ہے، جہاد کے لفظی معنی ہیں، کسی کام میں انتہائی کوشش صرف کرنا۔ اس طرح قتال جہاد کا انتہائی عروج ہے، ہر قتال فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ ہے لیکن ہر جہاد فی سبیل اللہ کو قتال فی سبیل اللہ نہیں کہہ سکتے، ایک طرح سے دونوں میں یوں بھی فرق کر سکتے ہیں کہ قتال فی سبیل اللہ مخصوص ہوتا ہے جس میں مقاتل اپنی انتہائی قیمتی چیز جان کو

داؤ پر لگا دیتا ہے، جب کہ جہاد مالی کے علاوہ، زبان، قلم، سعی کے ذریعہ ہوتا ہے؛ چنانچہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالاموال کا ذکر آیا ہے، گویا جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال بھی ہوتا ہے۔ احادیث میں جہاد کی مختلف صورتوں کا خاص طور سے ذکر ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بڑا جہاد کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

"کلمة حق عند سلطان جائر"

"ظالم صاحب اقتدار کے سامنے حق بات کہنا۔"

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مشرکین سے جہاد کرو اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعہ۔"

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ و جہاد کے لیے نکلنے اور کوچ کرنے کے لیے درج ذیل آیات میں ضرب فی سبیل اللہ اور نفیر فی سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں:

"یاایها الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل الله فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مؤمناً تبتغون عرض الحیاة الدنیا ..."

(٤: ٩٤)

"اے ایمان والو، جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو، اور ایسے شخص کو جو تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے، دنیوی سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔"

"یاایها الذین آمنوا ما لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض"

(٩: ٣٨)

"اے لوگو جو ایمان لائے، تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو۔"

اس راہ میں بھوک، پیاس اور مصائب و مشکلات پہنچنے کے لیے اصابۃ فی سبیل اللہ اور ظمأ ونصب ومخمصۃ فی سبیل اللہ کہا گیا ہے:

"وکاین من نبی قاتل معه ربیون کثیر فما وهنوا لما اصابهم فی سبیل الله"

وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین" ○

(۱۴۶:۳)

"اور کتنے ہی نبیوں کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں سو نہ ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ دو دبے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے۔"

"ذالک بانہم لا یصیبہم ظمأ ولا نصب ولا مخمصۃ فی سبیل اللہ ولا یطئون موطأ یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لہم بہ عمل صالح ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین" ○

(۱۲۰:۹)

"اور ایسا اس لیے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگتی ہے اور جو ماندگی پہونچتی ہے اور جو بھوک لگتی ہے اور جو بھی اللہ کی راہ میں چلتے ہیں جو کفار کے لیے موجب غضب ہوتا ہے اور دشمنوں سے جو بھی پا لیتے ہیں ان سب کے بدلے ایک ایک نیک عمل ان کے لیے لکھا جاتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

سفر سے معذور، دعوتی کاموں میں معروف اور مجاہدین کے مصالح کی نگرانی کرنے والے بھی اسی گروہ میں شامل ہوں گے، ان کے لیے احصار فی سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں، صدقات کا ان کو حقدار بناتے ہوئے ارشاد ہے :

"للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف، تعرفہم بسیماہم لا یسئلون الناس الحافا" ○

(۲۷۳:۲)

"(صدقات اصل میں) ان حاجتمندوں کے لیے ہیں جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں (اور اسی وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے ہیں اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے، ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے، تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔"

فی سبیل اللہ آیت صدقات میں

صدقات (زکوٰۃ) کے مصارف کے ذکر میں فی سبیل اللہ مطلق آیا ہے۔ اس کی تعیین قرآن میں اس کے دوسرے استعمالات سے ہوگی۔ اوپر ہم نے دیکھا کہ قتل و قتال اور ہجرت و جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ آتا ہے تو اس کے معنی اعلاء کلمۃ اللہ، دعوت الی اللہ اور دین اسلام کی نصرت و حمایت کے ہوتے ہیں۔ صرف انفاق سے متعلق بعض آیات میں فی سبیل اللہ اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی نیکی کے سبھی کام۔ چوں کہ زکوٰۃ کے انفاق فی سبیل اللہ کے معنی کی تعیین کا مسئلہ ہے اور جہاں اس کے مصارف کا ذکر ہے وہاں فی سبیل اللہ کو نیکی کے عام کاموں کو الگ کر کے ذکر کیا ہے، اس سے یہ واضح ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ نیکی کے دیگر کاموں سے الگ کوئی خاص اور اہم کام ہے۔ قرآن کی بقیہ بھی آیات جہاں فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے۔ اس خاص اور اہم مقصد کی تعیین کرتی ہیں، یعنی شرک کے مقابل ایمان و اسلام کو قائم رکھنے، طاغوت کے بالمقابل اللہ کی طرف دعوت دینے اور ناحق و باطل قوتوں کے خلاف حق و انصاف کی نصرت و حمایت اور دین کے غلبہ کی خاطر فی سبیل اللہ کو جہاد سے متعلق کرنے پر اس مقصد کے لیے تمام طرح کی انتہائی کوششیں اس میں شامل ہوں گی۔ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ پر جمہور فقہاء و مفسرین کا اتفاق ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جہاد صرف قتال فی سبیل اللہ یعنی عسکری جہاد تک محدود ہو گیا۔ اور بعض نے جہاد کی ہر شکل کو زکوٰۃ کا مصرف مانا ہے۔ اول الذکر رائے متقدمین کی ہے۔ اور ثانی الذکر متاخرین علماء کی، دونوں پر اپنے زمانہ کے حالات کا گہرا اثر معلوم ہوتا ہے۔

کیا فی سبیل اللہ کا ہر کام زکوٰۃ کا مصرف ہے

فی سبیل اللہ کے اندر جہاد کے بالاتفاق داخل ہونے کے بعد علماء کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا اس کے مدلول میں جہاد کے علاوہ بھی کوئی چیز شامل ہے۔ اس سلسلہ میں بعض علماء نے اس میں اتنی وسعت اختیار کی کہ اس کے اندر نیکی کا ہر کام شامل کر دیا ہے[۲۲]۔ اس رائے کی کمزوری واضح

ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا قرآن میں فی سبیل اللہ کے بیشتر استعمالات اس کا ساتھ نہیں دیتے، اس صورت میں مصارف صدقات میں فی سبیل اللہ کے علاوہ باقی جو مستحقین کا ذکر ہے، وہ بھی فی سبیل اللہ کے عمومی معنی میں داخل ہوں گے، اس لیے اگر فی سبیل اللہ کے عمومی معنی لیے جائیں، تو بے سبب تکرار لازم آئے گی، جس سے کلام اللہ منزہ ہے، اس لیے یہ رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

بعض علماء نے ایک حدیث کی بنیاد پر فی سبیل اللہ میں جہاد کے علاوہ حج کو بھی شامل کیا ہے۔ اور بعض نے ہر کار خیر کو تو نہیں البتہ مصالح عامہ کے کاموں کو فی سبیل اللہ کے اندر داخل کیا ہے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی روشنی میں ان دو رایوں کا جائزہ لیا جائے، کیوں کہ قرآن ہی نے مصارف زکوٰۃ بیان کیے ہیں۔

کیا فی سبیل اللہ کے معنی میں حج زکوٰۃ کا مصرف ہے

حج اسلام کے ارکان میں سے پانچواں رکن ہے، اس کی فرضیت کے لیے بنیادی شرط ہے کہ آدمی اتنا مالدار ہو کہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے اور واپسی کے اخراجات برداشت کر سکے۔ قرآن شریف میں صاف طور پر یہ حکم آیا ہے:

"وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ۝"

(۳:۹۷)

"اور اللہ کے واسطے لوگوں پر فرض ہے اس مکان کا حج کرنا یعنی اس شخص پر جو وہاں تک کے راستے کی طاقت رکھے۔"

اس آیت سے بغیر کسی شبہ کے یہ ثابت ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے حج کرنا کرانا قرآنی منشاء کے بالکل خلاف ہے۔ رہی وہ حدیث جس کی بنیاد پر بعض صحابہ اور کچھ ائمہ نے حج کو بھی فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے، تو اول اس حدیث کے راویوں کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے، اس کے متن میں تعارض ہے، کہ ایک حدیث کی رو سے یہ واقعہ ابو معقلؓ کی زندگی میں اور دوسری حدیث کی رو سے ان کی وفات کے بعد پیش آیا، پھر یہ کہ حدیث سے قطعاً ظاہر نہیں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ مصرف کی حیثیت سے حج کو فی سبیل اللہ کہا ہو، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابو معقلؓ نے

عام معنوں میں صدقہ فی سبیل اللہ اونٹ دینے کی نذر مانی تھی، جس کو ام معقل کے اس کہنے پر کہ مجھ پر حج لازم ہے، کیا ابو معقلؓ کے اونٹ کو فی سبیل اللہ استعمال کر سکتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ حج بھی فی سبیل اللہ ہے۔ حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ام معقلؓ کو صرف اونٹ کی منفعت یعنی سواری کی اجازت دی گئی یا ان کو اونٹ کا مالک بنا دیا گیا۔ بعض ائمہ کی راویوں میں منفعت کی حد تک دینے میں حرج نہیں ہے۔ بہت قرین قیاس یہ ہے کہ وہ حج بھی غالباً فرض حج نہیں تھا ورنہ ضرور ان کے پاس بیت اللہ کے راستے کی پوری استطاعت ہوتی۔ شاید وہ حج نذر ماننے کی وجہ سے تھا، اس صورت میں ان کا استحقاق حج کی وجہ سے نہیں بلکہ فقر کی وجہ سے تھا۔ بس ان کو یہ اندیشہ رہا ہوگا۔ ایک چیز جو فی سبیل اللہ نذر مانی گئی تھی (ظاہر ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ کے معنی عام خیر کے کام رہا ہوگا) اس کو حج کے لیے استعمال کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس تردد کو یہ کہہ کر دور کر دیا گیا کہ حج بھی (عام معنوں میں) فی سبیل اللہ ہے اس لیے نذر کے اونٹ کو نذر کے حج میں استعمال کرنا صحیح ہوگا۔

کچھ ائمہ نے اس حدیث کا منشا یہ لیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم منقطع الحاج پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ مگر منقطع الحاج جو اپنے توشہ و زاد راہ سے بچھڑ گیا ہو اس کی مدد بہ بنائے ابن السبیل ہوگی نہ بہ بنائے حج۔

مصارف زکوٰۃ پر عمومی نظر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ بہت سے علماء نے لکھا ہے۔ کہ زکوٰۃ کا مستحق یا تو اپنی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے فقیر، مسکین، رقاب، ابن السبیل یا اس وجہ سے کہ عامۃ المسلمین کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے عامل زکوٰۃ، غارم لاصلاح ذات البین، مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ۔ غیر فرض حج نہ تو محتاج کی ضرورت ہے، اور نہ ہی اس کے حج کی ملت کو کوئی احتیاج ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں حج کو فی سبیل اللہ زکوٰۃ کا مصرف ماننا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

مصالح عامہ کے کاموں پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا

بہت سے علماء خصوصاً متاخرین نے فی سبیل اللہ کے تحت مصالح عامہ کے کاموں کو زکوٰۃ کا مصرف مانا ہے۔ راقم کے خیال میں یہ رائے نہ تو بالاتفاق صحیح ہے اور نہ ہی بالکلیہ غلط۔ اصل میں مصالح عامہ کے کاموں کی ذمہ داری عام طور پر حکومت کی ہوتی ہے، کیوں کہ ایسے کاموں کی لاگت بہت ہوتی ہے جبکہ ان کے منافع عام ہوتے ہیں، اکثر ایسے کاموں سے ایک فرد کے انتفاع سے دوسرے کا انتفاع کم نہیں ہوتا،

چنانچہ ان کی انفرادی رسد ممکن نہیں ہوتی۔ مصالح عامہ کے کاموں کی مثال ہے، ماحولیات کی آلودگی سے تحفظ، صحت و صفائی کے انتظامات، ریڈیو اور ٹی وی کے نشریات، امن و امان کا قیام، ملک کا دفاع، مدارس درسگاہیں وغیرہ۔ اگر بالاطلاق مصالح عامہ کے کاموں کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ دوسرے مصارف کے لیے زکوٰۃ بچے گی نہیں، بلکہ خود مصالح عامہ کے کاموں کے لیے ناکافی ہوگی۔ اس لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مصارف عامہ کے کون سے کام ہیں، جن کا فی سبیل اللہ (دعوت حق، اعلاء کلمۃ اللہ اور نصرت دین) سے براہِ راست تعلق ہے، اور کون سے کام ایسے نہیں ہیں، جن کاموں کا براہ راست تعلق ہو وہ جہاد کی تیاری اور متعلقہ کاموں کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف ہو سکتے ہیں اور جن کا براہ راست تعلق نہ ہو وہ فی سبیل اللہ کی قرآنی تعریف میں نہیں آئیں گے۔ مثلاً ماحول کی مادی آلودگی مصالح عامہ کا کام ہے۔ جس کا عام حالات میں جہاد فی سبیل اللہ سے تعلق نہیں ہے لیکن ماحول کی روحانی آلودگی (یا یہ کہ معاشرہ میں شر پسند اور طاغوتی قوتیں زور پکڑ رہی ہوں اور دین و اخلاق کا جنازہ نکل رہا ہو) فی سبیل اللہ سے براہ راست متعلق ہے اور اس کا علاج زکوٰۃ کا مصرف ہوگا۔ حالات کے لحاظ سے بھی اس میں فرق واقع ہوگا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مصالح عامہ کا کوئی کام ایک خاص وقت میں فی سبیل اللہ کے تحت آئے اور دوسرے وقت ایسا نہ ہو۔ نائبین رسول اور اولی الامر کو اس کا فیصلہ کرنا ہوگا۔

مصارف کی ترتیب و ترجیح

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف درج ہیں ان کی ترتیب پر راقم نے غور کیا تو یہ وجہ سمجھ میں آئی کہ یہاں مستحقین کا ذکر الاہم فالاہم کے اصول پر ہوا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عام حالات میں ہر شخص کے لیے ہر مستحق پر زکوٰۃ خرچ کرنا لازم نہیں۔ اسی طرح ان کو دینے میں مساوات نہ کرنا یا خارج سے کچھ عوارض کی وجہ سے بعد والوں کو ترجیح دینا جائز ہے (گو اس میں سے بعض کے بارے میں کچھ ائمہ کے یہاں اختلاف بھی ہے) لیکن جب کوئی ہنگامی حالات نہ ہوں، اس وقت مثلاً فقراء و مساکین کو محروم کر کے تالیف قلب میں خرچ کرنا یا ان کو بیچ کا چھوڑ کر قرض چکانے لگنا قرآنی ترجیح کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اپنی اس فہم کی تائید میں متقدمین میں سے امام رازی کے یہاںؒ اور متأخرین میں مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں ملتی جلتی رائے دیکھ کر خوشی ہوئی خصوصاً مولانا آزاد نے جس وضاحت سے اس پر روشنی ڈالی ہے اس کی افادیت کے پیش نظر ان کے طویل اقتباس

کو یہاں دینے میں حرج نہیں محسوس ہوتا، فرماتے ہیں :

"یہ آٹھوں مصارف جس ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب بھی یہی ہے، سب سے پہلے ان گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے مقدم ہیں، کیوں کہ زکوٰۃ کا مقصود انہیں کی اعانت ہے، یعنی فقراء و مساکین، پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے ان کا تقدم ظاہر ہے، لیکن چوں کہ ان کا استحقاق بالذات نہیں تھا، اس لیے اولین جگہ نہیں دی جا سکتی، پس دوسری جگہ پائی "العاملین علیہا" پھر "المؤلفۃ قلوبہم" کا درجہ ہوا کہ دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لیے ضروری تھا، پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بار قرض سے سبک دوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوگئے جو نسبۃً مؤقت اور محدود تھے، پھر "فی سبیل اللہ" کا مقصد رکھا گیا کہ مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں یا کم ہو گئی ہوں یا مقتضیات وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ہو تو ایک جامع اور حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آ جائیں، سب کے آخر میں ابن السبیل کی جگہ ہوئی، کیوں کہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔"

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ بعض مفسرین نے اس کے بالکل برعکس رائے اپنائی ہے، زکوٰۃ کے چار مصارف فقراء و مساکین، عاملین اور مؤلفۃ قلوب کا ذکر حرف جر لام (ل، لیے) کے ذریعہ آیا ہے:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم"

اور باقی چار، رقاب، غارمین، سبیل اللہ اور ابن السبیل کا فی (میں) کے ذریعہ۔

"وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل"

لام استحقاق اور تملیک کے لیے آتا ہے اور فی میں ظرفیت کے معنی ہوتے ہیں، چنانچہ اس فرق کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے چار کے لیے زکوٰۃ یوں خرچ کی جاتی ہے کہ وہ اس کے مالک بن کر اس میں تصرف کرتے ہیں اور باقی چار پر زکوٰۃ یوں خرچ ہوتی ہے کہ وہ اس کے مالک نہیں بنتے بلکہ ان کو اس

کی منفعت ملتی ہے۔ لیکن متقدمین میں صاحب کشاف اور متاخرین میں صاحب تفسیر مظہری نے اس کی ایسی توجیہ کی ہے جس سے بعد والوں کو اول الذکر پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور وہ زیادہ مستحق ٹھہرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ فی استحقاق اور اولیت کو ظاہر کرنے کے لیے آیا ہے اس کے مطابق فقر ایک سبب ہے، اس کے ساتھ مکاتبت، غرم، سبیل اللہ یا ابن سبیل ہونا پایا جائے تو وہ زیادہ مستحق ٹھہرتے ہیں۔ مگر یہ رائے کچھ زیادہ صائب نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ استحقاق میں اولیت و ترجیح کی اور وجہیں بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً قرابت داری یتیمی، کثیر العیالی وغیرہ، پھر چند ہی کے ذکر کی کیا وجہ ہے، اس لیے ترتیب و ترجیح سے متعلق "الاهم فالاهم" والی رائے زیادہ قوی ہے۔

کیا فی سبیل اللہ کے لیے فقر ضروری ہے

احناف نے فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ کے مستحق کے لیے بھی فقر کی شرط لگائی ہے جس پر اعتراض عائد کیا گیا ہے کہ فقر میں مبتلا شخص تو زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہی ہے اور وہ شروع ہی میں آگیا خواہ وہ کسی وصف سے متصف نہ ہو، پھر فی سبیل اللہ کے ذکر سے کیا فائدہ ہوا یہ تو تکرار لاطائل ہوئی، بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن کے کسی عام حکم کو خاص کرنا نسخ ہے، اور احناف کے اصول پر قرآن کے کسی حکم کے نسخ کے لیے قرآن سے کوئی دلیل یا سنت متواترہ ہونی چاہیے۔ بظاہر یہ اعتراضات بڑے قوی معلوم ہوتے ہیں مگر ذرا غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ بعض دوسرے مصارف کے سلسلہ میں یہ اعتراض خود معترضین پر بھی وارد ہوتا ہے بلکہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ احناف کی رائے بڑی مناسب معلوم ہوتی ہے یعنی غازی کا فقر نہیں بلکہ غازیوں کے منتظم کا فقر یا عدم کفایت، دوسرے لفظوں میں حکومت کا بیت المال اتنا کافی ہو کر حکومت جہاد سمیت اپنی ساری ذمہ داریوں کو اس سے پورا کرنے سے قاصر ہو، کیوں کہ زکوٰۃ اصلاً فقر کے علاج کے لیے ہے،

"توخذ من اغنيائهم وترد الى فقرائهم"

جو بھی اس کے مستحقین ہیں۔ وہ فقر کی ایک خاص نوعیت سے تعلق رکھتے ہیں، غارمین اور ابن السبیل بھی مطلق آئے ہیں، لیکن کسی کے نزدیک ہر غارم اور ابن السبیل کو ہرگز زکوٰۃ کا مستحق نہیں سمجھا گیا ہے بلکہ فقر کی ایک خاص حالت رکھنے والے غارم اور ابن السبیل یعنی وہ غارم جس کا قرض اس کے نصاب کو ختم کردے اور ایسا ابن سبیل جو چاہے گھر پر مالدار ہو لیکن وقتی طور پر سفر میں فقر کا شکار ہو گیا ہو، اگر غارم اور

ابن السبیل کا ذکر نہ ہوتا تو غالب تھا کہ غارم کی مستعار مالداری اور ابن السبیل کی دررفتہ توانگری کی وجہ سے انہیں زکوٰۃ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح ایک فقیر تو وہ ہے جس کا فقر کھلا ہوا ہے اور ہر جگہ مانگتا پھرتا ہے اس کو زکوٰۃ کا مستحق سمجھنے میں کسی کو دشواری نہیں ہوتی، لیکن اگر مسکین کا ذکر نہ ہوتا تو شاید ایسے باضمیر جو اپنے فقر کو چھپائے رکھتے ہیں اور جنہیں ان کی خودداری کی وجہ سے ناواقف شخص مالدار سمجھتا ہے،

"یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف لا یسئلون الناس الحافا"

انہیں زکوٰۃ کا مستحق نہ سمجھا جاتا، اسی طرح ان فقراء و مساکین کے لیے کام کرنے والے مالدار عامل کو بھی زکوٰۃ کا مستحق نہ سمجھا جاتا، اگر ان کا الگ سے ذکر نہ ہوتا، حالانکہ اصلاً وہ انہیں فقراء کی وجہ سے لیتا ہے اور جس کو دیتا ایک طرح سے ان فقراء ہی کو دیتا ہے کہ اس کے بغیر فقر کے اس علاج کا کوئی انتظام نہ ہو پاتا، اسی طرح "مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ" (کسی شخص کا غلام اسی کا ایک فرد شمار ہوگا) کے اصول پر شاید فقیر مکاتب کو بھی دینے سے پرہیز ہوتا کہ اگر وہ عبدیت سے پہلے چھٹکارا نہ پالے، اس وجہ سے اس کا بھی الگ ذکر ہوا، رہے مؤلفۃ القلوب اور مجاہد فی سبیل اللہ کے فقر کا مسئلہ تو ان کو زکوٰۃ میں سے دینا دراصل اسلامی حکومت کے فقر اور اس کے مالیات کی عدم کفایت کی وجہ سے ہے، کیوں کہ اصلاً تالیف قلب بھی جہاد ہی کی ایک ٹیکنیک (حکمت عملی) ہے۔ اور تالیف قلب و جہاد فی سبیل اللہ کا فیصلہ و تیاری اولی الامر یا اسلامی حکومت کے اختیار تمیزی اور حاکمانہ ذمہ داری کا معاملہ ہے، جہاں حکومت نہ ہو وہاں علماء اور مسلمانوں کے اولی الامر کے مشورے سے اس کا فیصلہ ہوگا۔ اس طرح احناف کی شرط فقر برقرار رہے گی، لیکن تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ، اس صورت میں اس شرط اور اس حدیث میں کوئی تعارض نہیں باقی رہے گا، جس میں کہا گیا ہے کہ مالدار غازی فی سبیل اللہ بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے[۱]۔

کچھ وضاحتیں

۱ ــــــ آیت صدقات میں اِنَّمَا حصر کے لیے آیا ہے اور یہ حصر حقیقی ہے، زکوٰۃ صرف آٹھ طرح کے مصارف کے لیے ہے اس کے باوجود قیاس و تعلیل کے ذریعہ بہت دینی و ملی مصالح و حوائج کو ان مصارف کے تحت داخل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ بیت المال خالی یا ناکافی ہو، اور زکوٰۃ کی رقم فاضل ہو، مگر یہ صورت حال کم ہی ممکن ہے، کیوں کہ مصالح عامہ کے کام بنیادی طور سے اموال مصالح

کے ذریعہ پورے کیے جائیں گے اور ان فی سبیل اللہ مدوں کے تحت حسب ضرورت جیسے اخراجات بڑھایا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر اس مسئلہ میں کوئی اور شخص لگانے کو مستوجب قرار دیا جائے، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے تو اس شکل میں نہ صرف یہ کہ اس مد کو اضافی ماننا پڑے گا، جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ہے بلکہ شرح زکوٰۃ کی تبدیلی کا سوال بھی اٹھ سکتا ہے، جیسا کہ بعض متجددین نے کیا ہے۔

٣ـ فقہائے کرام اور مفسرین متقدمین نے فی سبیل اللہ سے جو غازی فی سبیل اللہ مراد لیا ہے، وہ میرے خیال میں اس عہد کی مخصوص حالت کی وجہ سے ہے کہ ان دنوں عام طور پر طاقت کے ذریعہ اتمام حق، اعلائے کلمۃ الحق اور دعوت دین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی تھیں، جس کی وجہ سے اکثر جنگوں کی نوبت آتی رہتی تھی۔ غازی کا کردار سب سے اہم ہوتا تھا، جس کو سواری اور ہتھیار (اسلحہ اور گھوڑے) مہیا کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غازی فی سبیل اللہ فرمایا تو وہ فی سبیل اللہ کی تشریح نہیں بلکہ فی سبیل اللہ کے تحت آنے والے ایک اہم مستحق کو ذکر فرمایا۔ قرآن مجید میں کہیں بھی فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کا لفظ نہیں آیا، صرف ایک جگہ غزّٰی کا لفظ اپنے معنی جنگ والوں کے لیے یہ لفظ آیا ہے۔ جو سفر یا جنگ کی حالت میں مارے جائیں:

"یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِہِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ کَانُوْا غُزًّی لَّوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ..."

(٣ : ١٥٦)

"اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کیا اور جو کہتے ہیں اپنے ان بھائیوں کی نسبت جب وہ کسی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے۔"

جہاں غازی کے ہم معنی لفظ مجاہد فی سبیل اللہ یا فی سبیل اللہ کے الفاظ بار بار آئے ہیں، جہاں فی سبیل اللہ کے معنی جیسا کہ ہم نے اوپر اپنے جائزے میں دیکھا، اتمام حق، دعوت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی بے شمار شکلیں اور مراحل ہیں، قتال یا غزوہ فی سبیل اللہ اس کی انتہائی شکل ہے۔ اگر فی سبیل اللہ سے مراد قدیم معنی میں صرف غازی فی سبیل اللہ مراد لیا جائے تو مولفۃ القلوب کی طرح فی سبیل اللہ کا مصرف بھی بہت محدود ہو کر رہ جائے گا۔

۳ ـــــ قرونِ اولیٰ میں اس وقت کے حالات کے اعتبار سے اگر فی سبیل اللہ کی ایک یا دو تفسیریں ہی ملتی ہیں تو اس سے لازم نہیں کہ موجودہ عہد میں بھی ان ہی تشریحات تک محدود رہا جائے، اس عہد کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کے تقاضے بدل سکتے ہیں، چوں کہ اس کی براہِ راست منصوص تعریف و تحدید نہیں آئی ہے، اس لیے اس کی تشریح و تفسیر میں کوئی تیسرا یا چوتھا قول بھی اپنایا جا سکتا ہے، تاآں کہ اس کا غلط ہونا کسی اتنی ہی قوی دلیل سے ثابت نہ کر دیا جائے۔

۴ ـــــ الف:۔ زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق وہ تمام کوششیں ہوں گی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوتِ دین کے لیے ہوں، دشمنانِ دین طاقت کی راہ میں جو بھی حربے استعمال کر رہے ہوں اسی کے مطابق ان کی توڑ کے لیے فی سبیل اللہ حربوں کا استعمال کرنا اور اس کے لیے قوت کا جمع کرنا ضروری ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم ...... ۝

(۸: ۶۰)

"اور ان (کافروں) کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو کہ اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو مرعوب کرو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔"

اس آیت میں قوت کا لفظ عام ہے، رباط الخیل اس عہد کے لحاظ سے تھا، اس عہد میں بھی گرچہ اس کی کچھ افادیت ہے، مگر اب اس کی زیادہ حیثیت ساز و سامانِ جنگ کی علامت (SYMBOL) کی ہے، موجودہ عہد میں قوت اور اس کی تیاری کیا کیا شکلیں ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں، اسلحے کی قوت، معاشی قوت، رسل و رسائل کی قوت، تعلیمی و ثقافتی قوت غرضیکہ ہر قوت ضرورت پڑنے پر فی سبیل اللہ کا مصرف ہوگی، اگر دشمن یہ قوتیں استعمال کر رہا ہے تو اسلامی حکومت یا مسلمانوں کی اجتماعی قیادت پر فرض ہوگا کہ وہ بھی ان کو حاصل کرے۔

ب:۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا، فی سبیل اللہ کے مستحقین کا فقیر ہونا شرط نہیں البتہ چوں کہ بنیادی طور سے فی سبیل اللہ کا انتظام اسلامی حکومت کا کام ہے، اس لیے اس کے

تحت زکوٰۃ کے خرچ کے سلسلہ میں حکومت کا فقرہ اس کی عدم کفایت مشروط ہے۔ اگر حکومت اسلامی نہیں ہے تو اس شکل میں علماء یا مسلمانوں کی اجتماعی قیادت کی رائے پر اس مصرف پر خرچ کرنا ہوگا۔ جیسا کہ آج کل ہمارے حالات ہیں۔ اگر اسلامی حکومت قدرتی وسائل یا دوسرے ذرائع آمدنی سے اتنی مالدار ہو کہ اس کا بجٹ سرپلس (فاضل) رہتا ہو تو فی سبیل اللہ کے کام پر زکوٰۃ کے بجائے خزانہ عامہ سے صرف کرنا چاہئے اس لئے کہ اس کے فقر کی شرط مفقود ہے۔ زکوٰۃ کی رقم کو فقراء و مساکین اور دوسرے انفرادی مستحقین پر خرچ کرکے نادار و مالدار کے فرق کو مٹانے کی کوشش ہونی چاہئے۔ عہد نبوی کی ہم دیکھتے ہیں کہ تالیف قلب اور جہاد فی سبیل اللہ پر بڑا خرچ زکوٰۃ کے بجائے بیت المال کی دوسری آمدنیوں سے ہوتا تھا۔ اگر اس عہد کو دولت کی وہ ریل پیل ہوتی جو اس عہد میں آپ خط کی ہے تو شاید تالیف قلب اور فی سبیل اللہ جیسے مدات اخراجات اموال المصالح میں سے پورے ہوتے، زکوٰۃ کی رقم تو بس "تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم" تک محدود ہوتی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعد کے عہد میں جب کہ حکومت کی مالیات اموال فئی و غنیمت وغیرہ سے کافی بہتر ہو گئی تو زکوٰۃ کے ذریعہ مجاہدین کے انتظام کی شاید ہی کوئی مثال ملتی ہو اور تالیف قلب کا تو خاتمہ ہی کر دیا گیا تھا۔

۵۔ ــــ زکوٰۃ کے مصارف کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا صاف ارشاد ہے:

"ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم ھو فیھا فجزأھا ثمانیة اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک حقک"

"صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی وغیرہ کا فیصلہ نہیں چھوڑا بلکہ اس کا اس نے خود فیصلہ کیا ہے اور اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اب اگر تم ان میں سے ہوگے تو میں تمہیں تمہارا حق دوں گا۔"

پس اب اس میں کوئی ایسا اضافہ نہیں ہو سکتا جو ان آٹھ قسموں سے الگ کوئی چیز ہو، البتہ یہ مصارف قیاس شرعی کا اس معنی میں محل ہوں گے کہ ان کی تعلیل کرکے اشتراک علت کی وجہ سے ان کے تحت کچھ اور مصرف شامل کیا جائے۔ زکوٰۃ سے رسول اللہ ﷺ نے جو عاقلہ کی رقم ادا کی تھی، اس کو بعض علماء نے فی سبیل اللہ کے تحت مصالح عامہ کا کام قرار دیا ہے۔ میری ناچیز فہم کے مطابق یہ تالیف قلب کی نوعیت سے تھا۔ اگرچہ عاقلہ کی رقم ادا کرنا زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے لیکن تالیف قلب کی علت کی بناء پر ایسا کیا گیا۔ راقم کے

نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد عسکری نہیں ہے ، لیکن اس کو تسلیم کرنے کی صورت میں اس پر قیاس کرکے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے دوسری طرح کے جہاد بھی زکوٰۃ کا مصرف ہوں گے ۔

۹ ــــــ تعلیمی ادارے ، اکیڈمیاں اور دوسرے ادارے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ضروری ہوں اور جو فی سبیل الطاغوت کام کرنے والے اسکولوں ، اکیڈمیوں اور اداروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوں ان کا قیام جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا ، اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے ، ایسی حکومت اپنی مالیات کی کمی کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ کی رقم فی سبیل اللہ کے تحت خرچ کرسکتی ہے ، ہندوستان میں چوں کہ ایسی حکومت کا وجود ہی نہیں اس لیے علماء اور تنظیموں کے متدین اصحاب رائے کے مشورہ سے ان پر خرچ کرنا صحیح ہوگا بشرطیکہ یہ ادارے واقعۃً فی سبیل اللہ کام کررہے ہوں ، دنیاداری کے لیے نہ ہوں ، ان سے انفرادی افادیت ، تجارت ، شہرت واقتدار اور باہم مقابلہ آرائی مقصود نہ ہو ، اس کے لیے اجتماعی نظام زکوٰۃ کی ضرورت ہے اس کی غیر موجودگی میں زکوٰۃ دہندگان کی ذمہ داری ہوگی کہ مصارف کے مقاصد کی صحت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور یہ دیکھ لیں کہ اس مدرسہ یا ادارہ کا خرچ ملت برداشت کرسکتی ہے یا نہیں ، جس طرح عسکری جہاد کا اعلان کسی فرد کا کام نہیں ہے بلکہ حکومت یا اصحاب حل وعقد کے مشورہ سے ہوگا اسی طرح کوئی ادارہ فی سبیل اللہ لاعلاء کلمۃ اللہ کام کررہا ہے یا اس کے قیام کی ضرورت ہے علماء اور مسلمانوں کی اجتماعی قیادت کے مشورہ سے طے ہونا چاہیے تاکہ انفرادی غلطی سے اس اجتماعی کام کو نقصان نہ پہنچے اور زکوٰۃ کا غلط استعمال نہ ہو ۔

۷ ــــــ قرآن مجید میں فی سبیل اللہ کے استعمالات اور ان کے سیاق وسباق کا جائزہ لینے نیز مفسرین کرام کے نتائج فکر سے آگاہی کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فی سبیل اللہ میں صرف وہ کام شامل ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامت دین کے لیے ہوں ، غیر مستطیع کو اس سے حج کرانا اس کا مصرف نہیں البتہ حکومت کا بیت المال ناکافی ہو تو زکوٰۃ کے ذریعہ حج کے انتظامات کرنا اور اس کے عمومی سہولتیں فراہم کرنا صحیح ہوگا ۔

فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ کے مصرف میں مصالح عامہ کے وہ تمام کام شامل ہوں گے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ضروری ہوں ، رہے وہ مصالح عامہ کے کام جو براہ راست اعلاء کلمۃ اللہ سے متعلق نہ ہوں یا جن کا نفع فقراء ومساکین تک محدود نہ ہو بلکہ خود زکوٰۃ دہندہ کو بھی پہنچتا ہو ۔ ان پر زکوٰۃ خرچ کرنا صحیح نہیں ہوگا ، مصالح عامہ کے ایسے کام اموال المصالح سے پورے کیے جائیں گے اور اس کے لیے

مالیات کے فراہمی کی تدابیر کرنا حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ جہاں حکومت نہ ہو وہاں مسلمانوں کی جو بھی قیادت اصحاب خیر کو ان مقاصد کے لیے عطیات دینے پر آمادہ کرے۔

فی سبیل اللہ کے کاموں کی تعیین میں زمان و مکان کا خیال بھی ضروری ہے۔ اگر ایک زمانہ میں جہاد کے لیے رباط لنگر ضروری تھا تو آج صناعۃ الصواریخ والدبابات ضروری ہے۔ اگر کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں ارتداد کی تحریک چل رہی ہو وہاں تبلیغی مشن بھیجنا فی سبیل اللہ کا کام ہوگا۔ لیکن جہاں یہ خطرہ نہ ہو بلکہ مخالف قوتوں کا ریڈیائی نشریے کے ذریعہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈا ہو یا الحادی نظام کی تبلیغ و اشاعت ہو رہی ہو وہاں ریڈیائی نشریے کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہوگا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تفسیر تدبر قرآن فرماتے ہیں: "فی سبیل اللہ ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لیکر دعوت دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں، وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی امر کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگی، کسی کو کم، لیکن جس کام سے بھی اس کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ فی سبیل اللہ کے حکم میں داخل ہے"۔ مشہور مفسر ابن جریر طبری نے فی سبیل اللہ کی تفسیر یوں فرمایا ہے:

"یعنی وفی النفقة فی نصرة دین الله وطریقه وشریعته التی شرعها لعباده بقتال اعدائه وذلك هو غزو الكفار"

"فی سبیل اللہ کا مطلب ہے اللہ کے دین کی مدد اور اس کی شریعت کی راہ میں خرچ کرنا جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے تجویز کیا ہے اس کے دشمنوں سے جنگ کر کے یعنی کافروں سے جنگ۔"

اس تفسیر کا پہلا جزو "فی سبیل اللہ" زکوٰۃ کے مصرف کا اصل مفہوم ہے۔ آگے کا ذکر قید اتفاقی معلوم ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے بیشتر فقہاء و مفسرین نے جو شریعت کے نفاذ کے مسائل اور تقاضائے عصر سے آشنا ہیں، فی سبیل اللہ کا مصداق امام طبری کی تفسیر کے جزو اول کو سمجھا ہے۔ فروگذاشت یہاں ان کی انتہائی شکل ہے۔

مراجع وحواشی

۱؎ ابن منظور، لسان العرب المحیط، ج ۲، ص ۲۹۳، بیروت، مقدمۃ الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ، بدون

فی سبیل اللہ کی تشریح اور اس کے مفہوم کی توضیح

از ـــــ مولانا محمد سعید احمد بی، گورگاؤں، بمبئی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات کو جو آٹھ قسموں پر مشتمل ہیں قرآن کریم میں حصر کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور جیسا کہ "فی سبیل اللہ" فرما کر اسے مزید واضح کر دیا ہے، ان میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔

سبیل اللہ کے لغوی معنی تو اللہ تعالیٰ کے راستے کے ہیں اور اس کے معنی اور مفہوم میں ہر وہ کار خیر داخل ہے جس سے مقصود رضائے الٰہی ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک اصطلاحی کلمہ بھی ہے کہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے اس کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت ہے نہ کسی وضاحت کی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غازی اگر چہ مالدار ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ علماء احناف کے نزدیک غازی کو اس وقت دیا جا سکتا ہے جب وہ ضرورت مند ہو ورنہ نہیں۔

صاحب بدائع علامہ کاسانی یوں تحریر فرماتے ہیں:

"وقال الشافعی یجوز دفع الزکاۃ الی الغازی وان کان غنیا واما عندنا فلا یجوز الا عند اعتبار حدوث الحاجۃ" (جلد دوم ص [illegible])

علمائے شوافع کا مستدل یہ حدیث ہے:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لغاز فی سبیل اللہ او لعامل علیہا او لغارم او لرجل اشتراھا بمالہ او لرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاھدی المسکین للغنی، رواہ مالک مرسلا عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار و رفعہ معمر عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم[۱]"

علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فی سبیل اللہ اراد بہا الغزاۃ فلہم سہم من الصدقۃ یعطون اذا ارادوا الخروج الی الغزو وما یستعینون بہ علی امر الغزو من النفقۃ والکسوۃ والسلاح والحمولۃ وان کانوا اغنیاء[۲]"

حدیث لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ الحدیث کے ذیل میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"و استحقاق غازی فی زکوٰۃ از مذہب شافعی است[۳]"

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وھم الغزاۃ وموضع الرباط یعطون ما ینفقون فی غزوھم اغنیاء کانوا او فقراء وھذا قول اکثر العلماء وھو تحصیل مذھب مالک رحمہ اللہ[۴]"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واما فی سبیل اللہ فمنہم الغزاۃ الذین لا حق لھم فی الدیوان وعند الامام احمد والحسن واسحاق الحج من سبیل اللہ الخ[۵]"

---

[۱] تفسیر قرطبی ۸/۱۸۵ [۲] تفسیر معالم التنزیل ۲/۳۱ [۳] اشعۃ اللمعات ۲/۲۰

[۴] تفسیر قرطبی ۸/۱۸۵ [۵] تفسیر ابن کثیر ۲/۳۶۶

علامہ ابوبکر جابر الجزائری فرماتے ہیں:

"وفی سبیل اللہ ای الجهاد لإعداد العدۃ وتزوید المجاهدین بما یلزمهم من نفقۃ الخ"[1]

علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"(وفی سبیل اللہ) هم الغزاۃ والمرابطون یعطون من الصدقۃ ما ینفقونہ فی غزوهم ومرابطتهم وان کانوا اغنیاء وهذا قول اکثر العلماء وقال ابن عمر هم الحجاج والعمار وروی عن احمد واسحق انهما جعلا الحج من سبیل اللہ"[2]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال الشافعی وابو یوسف وجمهور العلماء المراد بہ منقطع الغزاۃ"[3]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفی سبیل اللہ ارید بذلک عند ابی یوسف منقطعوا الغزاۃ وعند محمد منقطعوا الحجیج وقیل المراد بہ طلبۃ العلم الخ"[4]

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جمہور علماء کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد اصل میں غازی و مجاہد ہیں، لیکن اگر اس کے حق میں وسعت دے دی جائے تو پھر اس میں حجاج اور طلبۃ العلم اور ہر وہ شخص داخل ہو جائے گا جو طاعۃ اللہ اور سبل خیرات میں جد و جہد کرے بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔

علامہ علاء الدین الکاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واما قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجا وقال ابو یوسف المراد منہ فقراء الغزاۃ لان سبیل اللہ اذا اطلق فی عرف

---

[1] ایسر التفاسیر ۲/۳۶۳ [2] تفسیر فتح القدیر ۲/۳۷۳ [3] تفسیر مظہری ۴/۲۳۱

[4] روح المعانی ۱۰/۱۲۲

الشرع یراد بہ ذلک[1] الخ۔

جمہور احناف کے نزدیک تو زکوٰۃ غازی فقیر ہی کو دی جائے گی لیکن اگر غور سے دیکھا جائے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی غنی غازی سے وہ مراد ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد دو سو درہم کے بقدر مال ہو لیکن اگر وہ غزوہ میں جائے تو سامان سفر اور آلات جہاد کا وہ محتاج ہوگا اور ان کی فراہمی میں اس کا سرمایہ ختم ہو جائے گا، ایسی صورت میں اسے زکوٰۃ لینا حلال ہوگا۔

"قال عیسی بن دینار تحل الصدقۃ لغاز فی سبیل اللہ قد احتاج فی غزوتہ وغاب عنہ غناہ ووفرہ قال ولا تحل لمن کان معہ مالہ من الغزاۃ انما تحل لمن کان مالہ غائبا عنہ منہم وھذا مذھب الشافعی واحمد واسحق وجمہور اھل العلم ـــــ وروی ابو زنبیۃ وغیرہ عن ابن القاسم انہ قال یعطی من الزکوٰۃ الغازی وان کان معہ فی غزاتہ ما یکفیہ من مالہ وھو غنی فی بلدہ وھذا ھو الصحیح لظاھر الحدیث لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ الخ[2]"

ایسے ہی علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

"واختلف الفقہاء فی ذلک فقال قائلون ھی للمجاھدین الاغنیاء منہم والفقراء وھو قول الشافعی لا یعطی منہا الا الفقراء منہم ولا یعطی الاغنیاء من المجاھدین الخ[3]"

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ پہلے آچکا ہے کہ فی سبیل اللہ سے منقطع الغزاۃ مراد ہیں:

"قال الشافعی وابو یوسف وجمہور العلماء المراد بہ منقطع الغزاۃ[4]"

اور احناف کا مسلک بھی اس میں یہی ہے کہ عام حالات میں تو غازی فقیر ہی کو مال زکوٰۃ جائز ہوگا، لیکن شریعت کی اصطلاح میں بغیر کسی دوسرے قرینے کے فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہی ہوتا ہے اس لیے زکوٰۃ کا مال ایسے غازی

---

[1] بدائع ۲/۴۶ [2] تفسیر قرطبی ۸/۱۸۶ [3] احکام القرآن ۳/۱۲۷

[4] تفسیر مظہری ۴/۲۳۶

کو بھی دے دیا جائے گا جو اگر جہاد میں نہ جائے تو وہ ایسا غنی ہے جسے مال زکوٰۃ حلال نہیں ہے اور اگر جائے تو اس کا فاضل سرمایہ اسباب جہاد کی فراہمی میں صرف ہو جائے گا، لہٰذا جہاد کی اہمیت اور افضلیت اور اس کے معنی مطابقی کی رعایت میں مذکورہ بالا نوعیت کے غنی کو بھی مال زکوٰۃ لینا حلال ہوگا۔ علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

"فإن قيل فقد أجاز النبي صلى الله عليه وسلم لأغنياء الغزاة أخذ الصدقة بقوله لا تحل الصدقة لغني إلا في سبيل الله الحديث قيل له قد يكون الرجل غنيا في أهله وبلده بدار يسكنها وأثاث يتأثث به في بيته وخادم يخدمه وفرس يركبه وله فضل مائتي درهم أو قيمتها فلا تحل له الصدقة فإذا عزم على الخروج في سفر غزو واحتاج من آلات السفر والسلاح والعدة إلى ما لم يكن محتاجا إليه في حال إقامته فينفق الفضل عن أثاثه ويحتاج إليه في مصره على السلاح والآلة والعدة فتجوز له الصدقة وجائز أن يكون الفضل عما يحتاج إليه من دابة أو سلاح أو شيء من آلات السفر لا يحتاج إليه في المصر فيمنع ذلك جواز إعطاء الصدقة إذا كان يساوي مائتي درهم وإن هو خرج للغزو فاحتاج إلى ذلك جاز أن يعطى من الصدقة وهو غني في هذا الوجه فهذا معنى قوله صلى الله عليه وسلم الصدقة تحل للغازي الغني"[1]

اور امام محمد رحمۃ اللہ نے جو فی سبیل اللہ میں حاجی کو شامل کیا ہے وہ بھی اس صورت میں ہے جب اس کا زاد سفر تلف ہو جائے۔

"قال محمد بن الحسن في السير الكبير في رجل أوصى بثلث ماله في سبيل الله أنه يجوز أن يجعل في الحاج المنقطع به

---

[1] احکام القرآن ۳/۱۲۶

وھذا یدل علی ان قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ قد ارید بہ عند محمد الحاج المنقطع بہ[1]

اس پر قیاس کرتے ہوئے معتمر کے لیے بھی یہ قید لگائی جا سکتی ہے کہ وہ جب منقطع الزاد ہو جائے تو اسے بھی صدقہ لینا حلال ہوگا۔

ایک مغالطے کا ازالہ

بعض حضرات کو علامہ علاء الدین الکاسانی کے اس قول سے:

"واما قولہ تعالیٰ "وفی سبیل اللہ" عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعیٰ فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات[2]"

یہ مغالطہ ہو گیا ہے کہ علامہ کاسانی نے سبیل اللہ کو جملہ امور خیر میں عام کر دیا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ آگے موصوف نے اذا کان محتاجا کی قید بھی لگائی ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر میں جو یہ توسع نظر آرہا ہے وہ سبیل اللہ میں توسع بالکل نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود محتاجوں کا تنوع بیان کرنا ہے یعنی محتاج خواہ کسی بھی نیکی یا عبادت میں مصروف ہو وہ مستحق زکوۃ ہے۔

"قال فی النھر الخلاف لفظی للاتفاق علی ان کل الاصناف سوی العامل یعطون بشرط الفقر الخ[3]"

اسی طرح علامہ ابن القاسم فرمایا کرتے تھے کہ مالدار غازی کے لیے صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہے جسے وہ جہاد میں صرف کرے اور فی سبیل اللہ خرچ کرے، یہ تو صرف فقیر کے لیے جائز ہے ــــــ بلکہ اگر مالدار غازی کو کوئی ضرورت پیش آجائے اور اس وقت اس کے پاس اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مال نہ ہو تو وہ قرض لے لے اور اپنے شہر پہونچ کر اپنے مال سے اس کی ادائیگی کرے۔

"وکان ابن القاسم یقول لا یجوز لغنی ان یاخذ من الصدقۃ ما یستعین بہ علی الجھاد وینفقہ فی سبیل اللہ وانما یجوز

---

1. احکام القرآن للجصاص ۳/۲۲۹ 2. بدائع الصنائع ۲/۴۵ 3. عمدۃ الرعایۃ ۱/۲۹۹

ذلك للفقير ـــــ قال واذا احتاج الغازي في غزوته وهو
غني له مال غائب عنه لم يأخذ من الصدقة شيئا و
ويستقرض فاذا بلغ بلده ادى ذلك من ماله (۱)

قرآن کریم میں مصارف زکوٰۃ آٹھ بیان فرمائے ہیں جن میں سے مؤلفۃ القلوب کو نکال کر باقی سات قسمیں ہیں ان میں سے صرف عاملین ایسے ہیں جنہیں خواہ وہ غنی ہوں زکوٰۃ کے مال سے بطور اجرت لینا جائز ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے مصرف زکوٰۃ ہونے میں بھی فقر کا دخل ہے۔ عاملین حقیقت میں فقراء کے نمائندے یا ان کے اجیر ہیں۔ جنہوں نے فقراء کے کام کی خاطر اپنے تمام مشاغل اور ذرائع آمدنی کو پس پشت ڈال رکھا ہے جو کام فقراء کا تھا یعنی مال زکوٰۃ کا لینا اسے یہ عاملین کر رہے ہیں۔ لہذا ان کی اجرت زکوٰۃ کے مال میں سے دی جائے گی جو کہ فقراء کا حق ہے۔ اسی وجہ سے یہ حکم ہے کہ اگر عامل ایک دن وصولی زکوٰۃ کا کام کرے تو اسے ایک دن کا صرفہ دیا جائے گا اور اگر سال بھر کرتا ہے تو اسے سال بھر کا صرفہ دیا جائے گا اور وہ بھی احناف کے نزدیک بقدر کفایت دیا جائے گا۔ اگرچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عامل اور اس کے اعوان کو کل صدقات کا آٹھواں حصہ دیا جائے گا خواہ اس کی محنت اور عمل تھوڑا ہو یا زیادہ۔ لیکن احناف کے نزدیک اس کے عمل کو ہی دیکھا جائے گا اور اس کی اور اس کے اعوان کی ضروریات کو بھی دیکھا جائے گا، اسی حساب سے ان کو دیا جائے گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عد الله سبحانه وتعالى من اصناف الفقراء عاملين الصدقة
واعوانهم مجازا سواء كانوا اغنياء او فقراء لانهم وكلاء الفقراء في
اخذ الصدقات وتقسيمها مشتغلون بامورهم فيجب عليهم
مؤنتهم فهم فقراء حكما واختلفوا في قدر ما يعطي للعامل
من الزكوة فقال الشافعي له ولاعوانه الثمن من الصدقات
قل عمله او كثر ـــ وقال ابوحنيفة وكثير الائمة يعطي له
كفاية بقدر عمله فان عمل يوما يعطى له كفاية يومه وان عمل
سنة يعطى له كفاية سنة لانه ليس للفقير حق من الزكوة

---

(۱) تفسیر قرطبی ۱۸۰/۸

وانما یعطی العامل اجر عملہ الذی وجب علی الفقراء[1]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ "والعاملین" کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"والتحقیق ان فی ذلک شبہا بالاجرۃ وشبہا بالصدقۃ فبالاعتبار الاول حلت للغنی ولذا لایعطی لو اداہا صاحب المال الی الامام وبالاعتبار الثانی لاتحل للہاشمی الخ[2]"

یعنی عاملین کی اجرت کی دو حیثیتیں ہیں، ایک اعتبار سے یہ اجرت کے مشابہ ہے، لہٰذا مالدار بھی مال زکوٰۃ میں سے لے سکتا ہے اور اسی لیے اگر صاحب مال اپنی زکوٰۃ براہ راست امام کو دے دے تو عامل کو اجرت میں اس میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے گا اور ایک اعتبار سے یہ صدقہ کے مشابہ ہے اسی لیے ہاشمی کے لیے حلال نہیں ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الا العاملین فانہ یجوز اعطاءہم وان کانوا اغنیاء فان المعطی لہم حینئذ فی الحقیقۃ ہم الفقراء وہم یاخذون من مال الفقراء مایجب لہم من نفقتہم علیہم اجرۃ عملہم لہم[3]"

یعنی عاملین کو زکوٰۃ کے مال سے جو کچھ دیا جائے گا وہ بطور اجرت دیا جائے گا، اگرچہ وہ مالدار ہوں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ نفس الامر میں فقراء کو دی جا رہی ہے اور گویا عاملین فقراء کے اجیر کی حیثیت سے فقراء کے مال میں سے اپنی محنت کی اجرت لے رہے ہیں۔

ان تمام معروضات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان تمام سات قسموں کے مصارف زکوٰۃ ہونے کی اصل علت فقر ہی ہے۔

علامہ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

"وجمیع من یاخذ الصدقۃ من ہذہ الاصناف فانما یاخذ صدقۃ بالفقراء[4]"

---

[1] تفسیر مظہری ج۴/۲۳۴ [2] روح المعانی ۱۰/۱۲۱ [3] تفسیر مظہری ج۴/۲۳۴ [4] احکام القرآن ج۳/۳۳

علماء احناف کا مستدل احادیث ہیں

(۱) "عن عبید الله بن عدی بن الخیار ان رجلین اتیا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع یسألانه من الصدقة فرفع لهما البصر وخفضه فرآهما رجلین جلدین فقال: ان شئتما اعطیتکما ولا حظ فیها لغنی ولا لقوی مکتسب، رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح"[1]

(۲) "عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی، رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح"[2]

(۳) "قال النبی صلی الله علیه وسلم امرت ان آخذ الصدقة من اغنیاءکم واردها فی فقرائکم"[3]

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ صدقہ فقراء کی طرف منتقل کیا جائے گا، اور کوئی شخص بھی علت فقر کے علاوہ خواہ وہ علت وقتی ہو وہ بھی جو صدقہ کے مال کا حق دار نہیں ہے، اور یہ جو مصارف صدقہ ستہ کی اقسام قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں اصل میں وہ فقر کے اسباب کا بیان ہیں۔

علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

"فبین ان الصدقة مصروفة الی الفقراء فدل ذلک علی ان احداً لا یأخذها صدقة الا بالفقر وان الاصناف المذکورین انما ذکروا بیاناً لاسباب الفقر"[4]

اور حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] مجمع الزوائد ۳/۹۱ [2] مجمع الزوائد ۳/۹۲ [3] احکام القرآن ۳/۱۲۳

[4] احکام القرآن ۳/۱۳۳

"قلت الاصناف السبعة انواع للفقراء والمصرف هم الفقراء ولايجوز دفع الزكوٰة الی هولاء الاصناف الابشرط الفقر الا العاملین"[1]

یعنی مصارف زکوٰۃ کی یہ ساتوں قسمیں علاوہ عاملین دراصل فقراء کی اقسام کا بیان ہیں اور ان کو زکوٰۃ اسی وقت دینا جائز ہوگا جب ان میں علت فقر پائی جائے۔

اور حدیث مذکور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی دو قسمیں فرمادیں، ایک قسم وہ جن سے زکوٰۃ لی جائے، اور دوسری وہ جن پر زکوٰۃ صرف کی جائے۔ اب اگر زکوٰۃ میں سے اغنیاء کو بھی دیا جائے تو (العیاذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا۔ علامہ علاء الدین الکاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقوله صلی الله علیه وسلم امرت ان آخذ الصدقة من اغنیائکم واردها فی فقرائکم جعل الناس قسمین قسما یوخذ منهم وقسما یصرف الیهم فلو جاز صرف الصدقة الی الغنی لبطلت القسمة وهذا لایجوز"[2]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی "لاتحل الصدقة لغنی الا لخمسة الحدیث" تو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب غازی غنی کو ضرورت پیش آئے۔ اور ضرورت پیش آنے سے پہلے کی حالت کے اعتبار سے ہی اس حدیث شریف میں ان کو غنی فرمایا گیا ہے۔ علامہ علاء الدین الکاسانی رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهو ان یکون غنیا ثم تحدث له الحاجة بان کان له دار یسکنها ومتاع یمتهنه وثیاب یلبسها وله مع ذلک فضل مائتی درهم حتی لاتحل له الصدقة ثم یعزم علی الخروج فی سفر غزو فیحتاج الی آلات سفره وسلاح یستعمله فی غزوه ومرکب یغزو علیه وخادم یستعین بخدمته علی مالم یکن محتاجا

---

[1] تفسیر مظہری ۲۴۹/۴ [2] بدائع الصنائع ۴۶/۲

الیه فی حال اقامته فیجوز ان یعطی من الصدقات ما یستعین به فی حاجته التی تحدث له فی سفره وهو فی مقامه غنی بما یملکه لانه غیر محتاج فی حال اقامته فیحتاج فی حال سفره فیحمل قوله صلی الله علیه وسلم لا تحل الصدقة لغنی الا لغاز فی سبیل الله ارید علی من کان غنیا فی حال مقامه فیعطی بعض ما یحتاج الیه لسفره ـــ الا انه یعطی حین یعطی وهو غنی ـ ـ ـ وهذا لان الغنی اسم لمن یستغنی عما یملکه وانما کان کذلک قبل حدوث الحاجة فاما بعده فلا الخ[۱]

تفسیر کبیر حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ آیت صدقات میں جتنے مصرف ذکر کیے گئے ہیں ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجت مندی کی بناء پر مستحق ہیں۔ فقیر و مسکین میں تو یہ ظاہر ہے۔ رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن السبیل کے الفاظ بھی اسی طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بناء پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین کو بطور معاوضہ خدمت دیا جاتا ہے، اسی لیے اس میں غنی و فقیر برابر ہیں۔ جیسے غارمین کے مصرف ہونے کی یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص کے ذمے دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔"

تنبیہ — لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لغت کے ذریعے قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ

---

۱ بدائع ۲/۴۶

لفظ فی سبیل اللہ کو دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا ہے جو کسی بھی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انھوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دے دیا ہے جو سراسر غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام جنھوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان سب میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے

اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجت مند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب وہ مستحق زکوٰۃ تھے لیکن ائمہ اربعہ اور فقہائے امت میں سے کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے ادارے اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے برخلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہائے امت کی مذکورہ بالا تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلے میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان معاذ اللہ بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلے میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو سپرد نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیے، تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں، داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی عموم سے جو نا واقف لوگوں کے عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔[۱]

۱؎ معارف القرآن جلد ۴ ص ۴۰۹

متعلقہ سوالات کے جوابات اور خلاصۂ معروضات

(۱) سورہ توبہ کی آیت " انما الصدقات للفقراء " (۶۰) میں جیسا کہ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر دور حاضر تک جمہور مفسرین، فقہاء اور علماء راسخین حصر حقیقی قرار دیتے ہیں، راقم الحروف بھی اسی کا مؤید ہے کیوں کہ قرآن کریم یا فرمودۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ کوئی بھی حکم اگرچہ اس کا شان نزول اور وجہ فرمان خاص ہو لیکن یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس کا حکم عام ہوتا ہے، اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا یہ فرمانا کہ اس آیت میں حصر اضافی ہے، جس کا مقصد صرف منافقین کے مطالبے کو رد کرنا ہے جو سیاق آیت کا مقتضیٰ ہے، مسلمہ اصول سے اس کی تائید نہیں ہوتی، کیوں کہ عبارۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص میں ترجیح عبارۃ النص کو ہوتی ہے اور اقتضاء النص کا درجہ تو چوتھے نمبر پر ہے اور اگر جزوی مصالح کی رعایت کا سلسلہ خدانخواستہ شروع ہوگیا تو پھر شاید ہی کوئی حکم ردو قدح کی تلوار سے محفوظ رہ سکے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۲) کتاب وسنت میں جب " فی سبیل اللہ " مطلق طور پر استعمال ہو تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے۔ راقم الحروف بھی جمہور مفسرین وفقہائے امت کے اسی دعوے سے متفق ہے۔

(۳) بہتر یہی ہے کہ مصارف منصوصہ کی تفسیر وتشریح میں سلف کی روش اور ان کی قائم کردہ حدود سے بغیر کسی شرعی دلیل کے تجاوز نہ کیا جائے ورنہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

(۴)۔ الف: زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ سے اصالۃً غازی اور مجاہدین ہی مراد ہیں، لیکن تبعاً منقطع الزاد حجاج اور جملہ امور خیر میں مشغول ایسے افراد بھی شامل کیے جا سکتے ہیں جو ناداری کا شکار ہوں۔

ب: فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ومجاہدین اور دوسرے امور خیر میں مشغول لوگ اس شرط کے ساتھ مستحق زکوۃ ہیں کہ وہ نادار اور فقیر ہوں اور جو لوگ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہوں گے ان کے مستحق زکوۃ ہونے کی بنیادی شرط فقر واحتیاج کی ہے اس کے بغیر وہ مستحق زکوۃ نہیں ہوں گے۔

(۵) مصارف زکوۃ وہی متعین ہیں جو منصوص ہیں اور علمی، فکری، ثقافتی جہاد کرنے والے حضرات کو بھی مال زکوۃ دیا جا سکتا ہے، بہ شرطیکہ وہ فقیر ہوں، لیکن ایسے مجاہدین کو زکوۃ اس لیے حلال نہیں

ہوگی کہ وہ مجاہد ہیں، بلکہ صرف اس لیے وہ مستحق زکوٰۃ قرار پائیں گے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں۔ اور اصولاً اس کی گنجائش بالکل نہیں ہے کہ ان مصارف پر قیاس کرتے ہوئے کچھ اور قسموں کو بھی مصارف زکوٰۃ میں شامل کیا جائے۔

(۶) دورِ حاضر کی ترقیات اور نئے نئے مسائل کی پیداوار کی بہتات کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں میں صدقات نافلہ اور غیر زکوٰۃ کی مدوں میں کثرت سے نہ دینے کے رواج کے باوجود اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کردیا جائے اور بعض متأخرین یا معاصر علماء کی تعمیم و توسیع والے قول کو اختیار کیا جائے۔ بلکہ اس کے برعکس موجودہ دور کی پیداوار بعض نئے نئے مسائل اور دوسرے دینی کاموں کی ضروریات اور مصارف کو پورا کرنے کے لیے علماء و خطباء اور مقررین کی یہ ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نفلی خیرات کی بھی مزید ترغیب دیتے رہیں اور اگر ایسا نہ کیا گیا اور صرف زکوٰۃ کے مال ہی کو دینی امور کے مصارف میں صرف کیا جانے لگا تو ایک طرح سے اصل مستحقین زکوٰۃ کی حق تلفی کرنے کے ساتھ ساتھ غیر اختیاری طور پر عملاً یہ مسلمانوں کو نفلی خیرات سے غافل کرنا متصور ہوگا۔ اعاذنا اللہ منہ۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا۔

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ پر تفصیلی گفتگو

از ——— مولانا محمد زبیر، جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ

فی سبیل اللہ کا مصداق

سبیل اللہ کا ایک تو لغوی مفہوم ہے اور ایک خاص اصطلاحی مفہوم ہے۔ قرآن پاک میں دونوں ہی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ لغت میں سبیل بمعنی طریق و راستہ کے ہیں، سبیل اللہ یعنی اللہ کا راستہ یعنی ہر وہ راستہ جو اللہ کی رضا اور ثواب و جنت کی طرف لے جانے والا ہو، خواہ وہ قول ہو یا عمل، مالی ہو یا جانی، انفاق ہو یا ایثار، قبول ہو یا اعطاء۔ الغرض لغوی اعتبار سے ہر امر خیر سبیل اللہ کا مصداق ہے۔ سبیل اللہ کا ایک تو یہ لغوی مفہوم ہے۔[۱]

سبیل اللہ کا دوسرا مفہوم اصطلاحی ہے جس کا مصداق صرف غزوہ و جہاد ہے۔ صحابہ کرام کی عام اصطلاح میں سبیل اللہ سے مراد غزوہ و جہاد ہی ہوا کرتا تھا اور احادیث نبویہ میں بھی بکثرت اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۲]

۱؎ ان السبیل فی اللغۃ ھو الطریق وسبیل اللہ ھو الطریق الموصل الی مرضاتہ ومثوبتہ (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۳۵)

۲؎ وجاءت احادیث کثیرۃ عن الرسول واصحابہ تشرق علی ان المعنی المتبادر عند اطلاق سبیل اللہ ھو الجہاد (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۳۶)

اور کلام مجید میں لغوی و اصطلاحی دونوں ہی معنیٰ میں اس کا استعمال ہوا ہے لیکن احکام کے لحاظ سے دونوں کے استعمال میں بہت فرق ہے مثلاً لغوی مفہوم میں جہاں اس کا استعمال ہوگا وہاں وہ شرائط وقیود ملحوظ نہ ہوں گے جو اصطلاحی مفہوم کے حکم میں ضروری ہوں گے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی آیت "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللّٰہ" میں سبیل اللہ کی تفسیر فقراء مہاجرین، اصحاب صفہ و طلبہ علم سے منقول ہے[1] اور مثلاً آیت "مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللّٰہ" میں انفاق فی سبیل اللہ سے مراد ہر نوع کا انفاق مراد ہے۔ اور ان دونوں آیتوں میں فی سبیل اللہ اپنے لغوی مفہوم میں مستعمل ہے جس میں نہ تو تملیک کی شرط ہے نہ فقر کی۔

اس کے برخلاف سبیل اللہ جب اپنے خاص اصطلاحی معنیٰ میں (مثلاً آیت مصارف زکوٰۃ) میں مستعمل ہوگا تو دلائل شرعیہ کی روشنی میں وہاں فقر کی بھی شرط ہوگی اور تملیک بھی ضروری ہوگی، ورنہ اس کے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

الغرض سبیل اللہ کے دو مفہوم ہیں، شرعی و لغوی، اور آیت مصارف زکوٰۃ میں شرعی معنیٰ ہی مراد ہیں یہی مسلک جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا ہے بلکہ ابن العربی علیہ الرحمۃ نے احکام القرآن میں یہاں تک نقل فرمایا ہے کہ سبیل اللہ کا مصداق اگرچہ بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن میرے علم میں اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اس آیت میں سبیل اللہ سے مراد صرف غزوہ وجہاد ہے۔[2]

تفسیر قرطبی و ابن کثیر میں متعدد صحابہ و تابعین سے سبیل اللہ کی تفسیر غزوہ منقول ہے[3]۔ نیز قرطبی میں حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر میں حجاج کو بھی نقل فرمایا ہے[4]۔

جمہور فقہاء و ائمہ اربعہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ آیت میں سبیل اللہ سے مراد صرف غزوہ وجہاد ہے۔

---

[1] روح المعانی ۳/۴۶۔ تفسیر مظہری ۲/۳۱۲۔ بیان القرآن ۱/۱۶۳۔ اصلاح انقلاب ۱۹۲

[2] عن مالک قال سبل اللّٰہ کثیرۃ ولکنی لا اعلم خلافًا فی ان المراد بسبیل اللّٰہ ھھنا الغزو۔ (احکام القرآن ۲/۹۵۱)۔

[3] ابن کثیر ۲/۳۶۶۔ معارف القرآن ۴/۴۰۶

[4] قال ابن عمر الحجاج والعمار۔ قرطبی

بعض ائمہ و فقہاء کے یہاں حجاج بھی داخل ہیں[۱]۔ علامہ شوکانی نے بھی فتح القدیر میں اس کا مصداق صرف غزوہ و مجاہدین کو قرار دیا ہے[۲]۔

الغرض سلفاً و خلفاً صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین اور قدیم زمانے سے اب تک فقہاء و مفسرین کا یہی مسلک رہا ہے کہ آیت میں سبیل اللہ مراد غزوہ و جہاد ہے[۳]۔ شیخ یوسف قرضاوی نے اس موضوع پر مفصل کلام فرمایا ہے اور کافی قرائن و دلائل سے اسی بات کو ثابت اور راجح قرار دیا ہے کہ آیت میں سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد ہے اور فرمایا کہ میں بھی اسی کو ترجیح دیتا ہوں[۴]۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں،

"لفظ فی سبیل کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں لیکن اس آیت میں اصحاب کرام جنہوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ سے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے ــــــ امام ابن جریر، ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لیے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو[۵]۔"

تفاسیر صحابہؓ سے عدول کرنا جائز نہیں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کی تفسیر میں جو مقام صحابہ و تابعین کا ہے بعد کے لوگوں کو وہ مقام حاصل ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وحی سے بلا واسطہ کتاب اللہ کو پڑھا اور سمجھا اور جو کچھ بیان کیا وہی بیان کیا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور سمجھا۔ اسی وجہ سے

---

[۱] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۲۲۱ تا ۲۲۲ [۲] فتح القدیر للشوکانی ۲/۳۷۴ [۳] ھذا ما فہمہ المفسرون والفقہاء من اقدام العصور فصرفوا معنی سبیل اللہ إلی الجہاد (فقہ الزکوٰۃ : ص۶۴۵) [۴] فہذہ القرائن کلہا کافیۃ فی ترجیح ان المراد من سبیل اللہ فی آیۃ المصارف ھو الجہاد کما قال الجمہور ولیس المعنی اللغوی الاصلی ...... ولہذا اوثر عدم التوسع فی مدلول سبیل اللہ بحیث یشمل کل المصالح والقربات (فقہ الزکوٰۃ : ص۶۵۸) [۵] معارف القرآن، سورۂ توبہ ۴/۳۹۷

صحابہ کی تفسیر کو حدیث مرفوع کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔

امام حاکم علیہ الرحمہ مستدرک اور "معرفۃ علوم الحدیث" میں فرماتے ہیں:

"ان تفسیر الصحابی الذی شہد الوحی لہ حکم المرفوع فکانہ رواہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"[1]

بے شک صحابہ کی تفسیر جنھوں نے وحی کے زمانہ نزول کا مشاہدہ کیا ان کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ گویا کہ صحابی نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔

علامہ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"لا ریب ان اقوالہم فی التفسیر اصوب من اقوال من بعدہم وقد ذہب بعض اہل العلم الی ان تفسیرہم فی حکم المرفوع قال ابو عبد اللہ الحاکم فی مستدرکہ وتفسیر الصحابی عندنا فی حکم المرفوع"[2]

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باب تفسیر میں صحابہ کے اقوال بعد والوں کے اقوال سے زیادہ درست ہیں اور بے شک بعض اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ صحابہ کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ ابو عبد اللہ حاکم نے مستدرک میں اسی کو ذکر فرمایا ہے۔

امام زرکشی علیہ الرحمۃ البرہان میں اور علامہ سیوطیؒ الاتقان میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اعلم ان القرآن قسمان قسم ورد تفسیرہ بالنقل وقسم لم یرد والاول اما ان یرد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم او الصحابۃ او رؤس التابعین فالاول یبحث فیہ عن صحۃ السند والثانی ینظر فی تفسیر الصحابی فان فسرہ من حیث اللغۃ فہم اہل اللسان فلا شک فی اعتمادہ"[3]

---

[1] تدریب الراوی ص۱۹۳، معرفۃ علوم الحدیث ص۲۰، التفسیر والمفسرون ۹۳/۱

[2] اعلام الموقعین ۱۵۳/۴ [3] الاتقان للسیوطی ۱۸۳/۲ [4] التفسیر والمفسرون ص۹۶

بے شک قرآن کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جس کی تفسیر نقل سے وارد ہوئی ہے اور ایک قسم وہ جس کی تفسیر منقول نہیں۔ اول یعنی جس کی تفسیر منقول ہے یا تو حضور سے منقول ہوگی یا صحابہ سے یا اجلہ تابعین سے۔ اول یعنی جو حضور سے منقول ہے اس میں سے صحت سند سے بحث کی جائے گی اور دوسرے یعنی صحابہ کی تفسیر اگر انھوں نے بحیثیت لغت تفسیر فرمائی ہے تو کوئی شک وشبہ نہیں اس پر اعتماد کرنے میں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وحینئذ اذا لم نجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنۃ رجعنا فی ذلک الی اقوال الصحابۃ فانھم ادری بذلک[1]"

اور جس وقت ہم تفسیر میں کتاب وسنت سے کچھ نہ پائیں گے تو صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ وہ اس کو زیادہ جاننے والے تھے۔

اسی وجہ سے محققین کی بڑی جماعت نے فرمایا ہے کہ صحابہ اپنی رائے سے بھی اگر تفسیر کریں تو ان کی رائے زیادہ درست ہوگی کیونکہ وہ کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اہل لسان تھے۔[2] امام ابن سیرینؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ و عثمانؓ نے اس کو مکروہ سمجھا، اگر وہ علم دینی شرعی دلیل پر مبنی تھا تو وہ مجھ سے اعلم تھے اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے افضل ہے۔[3] یہی وجہ ہے کہ اصولیین نے تصریح فرما دی ہے کہ عہد صحابہ وتابعین میں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے اور وہ اختلاف دو قول پر منحصر ہو تو بعد والوں کے لیے ان دو قول کے سوا کسی تیسرے قول کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں، چنانچہ مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں تصریح ہے:

"مسئلۃ: اذا اختلف ولم یتجاوز اہل العصر عن قولین فی مسئلۃ لم یجز احداث قول ثالث عند الاکثر ومنہ

---

[1] مقدمہ ابن کثیر ۲/

[2] لانھم شاھدوا ما فھموہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولانھم انزل القرآن بلغتھم فرأیھم اصوب لانھم ادری الناس بکتاب اللہ لانھم اھل اللسان الخ (التفسیر والمفسرون ۱/۹۲)

[3] کرھہ عمر وعثمان فان یکن علما فھما اعلم منی وان یکن رأیا فرأیھما افضل (جامع بیان العلم ۲/۳۲)

بعض الحنفية بالصحابة وقالوا اذا اختلف الصحابة على قولين لم يجز احداث ثالث الخ[1]

جب کسی مسئلہ میں اختلاف کیا جائے اور اہل عصر نے مسئلہ میں دو قول سے تجاوز نہ کیا ہو اکثر حضرات کے نزدیک اب تیسرے قول کا احداث جائز نہیں اور بعض احناف نے اس حکم کو صحابہ کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب صحابہ کسی مسئلہ میں دو قول پر مختلف ہوں تو اب ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا قول اختیار کرنا درست نہیں۔

اور یہ امر متعین ہے کہ عہد صحابہ وتابعین میں سبیل اللہ کی تفسیر میں صرف دو ہی قول ملتے ہیں مجاہدین یا حجاج۔ اس لیے اب سبیل اللہ کے مصداق میں کسی تیسرے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ ائمہ اربعہ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور احناف کے یہاں بھی فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غزوہ جہاد ہے اور بعض کے نزدیک حج بھی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسرا قول ائمہ اربعہ سے منقول نہیں، لہٰذا تیسرا قول جو بھی اختیار کیا جائیگا وہ ائمہ اربعہ کے مسلک سے بھی خارج ہوگا جس کی ممانعت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمائی ہے[2]

حصر حقیقی و اضافی کی بحث

مصارف زکوٰۃ کی مشہور آیت "انما الصدقات للفقراء الآیۃ" میں آٹھ مصارف کا ذکر ہے جن کو لفظ "انما" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آیا آٹھ مصارف کا ذکر حصر حقیقی پر محمول ہے یا حصر اضافی پر؟ یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ حصر اضافی کہنے کی صورت میں بعض دیگر مصارف شامل کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"...... وعلى هذا فالحصر في قوله تعالى انما الصدقات اضافي بالنسبة إلى ما طلبه المنافقون[3]

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت على الهامش ۲/۲۳۵ [2] اعلم ان في الأخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة۔ (عقد الجيد ص۳۱) [3] حجة الله البالغة ۲/۴۲

شاہ صاحبؒ کے قول کا منشا اور اس کے ماخذ و مستدل کی تحقیق و تفصیل ان شاء اللہ عنقریب مذکور ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت میں بجائے حصر حقیقی کے حصر اضافی مراد لینا عقل و نقل اور اصل و لغت کے خلاف نیز محققین کی تصریحات بلکہ شاہ صاحبؒ کے مقتضائے کلام کے بھی خلاف ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

لفظ انما کا مقتضیٰ اور محققین کی تصریحات

لغوی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو لفظ "انما" خود حصر حقیقی پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ یہ الفاظ حصر میں سے ہے اور حصر کے اندر اصل حصر حقیقی ہے الا یہ کہ کوئی بیّن قرینہ ہو جس سے اس کے مجازی معنی یعنی حصر اضافی مراد لیا جائے ورنہ لفظ انما کا مقتضیٰ و مدلول اصلاً حصر حقیقی ہے جس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے لیے کسی حکم کو بیان کیا گیا ہے صرف انھیں کے لیے وہ حکم ثابت ہوگا، ان کے علاوہ دوسروں سے اس حکم کی نفی ہوتی ہے اور یہی حصر حقیقی کا مقتضیٰ ہوتا ہے اور اس حکم کو ان لوگوں سے تجاوز کرنا جن کے لیے اس حکم کو بیان کیا گیا ہے حصر حقیقی کے خلاف ہوگا۔

علامہ شوکانی "فتح القدیر" میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"انما من صیغ القصر وتعریف الصدقات للجنس ای جنس هذه الصدقات مقصورة علی هذه الاصناف المذکورة لایتجاوزها بل هی لهم لا لغیرهم"[1]

لفظ انما حصر کے الفاظ میں سے ہے اور صدقات کی تعریف برائے جنس کے ہے یعنی اس قسم کے صدقات (زکوٰۃ) انھیں اصناف مذکورہ (آٹھ قسموں) پر ہی منحصر و محدود ہیں۔ اس سے تجاوز نہ کیا جائے گا بلکہ یہ زکوٰۃ صرف انھیں کے لیے ہوگی نہ کہ ان کے علاوہ کے لیے۔

ابن قدامہ المغنی میں تحریر فرماتے ہیں:

" انما الصدقات للفقراء الآیۃ و انما للحصر والاثبات تثبت المذکور

---

[1] فتح القدیر للشوکانی ۳۷۱/۲

وتنفی ما عداہ[1]

یعنی لفظ انما حصر واثبات کے لیے آتا ہے جن کے لیے حکم مذکور ہو ان کے لیے حکم کو ثابت کرتا ہے اور ان کے ماسوا سے نفی کرتا ہے۔

امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان قولہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء الآیۃ وانما للحصر والاثبات تثبت المذکور وینفی ما عداہ والمعنی لیست الصدقۃ لغیر ھولاء بل لھولاء۔ ای لاتحل الصدقۃ لغیر ھولاء[2]"

بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان انما الصدقات الآیۃ میں "انما" حصر واثبات کے لیے ہے مذکور کے حکم کو ثابت کرتا ہے اور ماسوا سے نفی کرتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ صدقہ ان (اصناف ثمانیہ) کے علاوہ کسی کے لیے حلال نہیں بلکہ صرف انہیں کے لیے حلال ہے۔

امام قرطبی علیہ الرحمۃ احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

"انما انما تقتضی الحصر فی وقوف الصدقات علی الثمانیۃ الاصناف[3]"

بے شک لفظ انما حصر کا تقاضا کرتا ہے صدقات کو مصارف ثمانیہ میں محصور کرتے ہیں۔

حاصل بحث یہ کہ لغوی حیثیت سے لفظ انما حصر کے واسطے استعمال ہوتا ہے اور حصر کے اندر اصل حصر حقیقی ہی ہے اور آیت میں صرف حصر حقیقی ہی معنی مراد ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ، امام قرطبی، ابن قدامہ، علامہ شوکانی وغیرہ محققین کی تصریحات سے واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء ومفسرین نے مصارف ثمانیہ کے علاوہ دوسرے مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی اور یہی مسلک جمہور صحابہ وائمہ اربعہ کا ہے۔

"اتفق جماھیر فقہاء المذاھب علی انہ لایجوز صرف الزکوٰۃ الی غیر من ذکر اللہ تعالیٰ[4]"

---

[1] المغنی ۶۶۶/۲ [2] فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/ الفقہ۔

[3] قرطبی ۱۶۸/۸ [4] الفقہ الاسلامی ۸۶۵/۲

مرداوی فرماتے ہیں:

"لایجوز لغیر الاصناف الثمانیة الاخذ من الزکوٰة مطلقاً علی الصحیح من المذاھب وعلیه جماھیر الاصحاب"[۱]

صاحب نیل المآرب لکھتے ہیں:

"اھل الزکوٰة ثمانیة لایجوز صرفھا الی غیرھم"[۲]

ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

"لایجوز صرف الزکوٰة الی غیر من ذکر اللہ تعالیٰ"[۳]

صاحب روح البیان اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"ای مخصوصة بھولاء الاصناف الثمانیة الآتیة لاتتجاوزھم الی غیرھم"[۴]

جملہ تصریحات کا حاصل یہی ہے کہ زکوٰۃ کو صرف مصارف ثمانیہ ہی میں صرف کیا جائے گا، ان سے تجاوز کر کے دوسروں پر صرف کرنا جائز نہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ مراد یہاں پر حصر حقیقی ہے، ورنہ حصر اضافی میں تو مصارف ثمانیہ کے علاوہ بھی صرف کرنے کی گنجائش رہتی ہے جیسا کہ شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے[۵]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اصول کا مقتضیٰ

اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو لفظ "انما" سے قطع نظر خود اس آیت ہی سے حصر حقیقی مستفاد ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی حکم کو کسی وصف کے ساتھ دائر کرنا خود اس کی علت کا تقاضا کرتا ہے اور کسی شئ کی علت اس کے حصر کا تقاضا کرتی ہے، چنانچہ ساتویں صدی کے مشہور مفسر ابوحیان الاندلسی

---

[۱] الانصاف ۳/۲۱۸ [۲] نیل المآرب ۱/۲۶۳
[۳] المغنی ۲/۶۶۸ [۴] روح البیان ۳/۴۵۳
[۵] حجة اللہ البالغة ۲/۲۱

تفسیر البحر المحیط میں اس آیت کے تحت حصرِ حقیقی کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" إنما الصدقات للفقراء ـــــ إنما إن كانت وضعت للحصر فالحصر مستفاد من لفظها وإن كانت لم توضع للحصر فالحصر مستفاد من الأوصاف إذ مناط الحكم بالوصف يقتضي التعليل والتعليل بالشيء يقتضي الاقتصار عليه۔[1]

لفظ انما اگر حصر کے لیے موضوع ہے تب تو اس لفظ ہی سے حصر مستفاد ہوتا ہے اور اگر انما حصر کے لیے موضوع نہیں ہے تو حصر اوصاف سے مستفاد ہے کیونکہ کسی حکم کو کسی وصف کے ساتھ متعلق کرنا علت کا تقاضا کرتا ہے اور کسی شے کی علت ہونا اقتصار یعنی حصر کا تقاضا کرتی ہے۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ جن اوصاف کی وجہ سے مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا گیا ہے ان کی حیثیت علت کی ہے جو بمنزلہ جنس کے ہے اس کے تحت جتنے بھی افراد ہوں گے وہ زکوٰۃ کا مصرف ہوں گے اس کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ دینا درست نہیں کیونکہ علت کی وجہ سے حکم منصوص میں محصور ہو گیا، لہٰذا جو لوگ بھی ان اوصاف سے متصف ہوں گے وہ تو مصرف زکوٰۃ ہوں گے نہ کہ ان کے علاوہ، نیز علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" يعني أن الذي ينبغي أن يقسم مال الله عليه من اتصف بإحدى هذه الصفات دون غيره۔[2]

عبارت کا حاصل وہی ہے جو ماقبل میں مذکور ہوا۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع میں ایک اور اصولی بحث فرمائی ہے جس سے حصر حقیقی مستفاد ہوتا ہے اور جس سے مصارف ثمانیہ کے علاوہ زکوٰۃ صرف کرنے کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے اور یہی مقتضیٰ ہے حصر حقیقی کا۔ فرماتے ہیں:

" جعل الله تعالى الصدقات للأصناف المذكورين بحرف اللام وأنه للاختصاص فيقتضي اختصاصهم باستحقاقها الموجب صرفها

---

[1] البحر المحیط ۵/۴۴ ـ [2] روح المعانی ۱۰/۱۲۲

الی غیرھم لبطل الاختصاص وھذا لا یجوز[1]

علامہ کاسانیؒ کے فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کو مذکورہ اصناف کے لیے حرف لام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور یہ حرف لام اختصاص کے لیے آتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ صدقات کا استحقاق صرف انھیں مصارف کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا ان کے علاوہ کسی اور مصرف میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا ورنہ یہ خصوصیت باطل ہو جائے گی اور یہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

الغرض مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ لفظ انما سے قطع نظر خود آیت اور اصول کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ آیت میں حصر حقیقی مراد ہے نہ کہ حصر اضافی۔ واللہ اعلم۔

احادیث کا مقتضیٰ

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی کی مشہور حدیث شریف ہے جس کو ابو داؤد نے نقل فرمایا ہے اور ابن کثیر و قرطبی نے بھی اس کو اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت ذکر فرمایا ہے:

"حضرت زیاد بن الحارث الصدائی فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے بیعت کی پھر طویل حدیث کو ذکر فرمایا کہ اتنے میں ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے صدقہ (زکوٰۃ) عنایت کیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو کسی نبی غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے متعلق فیصلہ فرما کر اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیے پس اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں[2]"

"ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیھا ھو فجزأھا ثمانیۃ اجزاء"

اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت مصارف زکوٰۃ میں غور فرمائیے کہ آیا اس میں حصر

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۴۴

[2] مشکوٰۃ شریف الفصل الثانی۔ ابن کثیر ۲/۳۶۴، قرطبی ۸/۱۶۹، معارف القرآن ۴/۳۹۴

حقیقی مراد ہوگا یا حصر اضافی؟ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کے بموجب تو حصر اضافی کی گنجائش ہی نہیں باقی رہتی۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"لیس فیہ دلالۃ الا علی ان الزکوٰۃ لاتصرف الا الی ھذہ المصارف" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۴/۲۰۰)

اس حدیث پاک میں نہیں دلالت مگر صرف اس بات پر کہ بے شک زکوٰۃ نہیں صرف کی جائے گی مگر انھیں مصارف میں۔

امام قرطبی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کے تحت فرمایا ہے کہ انما حصر کا تقاضا کرتا ہے اس کے بعد بطور دلیل کے اسی حدیث مذکور کو ذکر فرمایا ہے جس سے کہ حصر حقیقی مراد ہونا متعین ہو جاتا ہے[1]۔ اور موٹی سی عقل میں آنے والی بات ہے کہ آیت میں اگر حصر اضافی ہی مراد ہوتا تو پھر آٹھ مصارف کی تحدید ہی بے کار ہو جاتی ہے۔ اور ارشاد نبوی جو حدیث زیاد بن الحارث میں گزرا وہ نعوذ باللہ بالکل لغو قرار پاتا ہے، ایک عاقل اور حکیم کے کلام میں اس کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا، چہ جائے کہ کلام اللہ اور کلام الرسول میں، اس انداز کی گفتگو فی سبیل اللہ کے عموم کے بطلان میں شیخ یوسف قرضاوی اور مفتی شفیع صاحب نے بھی فرمائی ہے[2]۔

الغرض لغت اور اصل ونقل اور عقل کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آیت میں حصر حقیقی مراد ہے نہ کہ حصر اضافی واللہ اعلم۔

شاہ صاحبؒ کا مستدل اور حصر اضافی کی دلیل

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ میں اس آیت میں حصر اضافی کا جو نظریہ اختیار فرمایا ہے وہ میرے علم کے مطابق غیر مسبوق ہے یعنی شاہ صاحبؒ اس میں منفرد ہیں، ان سے پہلے کسی نے اس قسم کا نظریہ نہیں اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔

---

[1] قال: انما تقتضی الحصر۔ وعضدہ بحدیث زیاد بن الحارث الصدائی۔ قرطبی ۸/۱۶۷

[2] معارف القرآن ۴/۴۰۳، فقہ الزکوٰۃ ۲/۶۵۴۔ البتہ امام بخاریؒ کا کچھ رجحان اس قسم کا معلوم ہوتا ہے، نیز بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؒ بھی توسیع کے قائل تھے۔ واللہ اعلم (شرح السنۃ للبغوی ۶/۹۲)

شاہ صاحب کے قول کا مستدل جو انھوں نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے وہ مسلم کی یہ حدیث ہے:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر علی الصدقۃ فقیل منع ابن جمیل وخالد والعباس فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ واما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعہ واعتادہ فی سبیل اللہ"[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو صدقہ کی وصولیابی کے لیے بھیجا۔ حضور پاک سے عرض کیا گیا کہ ابن جمیل، و حضرت خالد و عباس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، حضور پاک نے فرمایا کہ ابن جمیل تو اس وجہ سے انکار کرتے ہیں کہ پہلے فقیر تھے اللہ نے غنی کر دیا، رہ گیا خالد کا معاملہ تو خالد پر تو واقعی تم ہی لوگ ظلم کرتے ہو کیونکہ انھوں نے تو زرہیں آلات حرب گھوڑے وغیرہ کو اللہ کے راستے میں محبوس کر دیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے حدیث بالا کا صرف یہ ٹکڑا "واما خالد فانکم تظلمون خالدا" نقل فرما کر اس سے استدلال فرمایا ہے کہ اس سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

"وفیہ شیئان جواز اخذ بعض مکان شیئ شیئا اذا کان انفع للفقراء وان التحبیس مجزئ عن الصدقۃ"[2]

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ میں جو چیز واجب ہے اس کے عوض دوسری چیز بھی لے سکتے ہیں جب کہ اس میں فقراء کا نفع ہو، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حبس کرنا یعنی اللہ کے راستہ میں وقف کرنا بھی ادائیگی زکوٰۃ کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

یہ حاصل ہے شاہ صاحب کی تقریر کا جس کو میں سمجھا ہوں۔ واللہ اعلم۔

گویا شاہ صاحب کا فرمان دو دعووں کو مستلزم ہے ایک تو یہ کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر زکوٰۃ لازم تھی اور دوسرے یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہی میں آپ نے آلات حرب وقف کر دیے تھے۔ یہ دونوں باتیں

---

۱ مسلم شریف ۱/۳۱۶۔ فتح الباری ۳/۳۳۲ باب ۴۹

۲ حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۳

شاہ صاحب نے حدیث بالا سے بھی ہیں اس کے بعد انہی دو باتوں کو بنیاد بنا کر استدلال کرتے ہوئے بطور نتیجہ اور تفریع کے فرماتے ہیں کہ جب حبس (وقف) کرنے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے (حالاں کہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے ان میں حبس و وقف کا ذکر نہیں حالاں کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف کے ذریعہ بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے) اس بنیاد پر شاہ صاحب فرماتے ہیں:

" وعلى هذا فالحصر في قوله تعالى انما الصدقات للفقراء الأية اضافي انتهىٰ "

اس بنیاد پر (یعنی حضرت خالد کے واقعہ کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے کہ) انما الصدقات للفقراء میں حصر اضافی مراد ہے۔ آگے اس کا قرینہ سیاق آیت کو بتلایا ہے۔

اس کے بعد اس کی حکمت اور راز بیان فرمایا ہے کہ چوں کہ حاجات کثیرہ ہیں اور بیت المال میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسری مدات کی آمد اقل و محدود ہوتی ہے لہٰذا توسع کرنا ضروری ہے تاکہ ملکی ضروریات بھی اس سے پوری کی جا سکیں۔ ؎

یہ حاصل ہے شاہ صاحب کے استدلال کا، گویا اصلاً استدلال حضرت خالد کے واقعہ سے ہے اور اس کی حکمت میں ملکی ضروریات اور حاجات کا کثیر ہونا اور زکوٰۃ کے علاوہ آمدنی کا کم ہونا ذکر فرمایا ہے یعنی حکم کی بنیاد و علت یہ نہیں ہے جس پر حکم کا مدار ہو بلکہ اس کی حیثیت صرف حکمت کی ہے جو حکم کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب نے اس کو لفظ والسر في ذالك سے بیان فرمایا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے دلائل پر ایک نظر

گزشتہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے جو نظریہ اختیار فرمایا ہے اس کا مستدل حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، لیکن اس خبر واحد سے استدلال کرنا اس امر پر موقوف ہے کہ حضرت

لہ حجۃ اللّٰہ ؎ والسر في ذالك ان الحاجات غير محصورة وليس في بيت المال في البلاد الخالصة للمسلمين غير الزكوٰة كثير مال فلابد من توسعة لتكفي نوائب المدنية . والله اعلم . حجة الله ۲/۴۹

خالد رضی اللہ عنہ پر واقعی زکوٰۃ فرض تھی اور آپ نے آلات حرب وغیرہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں وقف فرما دیے تھے جس سے زکوٰۃ ادا ہوگئی تھی؟ کیا حقیقت یہی ہے یا معاملہ اس کے برخلاف ہے؟ شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تو ظاہر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب نے حدیث پاک کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر استدلال فرمایا ہے شراح حدیث میں کوئی ان کا موافق نظر نہیں آتا۔[۱]

اسی حدیث کا مطلب اور اس کی تشریح میں جب ہم شراح حدیث کا سہارا لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے دعویٰ واستدلال کی جو بنیاد ہے وہ غیر مسبوق غیر مرضی اور ناقابل اعتبار ہے کیوں کہ شاہ صاحب کا استدلال اس امر پر موقوف ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر زکوٰۃ لازم تھی اور ادائیگی زکوٰۃ میں انھوں نے سامان وقف فرمایا تھا حالاں کہ شراح حدیث اس کے خلاف فرماتے ہیں۔

شراح حدیث کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں۔

(۱) شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

"ومعنى الحديث انهم طلبوا من خالد زكوٰة اعتاده ظنا منهم انها للتجارة وان الزكوٰة فيها واجبة فقال لهم لا زكوٰة لكم على فقالوا للنبي صلى الله عليه وسلم ان خالدا منع الزكوٰة فقال لهم انكم تظلمونه لانه حبسها ووقفها في سبيل الله قبل الحول عليها فلا زكوٰة فيها و يحتمل ان يكون المراد لو وجبت عليه زكوٰة لاعطاها ولم يشح بها لانه قد وقف امواله لله تعالى متبرعا فكيف يشح بواجب عليه"[۲]

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے آلات حرب کی زکوٰۃ کو طلب فرمایا محض اس خیال سے کہ یہ مال تجارت ہے اور اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ حضرت خالد نے فرمایا مجھ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ لوگوں نے حضور سے عرض کیا کہ خالد نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ حضور نے فرمایا تم ہی لوگوں نے ان پر زیادتی کی کیوں کہ انھوں نے حولان حول (یعنی وجوب زکوٰۃ) سے پہلے ہی اس کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اب اس میں زکوٰۃ واجب ہی نہیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو: شرح السنۃ للبغوی، باب تعجیل الصدقۃ ۶/۳۴ ۔ [۲] شرح مسلم للنووی ۱/۳۱۹

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضورؐ کی مراد یہ ہو کہ اگر ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی تو ضرور دیتے، بخل نہ کرتے کیوں کہ انھوں نے تو اپنے مال کو بطور تبرع (نفل) کے اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے، پھر واجب میں کیسے بخل کریں گے۔ حدیث کا یہی دونوں مطلب امام بغوی نے شرح السنۃ میں بیان فرمایا ہے۔[1]

الغرض امام نوویؒ کی تشریح کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر زکوٰۃ ہی واجب نہ تھی کیوں کہ وجوب زکوٰۃ سے قبل ہی بطور تبرع وہ اپنا مال فی سبیل اللہ وقف کر چکے تھے پھر اس حدیث اور حضرت خالدؓ کے واقعہ کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ کے مسئلہ پر استدلال کرنے کی بنا ہی ختم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) علامہ عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی سے نقل فرماتے ہیں:

"إن خالداً طولب بالزکوٰۃ عن اثمان الادرع علیٰ معنیٰ انہا کانت عندہ للتجارۃ فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لازکوٰۃ علیہ فیہا اذ جعلہا حبساً فی سبیل اللہ"[2]

یعنی حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے آلاتِ حرب کی قیمتوں کی بابت زکوٰۃ کا مطالبہ اس بنا پر کیا گیا کہ یہ تجارت کے واسطے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ انھوں نے اس کو اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"واما خالد فانکم تظلمون خالداً أی تظلمونہ بطلب الزکوٰۃ منہ اذ لیس علیہ زکوٰۃ لانہ قد احتبس أی وقف ادراعہ وانتم تظلمونہ بان تعدونہا من عروض التجارۃ"[3]

---

[1] ثم لہ تاویلان احدہما ان ہذہ الآلات کانت عندہ للتجارۃ فطلبوا منہ زکاۃ التجارۃ فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قد جعلہا حبساً فی سبیل اللہ فلا زکوٰۃ علیہ فیہا، والتاویل الثانی انہ اعتذر لخالد ان خالداً لما حبس ادرعہ وہو غیر واجب علیہ تکلیفاً فلا یظن بہ انہ یمنع الزکوٰۃ الواجبۃ علیہ۔ شرح السنۃ ۶/۳۳

[2] عمدۃ القاری ۹/۱۰۳ [3] مرقاۃ، مطبوعہ پاکستان ۴/۱۳۶

یعنی حضرت خالد پر تم لوگ زکوٰۃ کا مطالبہ کر کے ظلم کرتے ہو کیونکہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے آلات حرب کو اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے اور تم لوگ ان کو مال تجارت سمجھ کر ان پر ظلم کرتے ہو۔

(۴) حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت ایک بحث کے ضمن میں جمہور علماء کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر زکوٰۃ لازم نہیں تھی۔ جمہور کا مختار قول یہی ہے۔[1]

شراح حدیث کی مذکورہ بالا تشریحات سے اس حدیث کا مطلب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے حدیث کا جو مطلب سمجھ کر یہ بہت بڑا استدلال فرمایا شرح حدیث کی روشنی میں وہ قابل تسلیم نہیں، کیونکہ محدثین کی تصریحات کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں تھی۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ حضرت خالد نے وقف کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی فرمائی۔

بالفرض اگر شاہ صاحب کی بات کو تسلیم بھی کیا جائے تو یہ محض احتمال درجہ کی چیز ہوگی جس پر استدلال کی بنیاد رکھنے کی قوت نہیں، چنانچہ ابن دقیق العید اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

"بان القصة واقعة عين محتملة لما ذكر ولغيره فلا ينهض الاستدلال بها على شيء مما ذكر۔"

یعنی حضرت خالد کا واقعہ ایک معین واقعہ ہے جس کے اندر مختلف احتمالات ہیں جو مذکور ہوئے اور ان کے علاوہ بھی۔ اس لیے مذکورہ مسائل پر استدلال کرنا اس حدیث سے صحیح نہیں۔

پھر اس حدیث سے اتنا بڑا استدلال کہ زکوٰۃ کے مصارف میں مستقل اضافہ کر دیا جائے اور حصر حقیقی کے بجائے حصر اضافی کا نظریہ اختیار کر لیا جائے جو محققین کی تصریحات اور لغت، اصول، نقل اور عقل کے بھی خلاف ہے اس کے باوجود اتنے بڑے اہم دعویٰ کی بنیاد محض اس حدیث پر رکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

---

[1] واجاب الجمهور باجوبة ــــــ ثانيها انهم ظنوا انها للتجارة فطالبوه بزكاة قيمتها فاعلمهم عليه الصلاة والسلام بانه لا زكاة عليه فيما حبس۔ (فتح الباری ۳/۲۳۳)

حضرت شاہ صاحبؒ کی عبقریت، علو مرتبت، جلالت شان اپنی جگہ پر مسلم لیکن
"کل احد یوخذ من قولہ ویترک"[1]
اس بحث میں شاہ صاحب کا استدلال شراح حدیث کے خلاف، نیز شاہ صاحب کا نظریہ بھی محققین کے مسلک کے خلاف ہے اس لیے یہ رائے اور نظریہ قطعاً ناقابل اعتبار ہے۔ واللہ اعلم۔

شاہ صاحبؒ کے کلام کا مقتضیٰ

شاہ صاحبؒ نے آیت میں حصر اضافی کا نظریہ اختیار فرما کر توسع اختیار فرمایا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ توسع کس حد تک کیا جائے گا اور ملکی ضروریات میں کہاں تک مال زکوٰۃ صرف کیا جائے گا جب کہ خود ہی شاہ صاحب نے اصولی گفتگو کرتے ہوئے ایک بحث فرمائی ہے کہ:

"مصرف کے اعتبار سے مال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو یہ کہ جس سے اس کے مالک کی ملک ختم ہو گئی ہو مثلاً لاوارث کا ترکہ اور لقطہ وغیرہ ——— اس کا حق یہ ہے کہ منافع مشترکہ اور مصالح عامہ میں اس کو صرف کیا جائے گا جس میں تملیک ضروری نہیں، مثلاً نہر کھدوانا، مسجد بنوانا وغیرہ۔ اور ایک قسم مسلمانوں کے صدقات کی ہے جو بیت المال میں جمع کیے جاتے ہیں، اس کا حق یہ ہے کہ ایسے مواقع میں اس کو صرف کیا جائے جس میں کسی کو مالک بنایا جائے اور اسی کے متعلق ارشاد ہے: انما الصدقات للفقراء" الآیۃ[2]

شاہ صاحب کی اس تقسیم و تصریح کو مد نظر رکھا جائے (جو عین اصول کے مطابق ہے) تو حصر اضافی اور مصارف صدقات میں توسع کا نظریہ خود ہی بے معنیٰ سا ہو جاتا ہے کیوں کہ جس قسم کے بارے میں

---

[1] القراءۃ الراشدۃ فی ترجمۃ ابن تیمیۃ ۲/۴۲

[2] المال نوعان بازاء نوعین، نوع هو المال الذي زالت عنه يد مالكه كتركة الميت لاوارث له ...... ومن حقه ان يصرف إلى المنافع المشتركة ——— ونوع هو صدقات المسلمين جمعت في بيت المال ومن حقه ان يصرف إلى ما فيه تمليك لاحد وفي ذلك قوله تعالى انما الصدقات للفقراء والمساكين. الآية (حجة الله البالغة ۲/۴۵)

شاہ صاحبؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، اسی کو "انما الصدقات" الخ کا مصداق قرار دیا ہے، اس میں توسیع کس طرح کیا جاسکتا ہے کیوں کہ تملیک کی شرط کی وجہ سے حصر حقیقی پر تو خود ہی منحصر ہوجائے گا اور ملکی ضروریات رفاہی امور جس میں تملیک نہ پائی جائے خود ہی اس میں صرف کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، بلکہ شاہ صاحبؒ کی اس تصریح کے پیش نظر وقف کرنے سے بھی زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی کیوں کہ اس میں بھی کسی شخص کو مالک نہیں بنایا جاتا اور شاہ صاحبؒ نے صدقات کے لیے تملیک کو ضروری قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مصارفِ زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہیں یا نہیں

مصارفِ زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل اس معنی کر یقیناً نہیں کہ قیاس کے ذریعہ مصارف ثمانیہ کے علاوہ مستقلاً کسی نوع کا اضافہ کر دیا جائے۔ البتہ مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل اس معنی کر ہیں کہ کتاب اللہ میں جو مصارف بیان کیے گئے وہ بمنزلہ جنس کے ہیں جس کا استحقاق ان کو کسی خاص وصف کی بنا پر ہوا ہے اور وہی وصف ان کے استحقاق کی علت ہے لہٰذا جو شخص بھی اس علت سے متصف ہوگا اس جنس کے تحت داخل ہو کر وہ بھی مستحق زکوٰۃ ہوگا۔ چنانچہ علامہ شوکانی علیہ الرحمۃ فتح القدیر میں تحریر فرمایا ہے:

"تعریف الصدقات للجنس ای جنس هذه الصفات مقصورة علی هذه الاصناف"[1]

صدقات کی تعریف جنس کے لیے ہے یعنی ان صفات کی جنس ان اصناف مذکورہ پر منحصر ہے۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"ان الذی ینبغی ان یقسم مال اللّٰه علیه من اتصف باحدی هذه الصفات دون غیرہ"[2]

یعنی اللہ کے مال (مال زکوٰۃ) کو ان لوگوں پر تقسیم کیا جائے گا جو ان صفات سے متصف ہوں۔

اور مصارف زکوٰۃ جن اوصاف سے متصف ہوں گے وہ وصف ہی بمنزلہ علت کے ہے۔ ابو حیان اندلسی

---

[1] فتح القدیر للشوکانی ۳۰۱/۲ [2] روح المعانی ۱۲/۱۰

تفسیر "البحر المحیط" میں فرماتے ہیں:

" ان مناط الحکم بالوصف یقتضی التعلیل"[1]

یعنی حکم کو کسی وصف سے متعلق کرنا اس کی علت کا تقاضا کرتا ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ کی علت

اب دیکھنا چاہیے کہ مستحقین زکوٰۃ میں استحقاق زکوٰۃ کی علت کیا ہے؟

مجموعی طور پر فقہاء کرام نے مصرف زکوٰۃ کی جو علت تحریر فرمائی ہے وہ فقر اور حاجت ہے۔ (واضح رہے کہ اس موقع پر فقہاء کرام نے فقر و حاجت کو ترادف کے ساتھ بغیر کسی فرق کے بیان فرمایا ہے) بعض حضرات نے حاجت کے علاوہ منفعت عامہ کو بھی اس کی علت ٹھہرایا ہے۔

ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد میں تحریر فرماتے ہیں:

" العلۃ فی ایجاب الصدقۃ للأصناف المذکورین هو الحاجۃ فقط أو الحاجۃ والمنفعۃ العامۃ"[2]

یعنی مذکورہ اصناف کے لیے صدقہ واجب ہونے کی علت یا تو محض حاجت ہے یا حاجت اور منفعت عامہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

" الذین یاخذون الزکوٰۃ صنفان، صنف یاخذون لحاجۃ کالفقیر والغارم لمصلحۃ نفسہ وصنف یاخذ ها لحاجۃ المسلمین کالمجاهد والغارم فی اصلاح ذات البین"[3]

یعنی زکوٰۃ لینے والوں کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنی ذاتی حاجت کے لیے لیتے ہیں جیسے فقیر و مقروض۔ دوسرے وہ لوگ جو عام مسلمانوں کے لیے لیتے ہیں، جیسے مجاہد اور

---

[1] البحر المحیط ۵/۸۵ [2] بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۲

[3] فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/۹۰

مسلمانوں کے مابین صلح کرانے کی وجہ سے مقروض ہونے والا شخص[۱]

احناف کے نزدیک مصرف زکوٰۃ کی علت

فقہاء احناف نے مصارف زکوٰۃ کی جو علت تحریر فرمائی ہے وہ صرف فقر و حاجت ہے سوائے عاملین کے کیوں کہ عاملین کے استحقاق کی علت فقر نہیں بلکہ عمل ہے۔ بقیہ جملہ مصارف میں استحقاق کی علت فقر و حاجت ہے اور یہ فقر و حاجت عام ہے خواہ اس کی ذاتی حاجت کی وجہ سے ہو یا مسلمانوں کے مصالح عامہ کی وجہ سے ہو اگر فقر کی علت موجود ہے تو جو شخص بھی اس علت سے متصف ہوگا وہ مستحق زکوٰۃ ہوگا ورنہ نہیں، چنانچہ علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

"الآية خرجت لبيان مواضع الصدقات ومصارفها ومستحقيها وهم وان اختلفت اساميهم فسبب الاستحقاق في الكل واحد وهو الحاجة الا العاملين فانهم مع غنائهم يستحقون العمالة لان السبب في حقهم العمالة"[۲]

آیت میں مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے اور اگرچہ ان کے اسماء و انواع مختلف ہیں لیکن سب کے استحقاق کا سبب (علت) ایک ہی ہے اور وہ حاجت ہے سوائے عمال کے کیوں کہ غناء کے باوجود وہ مستحق ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے استحقاق کی علت عمل ہے۔

ابن ہمامؒ فتح القدیر میں استحقاق زکوٰۃ کی علت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان نفس الاسماء المذكورة في الآية تفيد ان المناط في الدفع اليهم الحاجة ـــــ الى ان قال ـــــ فالحاجة هي العلة في جواز الدفع الخ"[۳]

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ابن ہمامؒ کی مذکورہ بالا عبارت کا مطلب و خلاصہ بیان فرماتے ہیں:

---

[۱] امام بغوی علیہ الرحمۃ نے بھی شرح السنۃ میں اسی انداز کی گفتگو فرمائی ہے۔

[۲] بدائع الصنائع ۲/۴۴ [۳] فتح القدیر ۲/۲۰۸

"فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ آیت صدقات میں جتنے مصرف ذکر کیے گئے ہیں ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجت مندی کی بنا پر مستحق ہیں[1]"

ابن ہمامؒ کی تصریح کے مطابق مؤلفۃ قلوب اور عمال کے سوا جملہ مصارف زکوٰۃ میں استحقاق کی علت صرف حاجت مندی ہے یعنی اگر یہ علت نہ پائی جائے تو ایسا شخص نہ مستحق زکوٰۃ ہوگا نہ اس کو دینا جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوا کہ مصارف زکوٰۃ کی علت فقر و حاجت ہے لہٰذا جس شخص میں بھی یہ علت پائی جائے گی دوسرے شرائط کی رعایت کے ساتھ وہ بھی مستحق زکوٰۃ ہوگا، گو بظاہر ان مصارف ثمانیہ میں شامل نہ ہو جن کا تذکرہ کتاب اللہ میں ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اس علت سے خالی ہو وہ مستحق زکوٰۃ نہ ہوگا گو بظاہر مصارف ثمانیہ کے تحت داخل معلوم ہوتا ہو، کیوں کہ بجز عاملین کے اصل مصرف تو زکوٰۃ کا صرف فقراء ہی ہیں اور اصناف مذکورہ کو اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب کہ وہ فقیر ہوں کیوں کہ کتاب اللہ میں اصناف سبعہ کا جو تذکرہ ہے وہ سب فقراء کے انواع و اقسام ہیں۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمۃ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

"الاصناف السبعة انواع للفقراء والمصرف هم الفقراء ولا يجوز دفع الزكوٰة إلى هؤلاء الاصناف إلا بشرط الفقر الا العاملين — ولا تنحصر الفقراء في هذه الاصناف وانما ذكر الله تعالىٰ هذه الاصناف اهتماما بها[2]"

مستحقین زکوٰۃ کی سات قسمیں فقراء کی قسمیں ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہی ہیں اور زکوٰۃ دینا ان اقسام کو بھی جائز نہیں مگر فقر کی شرط کے ساتھ۔ سوائے عاملین کے ——— اور فقراء صرف انہیں قسموں میں منحصر نہیں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان اقسام کو بطور اہتمام کے ذکر فرمایا ہے۔

---

[1] معارف القرآن ۴/۴۰۴

[2] تفسیر مظہری ۴/۲۳۱

اب ہم مزید تفصیل کے ساتھ کتاب و سنت کی روشنی میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ استحقاقِ زکوٰۃ کی علت صرف فقر و حاجت مندی ہے اس کے بغیر استحقاق زکوٰۃ نہیں ہوگا اور یہ شرط ہر مصرف میں ما بجز عاملین و مؤلفۃ القلوب کے، ہر مصرف میں لازم ہے حتیٰ کہ غازی و حاجی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، اور مشہور حدیث کی وجہ سے اس کو مستثنیٰ قرار دینا درست نہیں۔ نیز یہ اشکال کرنا بھی درست نہیں کہ جب غازی وغیرہ کے لیے بھی فقر کی شرط لازمی ہے تو فقیر ہونے کی وجہ سے تو وہ فقراء کے ضمن میں آ ہی گئے پھر مستقلاً بیان کرنے کی کیا ضرورت، یہ تو تکرار بے فائدہ ہے، یہ اشکال بھی درست نہیں۔

مذکورہ بالا اجمالی امور کو اب ہم علیٰحدہ علیٰحدہ تفصیل کے ساتھ دلائل شرعیہ کی روشنی میں عرض کرتے ہیں۔

فقر کی شرط ہر مصرف میں ضروری اور لازم ہے

کتاب و سنت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصرف زکوٰۃ کے لیے فقر کی شرط ہر حال میں ہر شخص کے لیے ضروری ہے اور کسی بھی حال میں کسی شخص کے لیے اس کا استثناء نہیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱)

امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ توبہ میں ہر مصرف کے لیے فقر کی شرط ضروری ہونے کی دلیل میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت ذکر فرمائی ہے:

"ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم" (بقرہ)

یعنی اگر تم ظاہر کرکے صدقات کو دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور فقیروں کو دو تو یہ اخفاء تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے[1]

اس کے بعد محقق ابوبکر رازیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] سورہ بقرہ، بیان القرآن ص[illegible]

"وذلک عموم فی جمیع الصدقات لانہ اسم للجنس لدخول الالف واللام علیہ فاقتضت الآیۃ دفع جمیع الصدقات الیٰ صنف واحد من المذکورین وہم الفقراء،

فدل علیٰ ان مراد اللہ تعالیٰ فی ذکر الاصناف انما ہو بیان اسباب الفقر لا قسمتہا علیٰ ثمانیۃ"[1]

یعنی صدقہ ظاہر کے یا خفیہ طور پر دینے کا حکم تمام قسم کے صدقات کو شامل ہے کیونکہ اسم پر الف لام داخل ہے اس لیے وہ اسم جنس کے لیے ہے لہٰذا آیت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ تمام قسم کے صدقات جملہ اقسام میں سے جن کا تذکرہ کیا گیا ایک ہی قسم کو دیا جائے گا اور وہ فقراء ہیں۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اصناف کے بیان کرنے سے اسباب فقر کو بیان کرنا ہے نہ کہ آٹھ قسموں پر تقسیم کرنا۔

امام قرطبیؒ کے بیان کے مطابق صدقہ کا استعمال قرآن پاک میں صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کے لیے ہوتا ہے۔

"والصدقۃ متیٰ اطلقت فی القرآن فہی صدقۃ الفرض"[2]

لہٰذا جب مذکورہ آیت میں جملہ صدقات کو فقراء ہی کو دینے کو فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صدقات (زکوٰۃ) کا اصل مصرف صرف فقراء ہی ہیں اور مصارف زکوٰۃ میں جو قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ سب فقر کے انواع و اسباب ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲)

اس کے ساتھ احادیث کو بھی ملائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

"أمرت ان آخذ الصدقۃ من اغنیائکم وارد ہا فی فقرائکم"

یعنی مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے صدقہ وصول کروں اور فقراء کو دوں۔

اور حضرت معاذؓ کی مشہور حدیث ہے،

---

[1] احکام القرآن للجصاص ج۳ص۱۶۰ [2] تفسیر قرطبی ج۸ص۱۶۸

"ان اللہ فرض علیہم حقاً فی أموالہم یؤخذ من أغنیائہم ویرد فی فقرائہم۔"

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں حق فرض کیا ہے کہ ان کے اغنیاء سے مال لیا جائے اور فقراء کو دیا جائے۔

ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا استحقاق فقر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

"ویدل علی انہا مستحقۃ بالفقر لقولہ علیہ السلام امرت ان آخذ الصدقۃ۔ الحدیث۔

فاخبران المعنی الذی یستحق بہ جمیع الاصناف ہو الفقر لانہ عم جمیع الصدقۃ واخبر انہا مصروفۃ الی الفقراء وہذا اللفظ مع ما تضمن من الدلالات یدل علی ان المعنی المستحق بہ الصدقۃ ہو الفقر وان عمومہ یقتضی جواز دفع جمیع الصدقات الی الفقراء حتی لایعطی غیرہم بل ظاہر اللفظ یقتضی ایجاب ذلک لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت۔"[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ بے شک وہ بنیاد جس کی وجہ سے تمام اصناف زکوٰۃ کا استحقاق رکھتے ہیں وہ فقر ہی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صدقات کو عموم سے بیان فرمایا ہے اور خبر دی ہے کہ ان صدقات کو فقراء پر صرف کیا جائے۔ اور یہ لفظ مع دوسری دلالات کے اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ بنیاد جس سے صدقہ کا استحقاق ہوتا ہے وہ فقر ہے اور بے شک اس کا عموم تمام صدقات کو فقراء ہی کے دیئے کو بتلاتا ہے حتیٰ کہ فقراء کے علاوہ غیر کو نہ دیا جائے بلکہ ظاہر لفظ سے اس کا وجوب معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "امرت" فرمایا ہے (جس کا مقتضیٰ وجوب ہے)۔

---

[1] احکام القرآن للجصاص ۳/۱۳۱ ، بدائع الصنائع ۲/۳۹

(۳)

علامہ کاسانیؒ نے اسی انداز کی اپنے نرالے انداز سے گفتگو فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء ہی ہیں ورنہ حدیث کا مقصود و مفہوم ہی باطل ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں:

" ولنا قوله صلى الله عليه وسلم لاتحل الصدقة لغنى وقوله صلى الله عليه وسلم امرت ان آخذ الصدقة من اغنيائكم وارده‍ا فى فقرائكم جعل الناس قسمين قسما يوخذ منهم وقسما يصرف اليهم فلوجاز صرف الصدقة إلى الغنى لبطلت القسمة وهذا لايجوز"[۱]

ہماری دلیل فرمان نبوی لا تحل الصدقة لغنی ہے یعنی کسی مال دار کے لیے صدقہ حلال نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مال داروں سے صدقہ لوں اور فقیروں کو دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی دو قسمیں فرمائیں۔ ایک قسم جن سے لیا جائے گا اور ایک قسم جن پر صرف کیا جائے گا پس اگر صدقہ کو غنی (مال دار) کی طرف صرف کیا جائے تو تقسیم باطل ہو جائے گی اور یہ جائز نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں غزاۃ مجاہدین اغنیاء کے لیے بھی زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

" ولايصرف إلى اغنياء الغزاة عندنا لان المصرف هو الفقراء"[۲]

یعنی مال زکوٰۃ مال دار مجاہدین پر صرف نہ کیا جائے گا کیوں کہ مصرف تو فقراء ہی ہیں۔

الغرض کتاب و سنت کے اطلاق و تعمیم اور تقسیم سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ صدقات کو اغنیاء سے لے کر فقراء ہی پر صرف کیا جائے گا اور اصلاً فقراء ہی اس کا مصرف ہیں اس لیے ہر مصرف کے واسطے فقر کی شرط ضروری اور لازم ہے۔

اب اگر کوئی خبر واحد ایسی ہے جس سے غنی مجاہد پر بھی صرف زکوٰۃ کا جواز معلوم ہوتا ہے اس وقت

---

[۱] بدائع الصنائع ۴۶/۲ [۲] فتح القدير لابن همام ۲۵/۲

غور کرنا چاہیے کہ جو حکم اپنے عموم کے ساتھ کتاب وسنت سے ثابت ہو اس میں خبر واحد کے ذریعہ تخصیص کہاں تک کی جاسکتی ہے، نیز اس خبر واحد کا کیا درجہ ہے اور تعارض کی صورت میں ترجیح کس کو ہوگی یا تطبیق کی شکل کیا ہوگی اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

غنی مجاہد کیلئے مستحق زکوٰۃ ہونے کی تحقیق و تفصیل

اس باب میں حضرت عطاء بن یسارؓ کی حدیث مرسل جس کو ابوداؤد، مالک، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے وہ یہ ہے:

"عن عطاء بن يسار مرسلا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة لغاز في سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم۔ الحديث۔ رواه مالك وابن ماجه وابوداؤد"[1]

اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالداروں کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے مگر پانچ لوگوں کے، مجاہد فی سبیل اللہ یا عامل علی الزکوٰۃ یا مقروض۔ الحدیث۔

اس حدیث کی وجہ سے شافعیہ وحنابلہ وغیرہ جو اگرچہ مصرف صدقات کے لیے فقر کی شرط لگاتے ہیں، لیکن اس حدیث کی وجہ سے اس شرط سے غازی (جو کہ فی سبیل اللہ کا مصداق ہے) کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں[2]

ایک طرف تو یہ حدیث ہے جس سے غازی غنی کے لیے صدقہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، دوسری طرف وہ احادیث ہیں جن میں اطلاق کے ساتھ غنی کے لیے صدقہ کی عدم حلت کو بیان کیا گیا ہے۔

اور وہ حدیث یہ ہے: "لا تحل الصدقة لغني" رواه ابوداؤد والترمذي[3]

اور ایک حدیث میں ہے: "لا حظ فيها لغني" رواه ابوداؤد والنسائي[4]

---

[1] فتح القدير، تفسير مظهري ۴/۲۳۴، شرح السنة للبغوي ۶/۹۰

[2] الفقه الإسلامي ۲/۸۸۸

[3] فتح القدير ۲/۱۰۱، ورواه أيضاً الشافعي رحمه الله والدارقطني في المصنف وابن ماجه، حاشية شرح السنة ۶/۹۰

ان احادیث میں مطلقاً غنی کے لیے مالِ صدقہ کی عدمِ حلت کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز کتاب وسنت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ غنی کے لیے کسی حال میں صدقہ حلال نہ ہو جس کی تفصیل ما قبل میں گزر چکی۔

اب دیکھنا چاہیے کہ دونوں قسم کی روایات یعنی ایک تو وہ روایت جس سے غنی مجاہد کے لیے صدقہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، دوسرے وہ روایات ہیں جن سے مطلقاً ہر غنی کے لیے صدقہ کی حرمت معلوم ہوتی ہے دونوں قسم کی روایات میں کون سی روایت راجح اور قابلِ اعتماد ہے۔

تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حدیث "لا تحل الصدقة لغني[1] ، لا حظ فيها لغني[2] " یہ روایات جن کو شافعی، عبدالرزاق، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے صحیح سند سے نقل فرمایا ہے، سند و متن کے اعتبار سے صحیح و قابلِ اعتماد ہیں۔ ابن ہمام نے اس کی تفصیل فرمائی ہے[3]۔ اس کے برخلاف وہ روایت جس میں غنی مجاہد کے لیے صدقہ کو حلال بتلایا گیا ہے اس میں سند و متن دونوں ہی اعتبار سے اضطراب ہے جیسا کہ محققین نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"قلت في هذا الحديث اضطراب في السند والمتن اما السند فاختلف على زيد بن اسلم فقيل عنه عن عطاء مرسلاً كما قال مالك في الموطا وروى عنه ابوداؤد وقيل عن زيد قال حدثني الثبت وقيل عن زيد عن عطاء عن ابي سعيد ذكر الروايات ابوداؤد۔

واما في المتن ففي الرواية المذكورة كما ذكرنا وفي رواية ابي داؤد عن عمران البارقي عن عطية عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني الا في سبيل الله عز وجل او ابن السبيل او جار فقير تصدق عليه فيهدي لك او يدعوك"[4]

---

[1] رواه الشافعي والطحاوي واخرجه احمد و عبدالرزاق [illegible] واخرجه النسائي وابن ماجه [illegible] شرح السنة [illegible]

[2] مسند شافعی ۲/۲۳ [illegible] واخرجه ابوداؤد [illegible] في المصنف [illegible]

[3] فتح القدیر ۲/۲۰۹ [4] تفسیر مظہری ۴/۲۳۲

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں سند و متن دونوں ہی اعتبار سے اضطراب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شارح حدیث ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اوجز شرح مؤطا میں نقل فرمایا ہے اور محقق ابن ہمامؒ نے اس حدیث کی بابت تصریح فرمائی ہے:

" وما رواه ابوداؤد وابن ماجة ومالك عنه عليه الصلوٰة والسلام لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة الحديث۔ قيل لم يثبت ولو ثبت لم يقوٰ حديث معاذ فانه رواه اصحاب الكتب الستة مع قرينة من الحديث الآخر۔

ولو قوى قوته ترجح حديث معاذ بانه مانع وما رواه مبيح "[1]

یعنی حدیث لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة کی بابت یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو حدیث معاذ کے درجہ اور پایہ کی نہیں (جس سے غنی مجاہد کے لیے صدقہ کی عدم حلت معلوم ہوتی ہے) کیوں کہ حدیث معاذ کو تو اصحاب ستہ نے روایت کیا ہے، اور اگر اس درجہ کی مان بھی لی جائے تب بھی حدیث معاذ کو ترجیح ہوگی کیوں کہ وہ مانع ہے اور یہ مبیح ہے جس میں تاویل بھی کی گئی ہے (اور مانع و مبیح میں تعارض کے وقت مانع کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حاصل ہے ابن ہمامؒ کے کلام کا۔

الغرض کتاب اللہ اور متعدد احادیث صحیحہ سے غنی کے لیے مطلقاً مال صدقہ کی حرمت اور صدقہ کے مال کی حلت کے لیے فقر کی شرط ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک حدیث سے غنی مجاہد کے لیے صدقہ لینے کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور وہ حدیث مضطرب و مجروح ہے۔ اس درجہ کی نہیں جس درجہ کی وہ احادیث ہیں جن سے حرمت معلوم ہوتی ہے اور اگر ہوں بھی تو چوں کہ یہ روایت مبیح ہے اور دوسری احادیث صحیحہ مانع ہیں لہٰذا ممانعت والی روایات کو ترجیح ہوگی، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء

---

[1] فتح القدير ۲۰۹/۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۲۵۰/۲

نے یہاں تک فرمادیا کہ غنی کے لیے کسی حال میں بھی زکوٰۃ حلال نہیں خواہ وہ مجاہد ہو یا عامل، چنانچہ ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں ابن القاسم سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔

" روی عن ابن القاسم انہ لایجوز اخذ الصدقۃ لغنی اصلاً مجاھداً کان او عاملاً "[1]

غلط فہمی کا ازالہ

گزشتہ تفصیلات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ احناف پر یہ الزام کہ " فی سبیل اللہ " تو نص میں مطلق ہے اس پر فقر کی قید نص پر زیادتی ہے یہ الزام غلط ہے، کیوں کہ خود نص (کتاب وسنت) ہی سے یہ قید ثابت ہے جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی، بلکہ اس قید سے غازی کو مستثنیٰ سمجھنا محتاج دلیل ہے کیوں کہ جس دلیل سے استثنا کیا جارہا ہے وہ محل کلام اور مجروح ہے۔ نیز جو حضرات فی سبیل اللہ پر فقر کی قید کو زیادتی علی النص بتلاتے ہیں خود وہ حضرات بھی تو ابن السبیل (مسافر) کے لیے بحالت سفر فقر کی قید لگاتے ہیں سو یہ زیادتی کس طرح درست ہوگی؟

تطبیق بین الاحادیث کی صورت

بالفرض اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کیا جائے تب بھی یہ حدیث اس مسلک کے خلاف نہیں جس میں فقر کی شرط کو غازی ومجاہد کے لیے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ہمارے فقہاء احناف نے اس حدیث کو ذکر فرماکر اس کا محمل متعین فرمایا ہے اور تطبیق کی صورت ذکر فرمائی ہے جس کے بعد تو کسی قسم کا کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ محقق ابوبکر جصاص رازیؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

" فان قیل فقد اجاز النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاغنیاء الغزاۃ اخذ الصدقۃ بقولہ لاتحل لغنی الا فی سبیل اللہ ؟ - قیل لہ قد یکون الرجل غنیا فی اھلہ وبلدہ بدار یسکنہا ــــــــ ولہ فضل مأتی درھم او قیمتہا فلاتحل لہ الصدقۃ فاذا عزم

---

[1] بدایۃ المجتہد ۱/۲۶۸

علی الخروج فی سفر غزو احتاج من آلات السفر فینفق الفضل من اثاثہ ـــــ تجوز لہ الصدقۃ[1]

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال دار مجاہدین کے لیے صدقہ لینے کو جائز قرار دیا ہے اپنے اس قول سے لا تحل لغنی الا فی سبیل اللہ (یعنی مالدار کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے سوائے مجاہد کے) اس کے متعلق جواب یہ دیا جائے گا کہ کبھی ایک شخص اپنے شہر وطن اور گھر والوں میں مال دار ہوتا ہے نصاب سے زائد اس کے پاس دراہم ہوتے ہیں یا اس کی قیمت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے زکوۃ حلال نہیں ہوتی لیکن جب وہ سفر جہاد میں نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو آلات سفر، آلات حرب کا محتاج ہوتا ہے زائد رقم کو خرچ کرتا ہے (اور ضرورت کی وجہ سے ایسے وقت میں) اس کے لیے صدقہ جائز ہوجاتا ہے۔

علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں اس کی مزید تفصیل فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

" واما استثناء الغازی فمحمول علی حال حدوث الحاجۃ وسماہ غنیا علی اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجۃ وھو ان یکون غنیا ثم تحدث لہ الحاجۃ بان کان لہ دار یسکنہا ـــــ ولہ مع ذلک فضل مائتی درھم حتی لا تحل لہ الصدقۃ ثم یعزم علی الخروج فی سفر غزو فیحتاج إلی آلات سفرہ وسلاح یستعملہ فی غزوتہ ومرکب یغزو علیہ علی مالم یکن محتاجا الیہ فی اقامتہ فیجوز ان یعطی من الصدقات ـــــ وھو فی مقامہ غنی[2]

علامہ کاسانی کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ وہ حدیث جس میں غنی مجاہد کے لیے صدقہ کی حلت کو بتلایا گیا ہے وہ وقتی حاجت کے پیش آنے پر محمول ہے اور اس کو غنی و مالدار باعتبار ماکان یعنی سابق حالت کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے جس وقت کہ اس کو وہ حاجت پیش نہ آئی تھی، مثلاً ایک شخص مالدار صاحب نصاب ہے حتی کہ اس کے واسطے صدقہ حلال نہیں، پھر وہ سفر جہاد کا ارادہ کرتا ہے اور آلات سفر و جہاد، ہتھیار

---

[1] احکام القرآن ج۳/۱۲۶ [2] بدائع الصنائع ۲/۴۸، اوجز المسالک شرح موطا، ۳/۲۲۳

سواری وغیرہ کا حاجت مند ہوتا ہے۔ اس کو ایسی سواری چاہیے جس پر سوار ہو کر وہ جہاد کر سکے ——— یعنی تمام ان چیزوں کا محتاج ہوتا ہے کہ حالت اقامت میں ان کا محتاج نہیں تھا، ایسی ضرورت اور حاجت کے وقت میں جائز ہے کہ اس کو مال صدقہ دیا جائے حالاں کہ وہ اپنے مقام میں صاحب نصاب اور مالدار ہے۔

الغرض مجاہد حاجت مند پر جو غنی کا اطلاق کیا گیا ہے وہ مجازاً اور گزشتہ حالت کے لحاظ سے ہے، جب کہ اس کو حاجت پیش نہیں آئی تھی، اور صدقہ کی حلت موجودہ حالت کے اعتبار سے ہے۔ جب کہ وہ حاجت مند ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ تطبیق کی یہ بہتر شکل ہے جس سے دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف غنی مجاہد کو گو غیر محتاج ہو زکوٰۃ کا مصرف قرار دینے میں ان احادیث کا ترک لازم آتا ہے جس میں مطلقاً غنی کے لیے حرمت زکوٰۃ کو بتلایا گیا ہے۔ تطبیق اور جمع بین الاحادیث کی وہی شکل ہے جس کو علامہ کاسانیؒ اور محقق رازی نے ذکر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

البتہ یہ اشکال کیا جا سکتا ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں جب ہر مصرف کے لیے فقر کی شرط ضروری اور لازم ہے جیسا کہ کتاب و سنت کا مقتضیٰ ہے تو پھر "عامل" کے لیے یہ قید کیوں ضروری نہیں اور غناء کے باوجود کیوں وہ مستحق زکوٰۃ ہوتا ہے۔

محقق ابوبکر جصاص رازیؒ اور علامہ کاسانیؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے:

"فان قیل العامل یستحقه لا بالفقر قیل له لم یکونوا یاخذ ونها صدقة وانما تحصل الصدقة للفقراء ثم یاخذها العامل عوضاً من عمله لا صدقة کفقیر تصدق علیه فاعطاها عوضاً عن عمل عمل له وکما کان یتصدق علی بریرة فتهدیه للنبی صلی الله علیه وسلم هدیة للنبی وصدقة لبریرة"[1]

اگر یہ کہا جائے کہ عامل مستحق زکوٰۃ ہوتا ہے لیکن فقر کی وجہ سے نہیں، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ

---

[1] احکام القرآن ۳/۴

عاملین خود اپنی ذات کے لیے صدقہ نہیں لیتے۔ بے شک صدقہ تو فقراء کے لیے حاصل ہوتا ہے پھر عامل اس کو اپنے عمل کے عوض میں لیتا ہے جس عمل کو اس نے فقیر کے لیے کیا ہے نہ کہ بطور صدقہ کے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی فقیر پر صدقہ کیا گیا اس نے اس صدقہ کو ایسے عمل کے عوض میں دے دیا جس نے اس کے لیے عمل کیا۔ یہ تو ایسا ہوا جیسے حضرت بریرہ پر صدقہ کہ حضور کے لیے تو وہ ہدیہ تھا اور حضرت بریرہ کے لیے صدقہ۔

شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمۃ اور علامہ کاسانی نے بھی اسی انداز کا جواب تحریر فرمایا ہے[1] جواب کا حاصل یہی ہے کہ عامل جو مستحق زکوٰۃ ہوتا ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ صدقہ کا مال اصلاً اسی کو دیا جاتا ہے بلکہ اس میں فقراء کا واسطہ ہے چوں کہ عامل فقراء کا وکیل بالقبض ہوتا ہے، عامل کا قبضہ گویا وکیل کا قبضہ ہوتا ہے، نیز عامل فقراء کے کام میں محبوس ہوتا ہے اس لیے بہ قدر کفایت فقراء ہی کے مال سے بطور عوض کے عامل کو دیا جاتا ہے نہ کہ اس بنا پر کہ یہ فقر کی وجہ سے مستحق زکوٰۃ ہے، بلکہ اس بنا پر کہ اس نے فقراء کے لیے عمل کیا اس عمل کا عوض اس کو دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غنا کے باوجود اس کو مصرف زکوٰۃ سمجھا گیا۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح کا اشکال مؤلفۃ القلوب کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے۔ اشکال و جواب کی تقریر محقق رازی نے احکام القرآن میں بیان فرمائی ہے۔[2]

فی سبیل اللہ میں فقر کی قید سے تکرار مصارف کا شبہ اور اس کا حل

ایک مغالطہ عام طور سے یہ ہوتا ہے اور یہ بات کہی جاتی ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصداق میں بھی اگر فقر کی قید ملحوظ ہے تو پھر اس مصرف کو بیان کرنے سے فائدہ کیا؟ کیوں کہ فقر کی وجہ سے تو وہ پہلے ہی فقراء کے

---

[1] لانهم لما فرغوا انفسهم لعمل الفقراء كانت كفايتهم في مالهم ولهذا يأخذون مع الغنى (مبسوط سرخسی ۲/۹) وفي البدائع لانه لما صار وكيلاً عنه في القبض فصار كأن الفقير قبض بنفسه وملكه الخ (بدائع ۲/۴۴) ——— اسی انداز کی گفتگو دیگر مذاہب والوں نے بھی فرمائی ہے۔ وفي الشرح الكبير يعطى العامل وإن كان غنياً لانه اجرة فلا ينافي الغنى۔ وفي شرح الاقناع قال اصحابنا ما يأخذه العامل اجرة على عمله وليس من الزكاة ولذا يأخذ وان كان غنياً الخ (هكذا في شرح الاقناع)۔ (من الفقه على المذاهب ۲/۲۲۹) [2] احکام القرآن ۳/۱۲۴

ضمن میں داخل ہو چکے۔ فی سبیل اللہ میں فقر کی قید لگانا گویا مستقل مصرف کو باطل کرتا ہے یا پھر تکرار بے سود ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بلیغ ہے اس طرح کے تکرار سے منزہ ہے۔ صاحب تفسیر المنار اور شیخ یوسف قرضاوی نے یہ اشکال ذکر فرمایا ہے[1]

لیکن یہ اشکال صرف فی سبیل اللہ ہی پر کیوں ہے فقر کی شرط تو بجز عامل کے ہر مصرف میں ضروری اور لازم ہے[2] دوسرے مصارف پر بھی شبہ ہونا چاہیے۔

نیز احناف ہی کی کیا تخصیص ہے دوسرے مذاہب میں بھی کسی نہ کسی مصرف میں (مثلاً ابن السبیل) فقر کی قید ضروری اور لازم ہے[3] یہ اشکال تو دوسرے مصارف اور دوسرے مذاہب پر بھی ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آیت میں مصارف زکوٰۃ کو عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور عطف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم اپنے قسیم سے مغایر و ممتاز ہو یعنی جملہ اقسام میں باہم مغایرت ہونا چاہیے۔ ابوحیان الاندلسی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"والظاهر ان مصرف الصدقات هؤلاء الاصناف والظاهر ان العطف مشعر بالتغاير[4]

یعنی مصارف زکوٰۃ یہی اقسام ہیں (جن کو عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے) اور ظاہر یہ ہے کہ عطف تغایر کو بتلاتا ہے۔

یعنی جملہ اصناف میں باہم مغایرت ہونا چاہیے، یہی عطف کا تقاضا ہے۔ لہٰذا اگر یہ مغایرت ثابت ہو جائے تو اس کو تکرار بے فائدہ یا مستقل صنف کا ابطال کا الزام غلط ہوگا۔ بلکہ کسی فائدہ اور خصوصیت

---

۱ انه بهذا القيد ابطل كون سبيل الله صنفا مستقلاً اذا رجعه إلى الصنف الاول وهم الفقراء والمساكين (تفسير المنار ۱۰/۵۳)، فما الفرق اذن بين هذا المصرف وما سبقه وما يلحقه؟ ان كلام الله البليغ المعجز يجب ان ينزه عن التكرار بغير فائدة — (فقه الزكوٰة ۲/۶۵۶)۔

۲ فتح القدیر ۲/۲۶۵ ، بدائع ۲/۴۳ ، بحر الرائق ۲/۲۶۰

۳ الفقه الاسلامی ۲/۸۶۰   ۴ تفسیر البحر المحیط ۵/۵۸

کی وجہ سے عطف کے ذریعہ مغایرت کرنا کلام بلیغ ہی کی شان ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ ان میں باہم مغایرت ہے یا نہیں، اور مغایرت کس طرح ثابت ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

"فان قیل فی سبیل اللہ مکررًا — اجیب بانہ فقیر الا انہ ازداد فیہ شیء آخر سوی الفقر وھو الانقطاع فی عبادۃ اللہ من جہاد أو حج فلذا غایر الفقیر المطلق فان المقید یغایر المطلق لا محالۃ ویظھر اثر التغایر فی حکم آخر ایضًا وھو زیادۃ التحریض والترغیب فی رعایۃ جانبہ"[1]

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ فی سبیل اللہ بھی اگر فقر کی قید ضروری ہے تو پھر فی سبیل اللہ مکرر ہوا ۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ بے شک وہ فقیر ہی ہے البتہ اس میں فقر کے علاوہ دوسری شئی زائد ہے اور وہ اللہ کی عبادت یعنی حج و جہاد کے لیے بالکلیہ یکسو ہو جانا۔ یہی اسی وجہ سے ان کا یہ فقیر مطلق فقیر کے مغایر ہو گیا۔ کیونکہ مقید مطلق کے مغایر ہے یقیناً۔ اور اس تغایر کا اثر دوسرے احکام میں ظاہر ہوگا۔ اور وہ ہے خصوصاً اس کی رعایت اور جانب میں ترغیب و تحریض کی زیادتی۔

علامہ ابن نجیم بحر رائق میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قلت ھو الفقیر الا انہ ازداد علیہ بالانقطاع فی عبادۃ اللہ تعالیٰ فکان مغایرًا للفقیر المطلق عن ھذا القید کذا فی النہایۃ"[2]

میں کہتا ہوں کہ فی سبیل اللہ فقیر ہی ہے مگر یہ کہ اس پر انقطاع فی عبادۃ اللہ یعنی اللہ کی عبادت کے لیے منقطع و یکسو ہو جانا کی زیادتی ہے۔ اس لیے اس قید کی وجہ سے مطلق فقیر سے مغایر ہوگا۔

جواب کا ماحصل یہی ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد بھی تو وہی فقیر ہے جس کا مصرف اول "فقراء" اور اس فقیر مجاہد میں فرق ہے۔ وہاں تو مطلق ہے اور یہ مقید ہے۔ یہاں وہ فقیر مراد ہے جو دوسری خصوصیات کا حامل ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کے لیے یکسو اور مخلص ہو جانا۔ بس اسی وجہ سے یہ مقید فقیر مطلق فقیر سے

---

[1] روح المعانی ۱۰/۱۲۲ [2] بحر الرائق ۲/۲۴۳

مغایر اور ممتاز ہو جائے گا، کیوں کہ یقینی بات ہے کہ مطلق مقید کے مغایر ہوتا ہے اور جب تغایر ثابت ہو گیا تو پھر تکرار کہاں رہا، اور اس کا فائدہ دوسری صورتوں میں ظاہر ہوگا، مثلاً یہ کہ اس مخصوص فقیر کو مطلق فقیر کی بہ نسبت ترجیح اور فضیلت حاصل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ بالا تقریر سے اشکال کا جواب ظاہر ہے۔

محقق تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"بجز عاملین کے باقی اصناف میں قید مذکور (فقر کی قید) شرط ہے اور اس بنا پر صرف فقرا کہہ دینا کافی معلوم ہوتا تھا لیکن دوسرے عنوانات کے لانے سے یہ مقصود ہے کہ ان میں علاوہ فقر و مسکنت کے دوسرے اسباب استحقاق و دستگیری کے بھی ہیں"[1]

مذکورہ بالا تفصیلات سے الحمد للہ تکرار مصرف کا شبہ ختم ہو جاتا ہے۔

فی سبیل اللہ کے دائرہ کار کی توسیع و تحدید

علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ کی عبارت کی توجیہ

گزشتہ مباحث میں یہ بات تفصیل سے عرض کی جا چکی ہے کہ فی سبیل اللہ کا ایک تو لغوی مفہوم اور عام معنی ہیں جس کے تحت ہر طاعت اور امر خیر داخل ہو سکتا ہے اور ایک خاص اصطلاحی مفہوم ہے جس کا مصداق مجاہدین ہے۔ مصارف زکوٰۃ کے بیان میں فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غزاۃ و مجاہدین یا حجاج ہی ہیں اس کے علاوہ کوئی تیسرا قول ماثور نہیں ہے[2]

اس لیے مصارف زکوٰۃ کے بیان میں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں توسیع اور عام معنی مراد لینے کی تو قطعاً گنجائش نہیں ہو سکتی۔ شیخ یوسف قرضاوی نے بھی اسی کی ترجیح فرمائی ہے[3]

لیکن استحقاق زکوٰۃ کی جو علت فقہاء نے ذکر فرمائی ہے یعنی فقر و احتیاج اس علت کا اعتبار کرتے ہوئے ہر طاعت اور عمل خیر کو بھی فی سبیل اللہ کے تحت داخل کر سکتے ہیں لیکن نہ کہ اس وجہ سے کہ مصارف

---

[1] بیان القرآن ۴/۱۲۰، سورۂ توبہ

[2] ملاحظہ ہو، ابن کثیر ۲/۳۶۶، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ص ۶۲۲ ج ۱، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ص ۱۱۳

[3] ولذا أرجح عدم التوسع في مدلول سبيل الله بحيث يشمل كل المصالح والقربات۔ فقہ الزکوٰۃ ص ۶۵۵

زکوٰۃ میں بیان کردہ فی سبیل اللہ کا مصداق یہ امور بھی ہیں بلکہ اس بنا پر کہ استحقاق زکوٰۃ کی جو علت ہے وہ علت یہاں بھی موجود ہے۔ گویا علت کے پیش نظر فی سبیل اللہ کے اصطلاحی معنی سے قطع نظر لغوی عام معنی بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آیت میں فی سبیل اللہ کے مصداق میں یہی تعمیم مقصود اور مراد ہے کیونکہ اس کا مصداق تو مجاہد یا حاجی متعین ہے۔ اس کے علاوہ کسی تیسرے قول کی گنجائش ہی نہیں۔ فقہاء احناف کی جملہ طبقات کی کتب فقہ متون، شروح، فتاویٰ، مبسوط، فتح القدیر وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد صرف غازی ہے یا حاجی۔

البتہ علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں ایسی عبارت تحریر فرما دی جس سے لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ آیت میں فی سبیل اللہ کے مصداق بنانے میں جملہ امور خیر و طاعات داخل ہیں حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"واما قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل
فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجا"[1]

صاحب بدائع نے پہلے فی سبیل اللہ کی عام تعریف فرمائی ہے کہ تمام ثواب کے کاموں کو فی سبیل اللہ کہتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ لہذا ہر وہ شخص اس کے اندر داخل ہوگا جو اللہ کی طاعت اور نیک کاموں میں کوشش کرے بشرطیکہ وہ حاجت مند ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ نے ہر طاعت اور بھلے کاموں کو محض علت کی بنا پر مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے نہ کہ اس بنا پر کہ اصطلاحی فی سبیل اللہ کا مصداق بھی یہی ہیں اور یہ بات عین اصول کے مطابق ہے کہ کسی حکم کو اس کی علت کی بنا پر ہی اس کے دائرہ کی تحدید و توسیع اور اس حکم کی تعریف و تعبیر کر دی جائے۔ جیسے کہ یہاں پر کہا گیا ہے کہ اصل حکم فی سبیل اللہ کا مصرف زکوٰۃ ہونا ہے جس کی علت فقر و احتیاج ہے لہذا اس علت کے پیش نظر اگر اس حکم کی تعبیر اور اس کے دائرہ کی توسیع کر دی جائے تو اس میں کون سے اشکال کی بات ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ صاحب بدائع نے علت احتیاج کی قید کے ساتھ فی سبیل اللہ

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۴۵

کے مفہوم میں توسع اختیار فرمایا ہے اور فی سبیل اللہ کے اصل مصداق (غزاۃ و حجاج) سے قطع نظر اس کے عام معنی مراد لیے ہیں، لیکن بہ طور درایت کے نہ کہ بہ طور روایت کے۔

لیکن فقر و احتیاج کی قید کے ساتھ چوں کہ اس عام معنی کو بھی مقید کر دیا ہے اس لیے تعمیم و توسیع کے باوجود تخصیص باقی رہتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو بھی مستحق زکوٰۃ محتاج کسی بھی طاعت اور خیر کے کاموں میں مصروف ہو، احتیاج کی بنا پر وہ بھی مستحق ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اور اسی بنیاد پر فتاویٰ ظہیریہ کی عبارت ہے جس میں سبیل اللہ کی تفسیر میں طلبہ علم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

> "صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لیے نشر و اشاعت کر اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے مگر مال دار صاحب نصاب کو نہیں دیا جا سکتا۔"[1]

فی سبیل اللہ اور جہاد بالقلم وغیرہ

مذکورہ بالا تفصیل اور صاحب بدائع کی تصریح سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ علت فقر و احتیاج کی قید کے ساتھ فی سبیل اللہ کے مفہوم کو جس قدر چاہیں وسیع تر کر لیجیے اور جہاد بالسیف کے ساتھ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کے ساتھ جہاد بالمال وغیرہ دیگر اقسام بھی شامل کر سکتے ہیں بشرطیکہ فقر و احتیاج کی علت موجود ہو جس کی قید صاحب بدائع نے ذکر فرمائی ہے۔ اس قید و شرط کے ساتھ جہاد فکری و ثقافتی بھی اس کے تحت آجائیں گے۔ بلکہ فی سبیل اللہ کے عام معنیٰ کے لحاظ سے دوسرے مصارف کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہوں گے لیکن تملیک کی شرط ہر حال میں لازم اور ضروری ہوگی کیوں کہ یہ تو رکن زکوٰۃ ہے جس کے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی ہی نہیں ہو سکتی جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

---

[1] معارف القرآن ۳۹۶/۴

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں :

" فی سبیل اللہ میں حرف "فی" کا اعادہ کیا گیا ہے۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو غریب شخص کی امداد اور دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت ــــــ اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لیے لیتے ہیں۔ (روح بحوالہ ظہیریہ)[1]

تملیک کی بحث

سوالات کے ضمن میں کہیں تملیک کی بحث مذکور نہیں لیکن چونکہ جن سوالات کے جوابات عرض کیے گئے ہیں ان میں ضمناً تملیک کی بحث آتی ہے جس کی تحقیق کے بغیر جواب بھی ناقص رہے گا۔ مثلاً فی سبیل اللہ کے مفہوم کو وسیع تر کر سکتے ہیں لیکن تملیک کی شرط بہرحال ضروری ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تملیک کی بحث بھی عرض کر دی جائے۔ سو جاننا چاہیے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ کی صحت کے لیے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط اور رکن زکوٰۃ ہے جس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔ فقہاء احناف نے خاص طور پر اس کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ شرح سیر میں ہے:

" وتلك الصدقة شرط صحتها التمليك "[2]

اور ہدایہ میں ہے:

" ولا يبنى بها مسجد لانعدام التمليك وهو الركن "[3]

یعنی زکوٰۃ کی صحت کے لیے مالک بنانا شرط ہے اور زکوٰۃ کی رقم مسجد وغیرہ میں نہیں لگا سکتے تملیک نہ پائے جانے کی وجہ سے اور یہی رکن ہے۔ لہٰذا تمام وہ صورتیں جس میں تملیک نہ پائی جائے ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔[4] واللہ اعلم۔

---

[1] معارف القرآن ج ۴/۴۰ [2] شرح السیر ج ۴/۲۴۴ [3] ہدایہ کتاب الزکوٰۃ

[4] فكل قربة خلت عن التمليك لا تجزي عن الزكوٰة (مبسوط سرخسی ۲/۲۰۲)

ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کے ضروری اور شرط ہونے کے دلائل

(۱)

وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن پاک میں ادائیگی زکوٰۃ کے لیے جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ لفظ "آتوا" اور "ایتاء" ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ۔ اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ۔ اور ایتاء کے لغوی و شرعی معنیٰ اعطاء کے ہیں، یعنی کسی کو دینا اور مالک بنانا اور یہ صرف اسی صورت میں صادق آتا ہے جب کہ کسی کو کسی چیز کا بغیر کسی معاوضہ کے مالک بنا دیا جائے کیوں کہ ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطا کرنے کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے[۱]

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ مفردات القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

"الایتاء الاعطاء وخص دفع الصدقۃ فی القرآن بالایتاء"[۲]

یعنی ایتاء کی حقیقت اعطاء (یعنی دینا مالک بنا دینا) ہے اور قرآن میں صدقہ دینے کو ایتاء کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ اور مغرب میں ہے:

"تصدق علی المساکین اعطاھم الصدقۃ وھی العطیۃ الخ"[۳]

مساکین پر صدقہ کیا یعنی ان کو صدقہ دیا اور یہ وہ عطیہ ہے۔ الخ

الغرض ایتاء زکوٰۃ کی حقیقت ہی میں تملیک کا مفہوم بھی شامل ہے اس کے بغیر ایتاء زکوٰۃ کا تحقق ہی نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں حنابلہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف سے زکوٰۃ کی جو تعریف نقل فرمائی ہے اس کی ماہیت میں تملیک کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

"الزکوٰۃ ھی لغۃ التطہیر وشرعاً تملیک مال مخصوص لمستحقہ بشرائط مخصوصۃ"[۴]

یعنی لغت میں زکوٰۃ بمعنی تطہیر ہے اور شریعت میں زکوٰۃ کہتے ہیں مخصوص مال کا مخصوص شرائط

---

[۱] معارف القرآن ۴/۴۱۱ [۲] مفردات القرآن [۳] مغرب ۱/۱۹۹

[۴] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۵۹۰

کے سب تو مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا دیا۔

اور علماء کی تعریف میں تملیک کا ذکر گو صراحتاً نہیں ہے لیکن ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک کی شرط ان کے یہاں بھی ہے جس کی تصریح آگے آرہی ہے۔

الغرض زکوٰۃ کی حقیقت میں تملیک کا مفہوم بھی شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ہر ایسی صورت اور حالت جس میں تملیک نہ پائی جائے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔[۱]

(۲)

دوسرے لفظ "آتو" و "ایتاء" زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ بھی دوسرے مواقع میں استعمال ہوا ہے وہاں بھی ایتاء کا مفہوم یہی ہے کہ ان کو مالک بنا دیا جائے ورنہ ایتاء کا تحقق نہ ہوگا۔ مثلاً وآتوا النساء صدقتهن یعنی عورتوں کو ان کے مہر دے دو۔ ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کا مالکانہ قبضہ دے دیا جائے ورنہ اس کے بغیر مہر کی ادائیگی نہیں ہوتی، اسی طریقے سے یہاں بھی سمجھنا چاہیے کہ جب تک رقم زکوٰۃ کا کسی مستحق کو مالک نہ بنا دیا جائے اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۳)

تیسرے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام صدقہ رکھا ہے، صدقہ کی حقیقت ہی یہی ہے اگر غور کر لیا جائے تو اس سے بھی تملیک ضروری معلوم ہوتی ہے کیونکہ صدقہ کی حقیقت ہی تملیک ہے یعنی یہ کہ کسی فقیر محتاج کو اس کا مالک بنا دیا جائے۔ چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"ان الله تعالى سماها صدقة وحقيقة الصدقة تمليك المال من الفقير"[۲]

---

۱ قد امر الله تعالى بايتاء الزكوٰة ـ والايتاء هو التمليك (بدائع ۲/۳۹) وفي المبسوط والاصل فيه فعل الايتاء، ولا يحصل الايتاء الا بالتمليك فكل قربة خلت من التمليك لا تجزئ عن الزكوٰة. (مبسوط سرخسی ۲/۲۰۲)۔ ۲ فتح القدیر ۲/۲۰۸

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں :۔ "التصدق تملیک"[1]

محقق رازیؒ فرماتے ہیں :

"فان الصدقة تقتضی تملیکاً اذ شرط الصدقة وقوع الملک للمتصدق علیہ"[2]

جملہ عبارات کا حاصل وہی ہے جو ماقبل میں مذکور ہوا کہ صدقہ کی حقیقت تملیک ہے۔ صحت صدقہ کے لیے شرط ہے کہ جس کو صدقہ کیا جا رہا ہے اس کو مالک بنا دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

(۴)

چوتھے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں مستحقین مجاہدین کو بھی جو کچھ دیا جاتا تھا اس کا ان کو مالک بنا دیا جاتا تھا جبھی کہ بسا اوقات وہ اس کو فروخت بھی کرتے تھے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایسا ہی مال (گھوڑا) فروخت کرتے دیکھا لیکن اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ ابو بکر جصاص رازیؒ نے اس روایت کو احکام القرآن میں نقل فرمایا ہے[3]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کو اس وقت بھی ضروری سمجھا جاتا تھا اور مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینے کا معمول اس وقت بھی تھا۔

مذکورہ بالا تحقیق و تصریح سے واضح ہو گیا کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے اور اس میں کسی بھی مصرف کا استثناء نہیں کیوں کہ جتنے مصارف ہیں وہ سب زکوٰۃ ہی کے مصارف ہیں، جن کے لیے اِنَّمَا، کا لفظ استعمال ہوا ہے لہٰذا تملیک کی قید ہر مصرف میں ضروری ہوگی، اور کسی بھی مصرف کو اس سے مستثنیٰ کرنا درست نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

شیخ یوسف قرضاوی اور ابن تیمیہؒ کا نقطۂ نظر

لیکن شیخ یوسف قرضاوی نے جو کلام فرمایا ہے اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جملہ مصارف زکوٰۃ میں

---

[1] بدائع ۲/۳۹ [2] احکام القرآن ۳/۱۲۷

[3] روی ان عمر تصدق بفرس فی سبیل اللہ فوجدہ یباع ــــــ الیٰ ان قال فلم یمنع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحمول علی الفرس فی سبیل اللہ من بیعہا ۔ احکام القرآن للجصاص ۳/۱۲۶

تملیک کی شرط لازم نہیں بلکہ بعض میں ہے اور بعض میں نہیں. چنانچہ فقہ الزکوٰۃ میں جو بحث فرمائی ہے اس کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ کی دو قسمیں فرمائی ہیں، ایک قسم تو وہ ہے جن کو لام کے ساتھ بیان فرمایا ہے. مثلاً ـــــ للفقراء والمساکین۔

دوسری قسم میں وہ مصارف ہیں جن کو "فی" کے ساتھ ذکر فرمایا ہے. مثلاً: فی الرقاب و الغارمین وفی سبیل اللہ۔[1]

اللہ تعالیٰ نے جن مصارف کو لام کے ساتھ بیان فرمایا ہے ان میں تو تملیک شرط ہے اور جن کو فی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے ان میں تملیک شرط نہیں۔[1]

اور اسی بنیاد پر مستشرق نے مقروض میت کی طرف سے مال زکوٰۃ سے ادائیگی قرض کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی ابن تیمیہؒ کا موقف اور مختار ہے۔

ابن تیمیہؒ کا فتویٰ جو ان کے فتاویٰ میں درج ہے جس کی طرف شیخ نے اشارہ فرمایا ہے حسب ذیل ہے

" واما الدین الذی على المیت فیجوز ان یوفی من الزکوٰۃ فی احد قولی العلماء وهو احدی الروایتین عن احمد لان اللہ تعالیٰ قال والغارمین ولم یقل وللغارمین فالغارم لا یشترط تملیکه وعلی هذا یجوز الوفاء عنه "[2]

یعنی میت پر جو دین ہے اس کی ادائیگی مال زکوٰۃ سے علماء کے ایک قول کے مطابق جائز ہے اور امام احمد کی بھی ایک روایت ہے. آگے اس کی وہی دلیل ذکر فرمائی ہے جس کو شیخ یوسف قرضاوی نے نقل فرمایا ہے۔

---

[1] ان اللہ تعالیٰ جعل مصارف الزکوٰۃ نوعین، نوع عبّر عنه استحقاقهم باللام التی تفید التملیک وهم الفقراء ـــــ، ونوع عبّر عنه بفی وهم بقیة الاصناف فی الرقاب والغارمین ـــــ فقال الاسمد ثان فی الغارمین ولم یقل للغارمین فالغارم على هذا لا یشترط تملیکه، وهذا ما اختاره وافتی به شیخ الاسلام ابن تیمیه (فقه الزکوٰۃ ۲/۱۲۳)

[2] فتاویٰ ابن تیمیه ۲۵/۸۰

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنابلہ کی یہ روایت مرجوح غیر معتمد ہے چنانچہ حنابلہ ہی نے اپنی کتب میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ میت کا قرض مال زکوٰۃ سے اس وجہ سے ادا نہیں کیا جا سکتا کہ میت میں لینے اور قبول کرنے یعنی مالک بننے کی صلاحیت نہیں۔ چنانچہ ابن قدامہ المغنی میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا یقضی من الزکوٰۃ دین المیت ولم یجز دفعها فی قضاء دین المیت لأن الغارم هو المیت ولم یمکن الدفع الیه"[1]

عبارت کا حاصل وہی ہے جو ماقبل میں مذکور ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک بھی ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک یعنی دینا اور مالک بنانا شرط ہے، کیونکہ میت کی طرف سے ادائیگی زکوٰۃ نہ ہو سکنے کی جو علت تحریر فرمائی ہے وہ یہی ہے کہ میت کو دینا ممکن نہیں، اور حنابلہ کے علاوہ دوسرے مذاہب میں تو زکوٰۃ کی حقیقت و ماہیت ہی میں تملیک کا مفہوم شامل ہے اس کے بغیر زکوٰۃ زکوٰۃ ہی نہ ہوگی، جیسا کہ زکوٰۃ کی تعریف میں ماقبل میں ذکر کیا جا چکا۔[2]

شیخ یوسف قرضاوی کے دلائل پر ایک نظر

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ یوسف قرضاوی نے مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو تفصیل فرمائی ہے کہ جن مصارف کو لام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان میں تملیک شرط ہے اور جن مصارف کو فی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان میں تملیک ضروری نہیں۔ کتاب و سنت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفصیل صحیح نہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اولاً تو اس وجہ سے کہ گزشتہ تفصیل کے مطابق جب کتاب و سنت اور محققین کی تصریحات سے مطلقاً جملہ مصارف زکوٰۃ کے لیے تملیک کا ضروری ہونا ثابت ہو چکا تو اب کسی پختہ قوی شرعی دلیل کے بغیر کسی بھی مصرف کو کیوں کر خارج کیا جا سکتا ہے۔ تملیک تو رکن زکوٰۃ ہے جو بہر صورت لازم ہے۔ اور "لام و فی" کا جو فرق شیخ نے ذکر فرمایا ہے یہ کوئی ایسی پختہ دلیل سمجھ میں نہیں آتی کہ جس کی وجہ سے تملیک کی شرط کو حذف کر دیا جائے جو کتاب و سنت اور لغت و محققین کی تصریحات

---

[1] المغنی لابن قدامہ ۲/۶۹۶ [2] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۵۹۰

سے ثابت ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت جس کو شیخ نے ذکر فرمایا ہے محض نکتہ کی ہے دوسرے محققین نے اس کے بجائے اور بھی دوسری حکمتیں ذکر فرمائی ہیں چنانچہ تفسیر کشاف اور تفسیر المنار، تفسیر المراغی اور روح المعانی وغیرہ میں اس کے علاوہ لام اور فی کے فرق کی حکمتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ [۱]

(۲) دوسرے اگر یہ نظریہ صحیح ہو کہ جن مصارف کو فی کے تحت بیان کیا گیا ہے ان میں تملیک شرط نہیں ہے لہٰذا میت کے دین کی ادائیگی بھی مال زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے اگر یہ نظریہ صحیح ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہ ہوتا جس کا تذکرہ روایات میں آیا ہے کہ جب کسی میت کو آپ کے سامنے لایا جاتا تو آپ پوچھتے کہ اس کے ذمہ قرض ہے یا نہیں اگر اس کے ذمہ قرض نہ ہوتا تو آپ اس کی نماز جنازہ ادا فرماتے اور اگر وہ مقروض ہوتا تو آپ اس کی نماز جنازہ ادا نہ فرماتے اور صحابہ کو نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دے دیتے۔ [۲]

الغرض مقروض کی میت کی آپ نماز جنازہ ادا نہ فرماتے الا یہ کہ کوئی اس کے قرض کا کفیل بن جاتا۔ البتہ ایک مدت کے بعد جب فتوحات کا دروازہ کھلا اور اموال کی کثرت ہوئی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموات کے قرضوں کی ذمہ داری اپنے سر قبول فرمانا شروع کردی لیکن اس سے قبل آپ مقروض میت کی نماز جنازہ ادا نہ فرماتے تھے۔

اگر واقعی مال زکوٰۃ سے میت کے قرض کی ادائیگی درست ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور یہ انتظام فرماتے اور ایک مدت تک مدیون کی نماز جنازہ ترک نہ فرماتے۔ عجیب کہ روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ آپ بسا اوقات صحابہ سے کئی سالوں کی بھی زکوٰۃ لے لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابن قیم علیہ الرحمۃ نے زاد المعاد میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ [۳]

---

[۱] تفسیر المنار ۱۰/۵۰۴، روح المعانی ۱۰/۱۲۲

[۲] وکان اذا قدم الیہ میت یصلی علیہ سأل ھل علیہ دین ام لا فان لم یکن علیہ دین صلی علیہ وان کان علیہ دین لم یصل علیہ واذن لاصحابہ ان یصلوا علیہ (زاد المعاد ۱/۱۳۹)

[۳] وکان اذا عرفہ استطاعۃ الصدقۃ من اربابھا —— وکان احیانا یستدین لمصالح المسلمین علی الصدقۃ (زاد المعاد ۱/۱۴۷)

لیکن ان سب کے باوجود کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ نے مال زکوٰۃ سے میت کے دین کی ادائیگی فرمائی ہو، بلکہ فتوحات کی کثرت ہوجانے پر زکوٰۃ کے علاوہ دوسری مدات سے آپ میت مدیون کے قرض کی ادائیگی فرماتے تھے۔

(۳) تیسرے بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں مستحقین کو جو کچھ بھی دیا جاتا تھا وہ ان کی ملک کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ بسا اوقات وہ اس کو فروخت بھی کرتے تھے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایسا ہی مال فروخت کرتے دیکھ کر اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ اس روایت کو محقق ابو بکر رازیؒ احکام القرآن میں ذکر کیا ہے[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں جن اشخاص کو مال دیا جاتا تھا وہ ان کی ملک کر دیا جاتا تھا تب ہی تو وہ اس میں مالکانہ تصرف کرتے تھے۔

اس لیے شیخ یوسف قرضاوی جو لام اور فی کا فرق بیان فرما کر بعض مصارف سے تملیک کی شرط کو خارج قرار دے ہیں وہ صحیح سمجھ میں نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی حجۃ اللہ میں جو کلام فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کے کے نزدیک بھی بغیر کسی استثناء کے جملہ مصارف میں تملیک ضروری ہے، جس کی کچھ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے[2]

موجودہ حالات میں زکوٰۃ کے ذریعہ دینی و دعوتی تحریکوں اور انجمنوں و تنظیموں کو چلانا

یہ سوال کہ موجودہ حالات میں جب کہ دینی و دعوتی اداروں و تحریکوں اور ان کاموں کے لیے واقعی کثیر سرمایہ

---

[1] روی ان عمر تصدق بفرس فی سبیل اللّٰہ فوجدہ یباع بعد ذلک فاراد ان یشتریہ فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاتعد فی صدقتک فلم یمنع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المحمول علی الفرس فی سبیل اللّٰہ من بیعہا (احکام القرآن ۱۲۶/۳، اعلام الموقعین)۔

[2] ...... وترع ھو صدقات المسلمین جمعت فی بیت المال ومن حقہ ان یصرف الی ما فیہ تملیک لاحد وفی ذلک قولہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ (حجۃ اللّٰہ البالغۃ ۴۹/۲)۔

مد کا ہے اور مسلمان مؤسسات جو سرمایہ حاصل ہے اس کا اکثر حصہ زکوٰۃ ہی کا ہوتا ہے دین سے بے رغبتی اسے زیادہ ہی کی ہے اس قسم کے کاموں کے لیے علیحدہ سے مستقل رقم بہت دشوار ہے پھر کیوں کر اس قسم کی تنظیموں کو چلایا جا سکتا ہے جب کہ مد زکوٰۃ کو اس قسم کے کاموں میں صرف کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس کا اصولی جواب تو یہی ہے کہ اصل مرض کا جو سبب ہے یعنی مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی اور دعوتی کاموں سے بے توجہی اس غفلت کو دور کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ مسلمان سرمایہ دار اس قسم کے کاموں میں دلچسپی لیں۔

اور کوشش کے باوجود بھی اگر دینی تحریکوں اور تنظیموں کے چلانے کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوتی تو ہم تو اتنے ہی کے مکلف ہیں جتنا ہمارے بس میں ہے۔ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا۔ کوشش کے بعد بھی ناکامی کی صورت میں ہم سے خدا کے یہاں اس کی باز پرس نہ ہوگی کہ تم نے ایسا کام کیوں نہیں کیا۔ رہا دین و مذہب کی ترقی اور صیانت و حمایت اور اشاعت کا مسئلہ تو اصلاً تو اللہ ہی اپنے دین کا محافظ اور نگہبان ہے۔ ہماری کوششیں محض وسائل و ذرائع ہیں اور کوشش کرنے میں ہم اسی حد تک مکلف ہیں جتنا کہ ہمارے اختیار میں ہے۔

ان کاموں اور رفاہی امور میں اس طرح زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں جس میں کہ مستحقین زکوٰۃ کو اس کا مالک نہ بنایا جائے، بلکہ اس کا صحیح اور اسلامی طریقہ یہ ہے جس کو حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ

"ان مشکلات کا حل اموال زکوٰۃ سے کسی طرح نہیں ہو سکتا بلکہ اگر حکومت اسلامی ہو تو ان کے لیے بیت المال کے دوسرے مدات کھلے ہوئے ہیں اور اگر حکومت اسلامی نہیں ہے تو مسلمان حسب مقدور و استطاعت ان خیرات وغیرہ کے لیے مستقل چندہ کریں یا مخلص علماء پر پڑا کریں جیسا کہ ہندوستان وغیرہ ممالک میں اسلامی سلطنت اٹھ جانے کے بعد سے آج تک اسی طرح ہوتا رہا ہے ——— امیر المومنین کے لیے بھی کب جائز تھا کہ اموال زکوٰۃ کو بلا تملیک فقراء رفاہ عام وغیرہ کے کاموں میں صرف کر سکے۔"[1]

---

[1] جواہر الفقہ ۲/۲۷۶، رسالہ اما طة الشک۔

گنجائش کی صورت

اور اگر مدِ زکوٰۃ ہی سے اس قسم کے امورِ خیر انجام دیے جائیں تو اس کی گنجائش اس طرح نہیں ہے کہ دلائل کی قوت و ضعف سے قطع نظر مطلقاً توسع کا قول اختیار کر لیا جائے جس میں کہ نہ فقر و حاجت کی شرط ہے اور نہ تملیک کا لحاظ، جو کہ رکن زکوٰۃ ہے۔ جب علت و رکن ہی نہ پایا جائے تو زکوٰۃ ہی کہاں ادا ہو گی۔

گنجائش کی صورت صرف یہی ہے جو علامہ کاسانی صاحب بدائع کی عبارت سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ استحقاق زکوٰۃ کی علت (فقر و احتیاج) کو مد نظر رکھتے ہوئے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا دیا جائے پھر ایسا شخص دینی و دعوتی کاموں میں بھرپور حصہ لے۔

بالفاظ دیگر جو شخص ان کاموں میں حصہ لینا چاہتا ہو علت فقر و احتیاج اور تملیک کی شرط کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم سے اس کی امداد کی جا سکتی ہے۔

الغرض فی سبیل اللہ کے مفہوم کو جس قدر چاہیے وسیع کر لیجیے جیسا کہ صاحب بدائع نے فرمایا ہے لیکن دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک علت فقر و احتیاج، دوسرے تملیک کی شرط۔ واللہ اعلم۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے۔ جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لیے نشر و اشاعت کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے، مگر مال دار صاحب نصاب کو نہیں دیا جا سکتا۔"[1]

بلکہ ضرورت کے وقت اس قسم کے کار خیر میں مال زکوٰۃ صرف کرنا دوسرے مصارف کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ نے کشاف سے نقل فرمایا ہے کہ:

---

[1] معارف القرآن ۴/۳۹۶، ۴۰۰

"فی سبیل اللہ میں حرف "فی" کا اضافہ کیا گیا ہے، تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اضافہ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ مصرف پچھلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو غریب مفلس کی امداد، دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت۔"[1]

مستحق زکوٰۃ کو مالک بنائے بغیر محض کسی انجمن و ادارہ میں زکوٰۃ نہیں صرف کی جا سکتی نہ کسی عمارت میں، اور نہ ہی کسی کارکن کی خدمت کے معاوضہ میں۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ جوابات

الف۔ (۱) فی سبیل اللہ کا مصداق آیت مصارف زکوٰۃ میں صرف غزاۃ و مجاہدین اور حجاج ہیں۔[2]

(۲) روایۃً تو اس کے دائرہ میں صرف غزاۃ و حجاج ہی آتے ہیں البتہ درایۃً اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو محتاج ہو اور کسی بھی طاعت اور کار خیر میں مصروف ہو۔[3]

(۳) دیگر شرائط یعنی فقر اور تملیک کی شرط کے ساتھ جس حد تک چاہیے لغوی اعتبار سے فی سبیل اللہ کے دائرہ میں وسعت کی جا سکتی ہے۔

ب: جو لوگ بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں ان سب کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر و احتیاج کی شرط ضروری ہے۔[4]

(۵) مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہیں۔ جہاں کہیں دیگر موانع کے ارتفاع و شرائط کے وجود کے ساتھ علت پائی جائے گی استحقاق زکوٰۃ بھی ہو جائے گا۔ اور وہ علت فقر و احتیاج ہے۔[5]

(۶) "فی سبیل اللہ" کے مصداق میں تو روایۃً جہاد عسکری کے ساتھ جہاد قلمی، جہاد فکری و ثقافتی نہیں مراد لے سکتے، البتہ درایۃً و قیاساً یعنی علت فقر و احتیاج کی بنا پر ہر قسم کے جہاد کو اس میں شامل کر سکتے ہیں اور فقر و احتیاج کی حالت میں بے شک جہاد فکری و ثقافتی کرنے والا

---

۱ معارف القرآن ج ۴/ ص ۴۰۰ ۲ ابن کثیر، قرطبی

۳ بدائع ۲/ ۴۵ ۴ ہدایہ

۵ بدائع، فتح القدیر، بدایۃ المجتہد

پر بھی زکوٰۃ صرف کر سکتے ہیں، بہ شرطیکہ ان کو اس کا مالک بنایا جائے بلکہ دوسرے مصارف کے بہ نسبت ان کو ترجیح حاصل ہوگی اور ان کو دینا باعث اجر ہوگا۔[1]

(۶) دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر کر کے اس طرح ترجیح بھی نہیں کی جا سکتی کہ فی سبیل اللہ کے دائرہ کو اس طرح وسیع کر دیا جائے کہ مصرفِ زکوٰۃ کی علت یعنی فقر واحتیاج اور رکنِ زکوٰۃ یعنی تملیک کی شرط ہی کو اڑا دیا جائے اور بے دریغ انجمنوں اور تنظیموں اور دینی و دعوتی ملی کاموں کے کرنے والوں پر زکوٰۃ صرف کرنے کی اجازت دے دی جائے۔

البتہ علت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فی سبیل اللہ کے دائرہ کو وسیع تر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ تملیک بھی پائی جائے۔

(۷) فی سبیل اللہ کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے؟ مسئلہ کے تحت اس کا جواب ذکر کیا جا چکا، باقی اس کے دلائل اصل جوابات میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

---

[1] کشاف، معارف القرآن

مصارف صدقات میں حصر حقیقی ہے

از مولانا محمد ابوبکر قاسمی مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ دربھنگہ

۱ ـــــ قرآن پاک میں مصارف صدقات کو آٹھ میں منحصر کیا گیا ہے، ان میں جو حصر ہے وہ حقیقی ہے، جس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حصر حقیقی ہونے کی پہلی دلیل مصارف صدقات والی آیت کا شان نزول ہے جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ملاحظہ کی جائے۔

(۲) دوسری دلیل آیت مصارف کے شروع میں لفظ "انما" وارد ہے جو حصر کے لئے آتا ہے، اور حصر کے اندر اس کا حقیقی ہونا ہی اصل ہے، جس سے انحراف خلاف اصل ہے۔

(۳) تیسری دلیل آیت مصارف کے آخر میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "فریضۃ من اللہ" مصارف زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں۔

(۴) چوتھی دلیل وہ حدیث نبوی ہے جس کے اندر آتا ہے کہ ایک شخص حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا، اور اس نے یہ درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے صدقات و زکوٰۃ میں سے کچھ دیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ زکوٰۃ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کسی نبی اور غیر نبی کے فیصلے سے راضی نہیں ہے، خود اس نے مصارف زکوٰۃ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر دی ہے، اگر تم ان میں داخل ہوگے تو میں تمہیں دے سکتا ہوں ورنہ نہیں ـــــ یہ روایت ابوداؤد شریف اور دارقطنی

میں زیاد بن حارث صدائی کی سند سے مفصل موجود ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فاتاہ رجل فقال أعطنی من الصدقۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزأھا ثمانیۃ أجزاء فإن کنت من تلک الاجزاء أعطیتک۔ الخ[1]

(۵) حصر کے حقیقی ہونے کی پانچویں دلیل عہد نبوی سے لیکر آج تک کے اساطین امت، علماء شریعت کا اجماع ہے، گویا امت کا سواد اعظم مصارف صدقات کے آٹھ میں منحصر ہونے کا قائل ہے، جس کی پیروی کرنے کا حکم حدیث نبوی "اتبعوا السواد الاعظم" میں دیا گیا ہے[2]۔

مصارف صدقات والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر طبری میں ہے:

وانما سمی اللہ الاصناف الثمانیۃ فی الآیۃ اعلاماً منہ خلقہ ان الصدقۃ لا تخرج من ھذہ الاصناف الثمانیۃ الی غیرھا۔

آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو آگاہ کرتے ہوئے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کو بیان فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان آٹھ مصارف کے علاوہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہ کی جائے، بعینہٖ یہی بات "الجامع لاحکام القرآن للقرطبی" میں بھی ہے[3]۔

مذکورہ تمام دلائل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کی مصارف زکوٰۃ والی آیت میں جو حصر ہے، وہ حقیقی ہے، اور "حجۃ اللہ البالغۃ" میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو حصر کے اضافی ہونے کا نظریہ پیش کیا ہے یہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے، اکابر امت، علماء سلف میں سے کوئی ان کے نظریہ کی تائید نہیں کرتا، بلکہ ائمہ مفسرین اور فقہاء مجتہدین میں سے ہر ایک کی تصریح اس کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے کتب تفاسیر کی مراجعت کی جائے۔

---

(۳) لفظ "فی سبیل اللہ" کا لغوی مفہوم اگرچہ بہت عام ہے، لیکن مصارف زکوٰۃ والی آیت میں

---

[1] ابوداؤد، مطبوعہ رشیدیہ ۱/۲۳۰، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳/۱۰۱، مشکوٰۃ ۱/۱۶۳۔

[2] مشکوٰۃ ۱/ [3] کتاب مذکور ۳/۱۰۰۔

اس کا مفہوم و مصداق کیا ہے، اور اس میں وسعت کہاں تک ہے، تو اس کو سمجھنے سے پہلے چار باتوں کا لحاظ ضروری ہے، پہلی بات یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ میں اشخاص مراد ہیں، اشیاء مراد نہیں ہیں، چنانچہ حاشیہ طحطاوی علی المراقی میں ہے:

فان المصرف هو الشخص۔ [1]

زکوٰۃ کا مصرف شخص ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ میں ادائیگی زکوٰۃ کے لیے زکوٰۃ کی رقم کی تملیک ضروری ہے، یعنی جس کسی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اس کو مالک بنا دیا جائے۔ تنویر الابصار کی شرح الدر المختار میں ہے:

ويشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة ولا يصرف الى بناء نحو مسجد [2] الخ

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ خرچ تملیکاً ہو صرف مباح نہ کیا ہو، جیسا کہ مسجد وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح حجۃ اللہ البالغۃ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تحریر فرمایا ہے:

ونوع هو صدقات المسلمين جمعت في بيت المال ومن حقه ان يصرف الى ما فيه تمليك لاحد۔ [3]

بیت المال میں جو مال جمع کیا جاتا ہے اس کی ایک قسم مسلمانوں کے صدقات ہیں اور ان کا حق یہ ہے کہ سے ایسی جگہ خرچ کیا جائے جس میں کسی کو مالک بنانا ہو۔

علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں مصارفِ صدقات کی بحث میں لکھا ہے:

شرط الصدقة وقوع الملك للمتصدق عليه۔ [4]

صدقہ کی ادائیگی شرط یہ ہے کہ اس پر اس شخص کی ملکیت ثابت ہو جائے جس کو صدقہ کیا گیا ہے۔

شرح سیر کبیر میں ہے:

والصدقة تمليك من اهل الحاجة ولان قوله تلك الصدقة شرط جعلها

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص ۳۹۲ [2] الدر المختار علی هامش رد المحتار ۲/۶۴

[2] حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۳۹ [4] احکام القرآن ۳/۱۳۵ بحوالہ جواہر الفقہ ۴/

التمليك (الى قوله) والصدقة تُملّكُ بالقبض. الخ[1]

صدقہ ضرورتمند کو مالک بناتا ہے، اور اس کے صحیح ہونے کی شرط تملیک ہے، اور صدقہ پر ملکیت قبضہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، رہی یہ بات کہ تملیک کیوں ضروری ہے، اور اس کا ضروری ہونا کس دلیل سے ثابت ہے تو اس سلسلہ میں علامہ کاسانی کا ارشاد ملاحظہ ہو، بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد امر الله الملاك بايتاء الزكوٰة لقوله عزوجل وأتوا الزكوٰة. والايتاء هو التمليك ولذا سمى الله تعالى الزكوٰة صدقة بقوله عزوجل انما الصدقات للفقراء والتصدق تمليك۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے قول واتوا الزکوٰۃ میں زکوٰۃ دینے کا حکم دے کر مالک بنانے کا حکم دیا ہے، اور زکوٰۃ دینا درحقیقت مالک بنانا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول انما الصدقات للفقراء میں زکوٰۃ کا نام صدقہ رکھا ہے اور صدقہ کرنا بھی مالک بنانا ہی ہے۔

مذکورہ تصریحات و دلائل کے علاوہ بھی بہت سے براہین ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے۔ میں نے ان تمام دلائل کی تفصیل اپنے ایک مقالہ "زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ" میں کردی ہے، اور خود زکوٰۃ کی شرعی حقیقت بھی تملیک ہی ہے کما لا یخفی علی ذوی الافہام والعلم

اور تیسری بات یہ ہے کہ عاملِ صدقہ کے علاوہ جس کسی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اس کا محتاج ہونا ضروری ہے، قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذين فى اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔[3]

مالداروں کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مالداروں کے مالوں میں محتاجوں کا اللہ تعالیٰ نے حق متعین فرما دیا ہے، جس کی ادائیگی مالداروں پر ضروری ہے۔

---

[1] شرح سیر کبیر ۴/۲۴۴ [2] بدائع ۲/۳۹ [3] القرآن سورۂ معارج آیۃ ۲۴

دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تؤتوها الفقراء[1]

زکوٰۃ کی رقم فقراء کو دو۔

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی رقم جس کو بھی دی جائے اس کا محتاج ہونا ضروری ہے، قرآن پاک کے علاوہ حدیث نبوی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مالداروں سے لے کر فقراء ہی کو دی جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہیں جہاں اور ہدایات کیں منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ جب اہل یمن مسلمان ہو جائیں اور نماز پڑھنے لگیں تو:

فأعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم[2]

انکو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کیا ہے، زکوٰۃ کی یہ رقم مالداروں سے لی جائے اور محتاجوں پر خرچ کیا جائے۔

غور کیجئے کہ اس حدیث پاک میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے، ایک طبقہ مالداروں کا ہے اور دوسرا طبقہ غریبوں اور محتاجوں کا ہے، حضورؐ فرماتے ہیں کہ پہلے طبقہ سے یعنی مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے اور دوسرے طبقہ یعنی فقراء اور محتاجوں میں صرف کی جائے، حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کو تقریباً تمام صحاح ستہ کے مصنفین نے درج کیا ہے، بخاری شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے، بلکہ حدیث کی جس کتاب کو الٹ کر دیکھنے کا جی چاہے دیکھ لیجئے، تمام کتابوں میں یہ روایت ملیگی زکوٰۃ کی تقسیم کے باب میں اس حدیث کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مالداروں کو دینا جائز نہیں، نصب الرایہ میں سات صحابہ سے اس مضمون کی روایتیں منقول ہیں،[3] انھیں احادیث اور مذکورہ قرآنی آیات کی بنا پر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مالدار کو زکوٰۃ کی رقم دینی جائز نہیں، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

---

[1] القرآن، سورۃ البقرۃ پ۳ آیۃ ۲۷۱،

[2] ترمذی شریف مطبوعہ دیوبند ۱۳۶/۱،

لایجوز دفع الزکوٰۃ الی الغنی [1]

مالدار کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

منها ان یکون فقیراً فلا یجوز صرف الزکاۃ الی الغنی الا ان یکون عاملا علیها لقوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین الی قوله والآیة خرجت لبیان مواضع الصدقات ومصارفها ومستحقیها وهم وان اختلفت اسامیهم فسبب الاستحقاق فی الکل واحد وهو الحاجة الا العاملین علیها فانهم مع غناهم یستحقون العمالة لان السبب فی حقهم العمالة الخ۔ [2]

جن کو زکوٰۃ دی جائے ان کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ محتاج ہو، پس مالدار کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ عامل ہو، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ صدقات فقراء و مساکین وغیرہم کے لئے ہے، یہ آیت صدقات کے مستحقین و مصارف اور اس کے خرچ کرنے کی جگہوں کو بیان کرنے کے لئے آئی ہے، اور مستحقین زکوٰۃ کے نام اگرچہ مختلف ہیں لیکن ہر ایک میں سبب استحقاق ایک ہے اور وہ حاجت و ضرورت ہے، سوائے عاملین کے اس لئے کہ ان کو مالدار ہونے کے باوجود زکوٰۃ دی جاتی ہے، اور وہ اپنی کارکردگی کی اجرت کے مستحق ہوتے ہیں، اور ان کے حق میں استحقاق کا سبب ان کا یہ کام کا معاوضہ ہے۔

ہدایہ شرح فتح القدیر میں ہے:

فما یعطی الاصناف کلهم سوی العامل بشرط الفقر الخ [3]

عامل کے علاوہ تمام مصارف کو زکوٰۃ فقر کی شرط کے ساتھ دی جاتی ہے۔

---

[1] فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة ١/٢٦٠

[2] بدائع الصنائع ٢/٤٣۔

[3] فتح القدیر مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان ٢/٢٠٥۔

اسی طرح البحرالرائق میں ہے:

ولایخفی ان قید الفقر لابد منہ علی الوجوہ کلہا[1]

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ تمام مصارف میں فقر کی شرط ملحوظ ہے۔

البحرالرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں النہرالفائق کے حوالے سے لکھا ہے:

الاتفاق علی الاصناف کلہم سوی العامل یعطون بشرط الفقر[2]

اس پر اتفاق ہے کہ عامل کے علاوہ تمام لوگوں کو فقر کی شرط کے ساتھ زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

اسی طرح ردالمحتار باب المصرف میں بعینہٖ یہی بات درج ہے۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ عامل صدقہ کے علاوہ جس کسی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاتی ہے اسے فقر و احتیاج کی شرط کے ساتھ دی جاتی ہے۔ اب اگر کسی کو اشکال ہو کہ جب ہر مصرف میں عامل کے علاوہ فقر کی شرط ملحوظ ہے تو الگ الگ مصارف کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تمام مصارف فقراء کے تحت آجاتے ہیں، تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ محتاج کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک عام محتاج ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کا محتاج ہوتا ہے، پھر جو عام محتاج ہوتا ہے اس کے پاس یا تو کچھ نہیں ہوتا، یا کچھ ہوتا ہے لیکن نصاب سے کم ہوتا ہے، یہ دونوں قسم کے لوگ مصارف صدقات والی آیت میں مساکین و فقراء کے تحت داخل ہیں ــــ اور ایک خاص محتاج ہوتا ہے، اب اس خاص قسم کے محتاج کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ مدیون و مقروض ہو، پھر مدیون کی دو صورتیں ہیں، ایک مدیون عام اور دوسرے مدیون خاص، مدیون عام تو غارمین کے تحت آجاتے ہیں، اور مدیون خاص سے مراد مکاتب ہے، اور وہ لفظ "فی الرقاب" میں داخل ہے، اور محتاج خاص کی دوسری قسم جو غیر مدیون ہو، اب غیر مدیون محتاج کی بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ وہ سفر میں ہو اور گھر پر اگرچہ اس کے پاس مال موجود ہے، لیکن سفر میں اس کا مال ختم ہو گیا ہے تو یہ "ابن السبیل" کے تحت داخل ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی دینی کام میں مشغول ہے، اور اس مشغولیت کی وجہ سے وہ محتاج ہو گیا ہے، تو اس قسم کے لوگ "فی سبیل اللہ" کے تحت داخل ہیں،

---

[1] البحرالرائق ۲/۲٦۰ [2] حاشیہ بحر ۲/۲٦۰

الغرض عامل کے علاوہ زکوٰۃ کے جتنے بھی مصارف ہیں وہ محتاج ہیں، لیکن چونکہ ان کی مختلف قسمیں ہیں، اس لئے ان کو قرآن نے الگ شمار کر کے تفصیل سے بیان کر دیا ہے تاکہ کسی شخص کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو،

چوتھی بات یہ ہے کہ لغت عرب میں "فی سبیل اللہ" کا مفہوم اگرچہ عام ہے اور قرآن پاک کی بہت سی آیات میں وہی عام معنی مراد بھی ہے جیسا کہ لفظ صلوٰۃ کا معنی و مفہوم لغت عرب میں بہت عام ہے اور قرآن پاک کی بہت سی آیات میں وہ عام معنی مراد بھی ہے، مگر اس کے باوجود جس طرح "اقیموا الصلوٰۃ" اور اس کے ہم شکل آیات میں باتفاق صحابہ و تابعین، مفسرین و مجتہدین لفظ صلوٰۃ اپنے خاص معنی میں مستعمل ہے اور وہی خاص معنی اس کا شرعی معنی ہے، اور مطلق بولنے کے وقت وہی خاص معنی مراد ہوتا ہے، اسی طرح مصارف زکوٰۃ والی آیت میں باتفاق صحابہ و تابعین، مفسرین و مجتہدین لفظ فی سبیل اللہ اپنے خاص معنی میں ہی مستعمل ہے، اور وہی خاص معنی اس کا شرعی معنی ہے، اور مطلق بولنے کے وقت اس کا وہی خاص معنی مراد ہوتا ہے، اور جس طرح اگر کوئی شخص آیت اقیموا الصلوٰۃ میں لفظ صلوٰۃ کو اس کے عام لغوی معنی پر محمول کرے گا تو اسے قرآن میں تحریف کہا جائے گا، اور اس کی یہ بات قابل رد ہوگی، اسی طرح مصارف زکوٰۃ والی آیت میں اگر کوئی شخص فی سبیل اللہ کو اس کے عام لغوی معنی پر محمول کرے گا تو یقیناً اس کا بھی یہ اقدام قرآن میں تحریف کے مرادف ہوگا، اور اس کی یہ بات قابل رد اور لائق تردید ہوگی، اب رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصارف صدقات میں لفظ فی سبیل اللہ اپنے خاص شرعی معنی میں مستعمل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لئے مستند کتب تفاسیر کا مطالعہ کیجئے، ائمہ اربعہ کے ماننے والے علماء و فقہاء جن کے علم اور عمل پر امت کے سواد اعظم نے اعتماد کیا ہے، کی تصریحات کو ملاحظہ فرمائیے، اور اس سلسلہ میں جو کچھ ان علماء نے تحریر فرمایا ہے اس کو ٹھنڈے دل سے پڑھئے، تو آپ کو محسوس ہوگا کہ اس سلسلہ میں امت کے سواد اعظم کا اجماع ہے، اور سوائے شرذمۂ قلیلہ کے کسی قابل ذکر شخص نے اختلاف نہیں کیا ہے،

مَنِ ادّعٰی خلاف ذالک فعلیہ البیان بالبرھان،

گذشتہ صفحات میں ابتک جو لکھا گیا اس سے چار باتیں معلوم ہوئیں،

۱ــــــ مصارف زکوٰۃ میں اشخاص مراد ہے اشیاء مراد نہیں ہے،

۲ــــــ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے زکوٰۃ کی رقم کی تملیک ضروری ہے،

۳ــــ عامل صدقہ کے علاوہ جس کسی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جائے اس کا محتاج ہونا ضروری ہے۔

۴ــــ آیت مصارف زکوٰۃ میں لفظ فی سبیل اللہ اپنے خاص شرعی معنی میں مستعمل ہے۔

یہ چار باتیں ہوئیں ان کو ملحوظ رکھ کر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو سمجھئے۔ جمہور مفسرین و فقہاء نے صحابہ و تابعین کے اقوال نیز دیگر دلائل شرعیہ کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا اصل مصداق محتاج غازی ہے، اور محققین کے بیان کے مطابق صحابہ و تابعین کے عہد میں اس کا یہی مفہوم معروف تھا، اور تقریباً تمام ائمہ نے اس کو نقل کیا ہے، اور بعض ائمہ بعد بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ اسی مفہوم کو تسلیم کرتے رہے ہیں[1] اور نزول عہد قرآن میں بھی اس کا یہی معنی سمجھا جاتا تھا۔ پس اس کا یہ مذکورہ مفہوم قطعی و متواتر ہے، اور علماء و فقہاء کے نزدیک اتنا مشہور و متعارف ہے کہ اس پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور لفظ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی طرح یہ لفظ اپنے مذکورہ معنی میں منقول شرعی ہے، جیسے اس کے مذکورہ شرعی معنی کے ساتھ مخصوص رکھنا ہی ضروری معلوم ہوتا ہے، بدائع الصنائع میں ہے:

قال ابو یوسفؒ المراد منه فقراء الغزاة لان سبیل اللہ اذا اطلق فی عرف الشرع یراد به ذلك[2]۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد محتاج غازی ہے، اس لئے کہ جب فی سبیل اللہ عرف شرع میں مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے "فی سبیل اللہ" سے مراد محتاج غازی کو لیا ہے، اور معتبرات کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہی صحیح ہے۔

لان الطاعات کلها فی سبیل اللہ، لکن عند الاطلاق یفهم منه الغزاة[3]

اس لئے کہ تمام نیکی کے کام گرچہ فی سبیل اللہ ہے مگر جب یہ لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے غازی سمجھا جاتا ہے۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

الطاعات کلها فی سبیل اللہ تعالیٰ ولکن عند اطلاق هذا اللفظ المقصود

---

[1] دیکھئے الفقه علی المذاهب الاربعة ۱/۴۴۳ [2] بدائع الصنائع ۲/۴۵ [3] فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/۲۷۴

بهم الغزاة عند الناس[1]۔

تمام نیکی کے کام فی سبیل اللہ ہیں، لیکن اس لفظ کو مطلق بولنے کے وقت لوگوں کے نزدیک ان سے مراد غازی و مجاہد ہوتے ہیں۔

اور الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں لفظ فی سبیل اللہ کا مصداق چاروں ائمہ کے حوالے سے غازی و مجاہدین کو کہا گیا ہے، نیز ابوداؤد شریف کی شرح "بذل المجہود" میں "فی سبیل اللہ" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد محتاج غازی ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

المراد به فقراء الغزاة لان سبيل الله اذا اطلق في عرف الشرع يراد به ذالك[2]۔

فی سبیل اللہ سے مراد محتاج غازی ہے، اس لئے کہ سبیل اللہ عرف شرع میں جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہی غازی ہوتے ہیں۔

شرح نقایہ میں ہے:

وفي سبيل الله اى منقطع الغزاة اى فقيرهم المنقطع (الى قوله) لانه المفهوم من اطلاق هذا اللفظ فينصرف اليه لا غير[3] اھ۔

فی سبیل اللہ سے مراد محتاج غازی ہے، جو اپنے قافلے سے بچھڑ گیا ہو، اس لئے کہ اس لفظ کو مطلق بولنے سے وہی سمجھا جاتا ہے۔ نہ اس کا غیر، پس اسی کی طرف اسے پھیرا جائے گا۔

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں ہے:

واما سبيل الله فالاكثر على انه يختص بالغازي[4]۔ اھ۔

بہرحال سبیل اللہ کا لفظ تو اکثر لوگ اس کو غازی کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

تاج العروس میں ہے:

واذا اطلق فهو في الغالب واقع على الجهاد حتى صار لكثرة الاستعمال كانه مقصور عليه[5] اھ۔

لفظ فی سبیل اللہ عام ہے، اور جب مطلق بولا جاتا ہے تو اکثر جہاد مراد ہوتا ہے، یہاں تک کہ کثرت استعمال کی وجہ سے ہو گیا ہے گویا اسی معنی کے ساتھ خاص ہے۔

۱؎ مبسوط سرخسی ۳/۱۰ ۲؎ بذل المجہود ۳/۴۴ ۳؎ شرح نقایہ ۱/۱۴۱ ۴؎ فتح الباری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ — فی سبیل اللہ ۳/۳۳۲ ۵؎ تاج العروس بحوالہ النہایہ ۷/۳۳۶۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ چونکہ مصارف صدقات میں اشخاص مراد ہے، اس لئے اس جگہ جہاد کرنے والا شخص مراد ہوگا، یعنی مجاہد و غازی زکوٰۃ کا مصرف ہے، چنانچہ حاشیہ الطحاوی علی المراقی میں ہے:

وفی سبیل اللہ ای لمن فی سبیل اللہ فان المصرف ھو الشخص وھم منقطع الغزاۃ الفقراء۔ اھ[1]

فی سبیل اللہ وہ شخص ہے جو اللہ کے راستہ میں ہو، کیونکہ مصرف زکوٰۃ شخص ہے اور وہ منقطع غزوہ ہیں۔

الغرض جمہور علماء نے فی سبیل اللہ کی تفسیر غازی سے کی ہے، اور لغت عرب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے فی سبیل اللہ سے غازی و مجاہد مراد لینے میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے فی سبیل اللہ کے لغوی مفہوم اور بعض دوسری روایات کی بنا پر فی سبیل اللہ کے مصداق میں محتاج حاجی کو بھی شامل کیا ہے، اسی طرح بعض اہل علم نے طلبۂ علوم دین کو بھی اس کے مفہوم میں داخل کیا ہے، اور صاحب بدائع کی تصریح کے مطابق اس کے مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی دینی کام میں مشغول ہو اور محتاج ہو۔[2]

البحرالرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں علامہ شامی نے صراحت کی ہے، یہ اختلاف درحقیقت لفظی ہے، کیونکہ اس پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مذکورہ اشخاص کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے ـــــ اب رہی یہ بات کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں تو یہ مذکورہ حضرات زکوٰۃ کے کس مصرف میں داخل ہوتے ہیں؟ تو کسی نے ان کو "فقراء" میں داخل کیا، کسی نے "ابن السبیل" میں، پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف استحقاق زکوٰۃ والا اختلاف نہیں ہے، بلکہ اختلاف اس امر میں ہے جس کی بنا پر اصل مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے جو چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں مذکورہ اشخاص کے اندر پائی جاتی ہیں، کیونکہ مذکورہ تمام چیزوں کا تعلق اشخاص سے ہے اشیاء سے نہیں ہے، نیز ان کے اندر تملیک کی بھی صلاحیت پائی جاتی ہے، اسی طرح یہ حضرات محتاج بھی ہیں، نیز فی سبیل اللہ کا جو مفہوم جمہور نے بیان کیا ہے اس سے بھی متصادم نہیں ہے، کیونکہ بعض علماء نے جن لوگوں کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہے تو انہوں نے فقر کی شرط لگائی ہے، پس ان حضرات کو فی سبیل اللہ کے اندر داخل نہ مانا جائے تو فقراء و مساکین جو زکوٰۃ کے عمومی مصارف میں سے ہیں

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی المراقی [2] بدائع ۲/۴۵۔

ان میں وہ حضرات یقیناً داخل ہوں گے، اور زکوٰۃ کی رقم کے مستحق ٹھہریں گے، چنانچہ البحر الرائق کے حاشیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

(قوله فحينئذ لا تظهر ثمرته فى الزكوٰة) قال فى النهر والخلف لفظى للاتفاق على الاصناف كلهم سوى العامل يعطون بشرط الفقر فمنقطع الحاج يعطى اتفاقاً[1]

صاحب بحر کا یہ قول کہ اختلاف کا ثمرہ زکوٰۃ میں ظاہر نہیں ہوگا، نہر میں کہا ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصداق میں اختلاف لفظی ہے، اس لئے کہ تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ عامل صدقہ کے علاوہ ہر مصرف کو زکوٰۃ کی رقم فقر کی شرط کے ساتھ دی جائے گی، پس حاجیوں سے بچھڑے ہوئے شخص کو فقر کی شرط کے ساتھ بالاتفاق زکوٰۃ دی جائے گی۔

اسی طرح البحر الرائق میں ہے:

قوله ومنقطع الغزاة هو المراد بقوله تعالى وفى سبيل الله وهو اختيار منه لقول ابى يوسفؒ وعند محمد منقطع الحاج وقيل طلبة العلم واقتصر عليه فى الفتاوى الظهيرية، وفسره فى البدائع بجميع القرب فيدخل كل من سعى فى طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات اذا كان محتاجاً ولا يخفى ان قيد الفقر لا بد منه على الوجوه كلها فحينئذ لا تظهر ثمرته فى الزكاة، الخ[2]

صاحب کنز کا قول منقطع الغزاۃ ہی مراد ہے، اللہ تعالیٰ کے قول فی سبیل اللہ کی، اور یہی مختار امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، جسے مصنف نے پسند کیا ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد منقطع الحاج ہے، اور کہا گیا ہے کہ طالب علم ہے، اور فتاویٰ ظہیریہ میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے، اور بدائع میں اس کی تفسیر نیکیوں کے کام سے کی گئی ہے، پس ہر وہ شخص جو اللہ کی طاعت اور نیکیوں کے کام میں سعی کرتا ہو تو وہ اس میں داخل ہے جب کہ وہ محتاج ہو، اور یہ بات

---

[1] حاشیہ بحر ۲/۲۶ [2] البحر الرائق ۲/۲۶۰

معلوم نہیں ہے کہ فقر و احتیاج کی شرط زکوٰۃ کے تمام مصارف میں ہے، پس اس اختلاف کا ثمرہ زکوٰۃ کے باب میں ظاہر نہیں ہوگا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ غازی و مجاہد تو فی سبیل اللہ کا متفق علیہ مصداق ہے، اس میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں ہے۔ البتہ "فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ" کے مصداق میں محتاج حاجی یا محتاج طالب علم یا دینی خدمت میں مشغول محتاج حضرات کو داخل کرنے میں ائمہ اور فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن اس اختلاف سے اصل مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ اگر وہ حضرات محتاج ہوں تو انھیں فقر کے تحت داخل کرکے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ البتہ بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کے مفہوم و مصداق میں ہر نیکی کے کام کو بھی داخل کیا ہے اور اس طرح انھوں نے تمام رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم کے صرف کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ زکوٰۃ کے باب میں شریعت نے چار چیزوں کو بنیادی حیثیت دی ہے، اگر ان بنیادی امور کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصارف صدقات کے اندر فی سبیل اللہ کے مصداق میں تمام نیکی کے کاموں کو داخل کرنا غلط اور بے بنیاد ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ زکوٰۃ کے باب میں شریعت کے بیان کردہ اصول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے وجود میں آیا ہے، اگر اسے سمجھ لیا جائے تو انشاء اللہ تمام غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں۔

تفسیر کے باب میں نقل کی حیثیت

کسی آیت کی تفسیر کے سلسلے میں قرون اولیٰ سے جو اقوال منقول ہوں آیت کو ان ہی اقوال کے دائرہ میں محدود و منحصر رکھنا ضروری ہے، بغیر کسی قوی دلیل کے اس سے خروج جائز نہیں ہے، ورنہ وہ تفسیر بالرائے کے حکم میں ہوگا، جس کے متعلق حدیث نبوی میں وعید شدید آئی ہے۔

مصارف زکوٰۃ میں فقر کی شرط

زکوٰۃ کے تمام مصارف میں سوائے عاملین کے فقر کی شرط ملحوظ ہے، او پر مدلل بحث گذر چکی ہے۔

مصارف زکوٰۃ میں قیاس

مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل نہیں ہیں، ان کا بیان خود باری تعالیٰ نے

مفصل کر دیا ہے، نیز قرآن و حدیث میں تقسیم زکوٰۃ کے بنیادی اصول کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے، ان اصول کی روشنی میں جو شخص مصارف زکوٰۃ کا مستحق ہوگا، انھیں زکوٰۃ کی رقم ملے گی، ورنہ محروم ہوگا، جہاد قلمی و دیگر نیکی کے کام کرنے والے حضرات اگر محتاج ہیں تو انھیں فقر و احتیاج کی شرط کے ساتھ زکوٰۃ دی جائے گی، کیونکہ تقسیم زکوٰۃ کی بنیاد جہاد نہیں ہے، فقر ہے۔ اور اسباب فقر بھی محدود و متعین ہیں، قرآن پاک میں انکی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

نیکی کے کاموں میں مشغول حضرات کو زکوٰۃ دینا

عاملین زکوٰۃ کے علاوہ کسی کو بھی بطور اجرت زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر محتاج ہو تو احتیاج کی بنیاد پر اسے زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی کاموں میں مشغول حضرات کو زکوٰۃ کی رقم سے بطور اجرت دینے کو جائز کہتے ہیں ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ انھیں اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

فی سبیل اللہ میں تعمیم کا نظریہ۔

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" میں تعمیم کا نظریہ درست نہیں ہے، یعنی اس سے مواقع خیر کو مراد لینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے تمام مصارف میں اشخاص و افراد مراد ہیں، بنا بریں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں، اس کے لغوی معنی میں عموم کی وجہ سے جس کسی کو بھی داخل کیا جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اشخاص میں سے ہو، محتاج ہو، اسی کے ساتھ اس کے اندر تملیک یعنی مالک بننے کی صلاحیت بھی موجود ہو، مگر چونکہ جمہور علماء کی تصریحات کے مطابق "فی سبیل اللہ" کا لفظ منقول شرعی ہے، اور اپنے مصداق کے اعتبار سے غازی و مجاہد کے ساتھ خاص ہے، اور ایک حدیث نبوی میں اس کی تفسیر غازی ہی سے کی گئی ہے، اور بہت سے علماء و فقہاء نے اسی کو راجح اور صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کو غازی و مجاہد ہی کے ساتھ خاص رکھا جائے، اور دیگر جو حضرات دینی کاموں میں مشغول ہوں اگر وہ محتاج و ضرورتمند ہوں تو انھیں فقراء و مساکین کے تحت داخل کر کے زکوٰۃ دی جائے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ بطور اجرت نہ دی گئی ہو، ورنہ

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے تحت مصارف زکوٰۃ کے اندر رفاہی کاموں اور تعمیر کو داخل کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ دراصل قرآنی آیات کا مطلب سمجھنے میں جن لوگوں کو ٹھوکر لگی ہے تو اس کی وجہ یہ کہ انہوں نے اس سلسلہ میں لغت عرب کو اولیت کا درجہ دیا، جبکہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر میں لغت عرب کو اولیت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ ثانوی قسم کا ہے، اور اس سلسلہ میں اگر اولیت حاصل ہے تو صحابہ و تابعین کے اقوال کو۔ اگر اس اصول کا لحاظ رکھا جاتا تو یقیناً غلطی واقع نہ ہوتی، اگر آج بھی کوئی شخص اس اصول کی رعایت کرے تو انشاء اللہ غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ تمام مسلمانوں کو شیطانی تسویلات سے بچا کر اپنی مرضیات پر چلائے، آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مصرفِ زکوٰۃ "فی سبیل اللہ"

از مولانا محمد شعیب مفتاحی، استاذ مدرسہ مسیح العلوم بنگلور

آیت مصارف زکوٰۃ "انما الصدقات للفقراء ..." میں زکوٰۃ کا ایک مصرف 'فی سبیل اللہ' بتایا گیا ہے، اس کی تفسیر میں ائمہ مجتہدین و فقہاء متقدمین سے دو قول ملتے ہیں۔

پہلا قول

پہلا قول یہ کہ اس سے مراد جہاد ہے۔ یعنی غازی کو جہاد کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یہی اکثر علماء و ائمہ مذہب اور مختار قول ہے۔ کما قال ابن حجر فی الفتح[1]۔ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ کا یہی قول ہے۔ اور علماء احناف نے اسی کو اظہر اور صحیح قرار دیا ہے[2]۔ اور بہت سے اصحاب متون جیسے صاحب کنز الدقائق، صاحب المنار اور صاحب مختصر (امام قدوری) نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

یہی قول امام شافعی اور حضرات شوافع کا ہے۔ "الام" میں امام شافعی نے تصریح کی ہے کہ "فی سبیل اللہ" کی مد میں جہاد کرنے والوں کو زکات دیا جائے گی، ان کے علاوہ کسی اور کو اس مد سے

---

[1] فتح الباری ۳/۳۳۲، [2] دیکھو شامی ۲/۳۳۲۔

نہیں دیا جائے گا۔[1] "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں شافعیہ کا مسلک بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:
"فی سبیل اللہ" وہ رضاکارانہ جہاد کرنے والا ہے جس کا دیوان میں کوئی مشاہرہ نہ ہو۔[2]
امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے، امام قرطبی مالکی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ "وفی سبیل اللہ" وھم الغزاۃ وموضع الرباط یعطون ماینفقون فی غزوھم کانوا اغنیاء او فقراء وھذا قول اکثر العلماء وھو تحصیل مذھب مالک۔[3]

مشہور مالکی فقیہ و مفسر قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ:
"امام مالکؒ نے فرمایا کہ میرے علم میں اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں (آیت صدقات) میں اس سے مراد جہاد ہے۔"[4]

نیز حنابلہ سے بھی یہی مروی ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے، ابن قدامہ حنبلی نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے، کہ اس سے مراد جہاد ہے، اس لیے کہ فی سبیل اللہ سے یہی مراد ہوتا ہے، اور قرآن میں بھی چند مقامات کے سوا اس سے جہاد ہی مراد ہے، اس بنا پر آیت صدقات میں فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوگا کہ یہی آیت کا ظاہر ہے۔[5]

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہے، البتہ بعض تفاصیل میں ان کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً احناف کے نزدیک غازی کو زکوٰۃ بشرط فقر دی جائے گی، جب کہ جمہور کے نزدیک فقر کی شرط نہیں ہے، اسی طرح کچھ اور امور میں اختلاف پایا جاتا ہے،

دوسرا قول

فی سبیل اللہ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حج ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت

---

[1] کتاب الام للشافعیؒ ۲/۶۰ [2] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۶۲۶، بشرطیکہ وہ زکوٰۃ و
[3] تفسیر قرطبی ۸/۱۸۵ [4] احکام القرآن ۲/۹۵۷،
[5] المغنی بحوالہ فقہ الزکوٰۃ ۲/۶۳۲

بھی ہے، اور امام اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے[1]، احناف میں سے امام محمد بن حسن الشیبانی سے بھی یہی مروی ہے[2]۔

یہ قول امام محمدؒ سے مروی ہے مگر احناف نے پہلے قول ہی کو صحیح و اظہر قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، اور امام احمدؒ سے بھی اگرچہ یہ ایک روایت ہے، مگر ان کے یہاں بھی صحیح قول اول ہی ہے، جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی سے نقل کیا گیا۔

حضرات صحابہ میں سے بعض حضرات سے حج کا فی سبیل اللہ ہونا منقول ہے، جیسے حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے، اور ابن حجر نے بتایا ہے کہ اس کو ابو عبید نے موصولاً الاموال میں روایت کیا ہے، مگر امام احمدؒ نے اس کو سند کے لحاظ سے مضطرب قرار دیا ہے[3]۔

اور ابن عمر کی روایت بھی ابو عبید نے الاموال میں ذکر کی ہے، ابن حجر فرماتے ہیں کہ اسکی سند صحیح ہے[4]، مگر اس روایت میں صرف اتنا ہے کہ "حج فی سبیل اللہ ہے"، زکوٰۃ دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور تابعین میں سے حضرت حسنؒ سے بھی یہ بات مروی ہے، امام بخاریؒ نے تعلیقاً اس کو روایت کیا ہے، اور ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح موصولاً روایت کیا ہے[5]۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صحابہ میں سے ابن عباسؓ سے اگرچہ یہ قول مروی ہے مگر یہ روایت مضطرب ہے اور ابن عمرؓ سے اگر بسند صحیح یہ آیا ہے کہ حج فی سبیل اللہ سے ہے، مگر اس میں زکوٰۃ دینے کا ذکر نہیں اور یہ معلوم ہے کہ حج اللہ کے لیے ہی ہوتا ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں، مگر زکوٰۃ دینے نہ دینے کا مسئلہ دیگر ہے، البتہ حضرت حسن سے ضرور یہ منقول ہے اور بسند صحیح منقول ہے، مگر جیسا کہ اوپر گذرا جمہور اس سے متفق نہیں ہیں۔

لہٰذا فی سبیل اللہ کی تفسیر میں جمہور کی رائے سے ہی اتفاق کرنا چاہیے، البتہ کوئی دوسرا قول اختیار کرتا ہے تب بھی اس کے لیے گنجائش ہے کہ سلف میں سے بعض ائمہ اسکے ساتھ ہیں،

---

[1] فتح الباری ۳/۳۳۲ [2] شامی ۲/۳۴۳، بحرالرائق ۲/۲۶۰، تفسیر روح المعانی ۱۰/۱۲۳ وغیرہ
[3] فتح الباری ۳/۳۳۲ [4] فتح الباری ۳/۳۳۲ [5] فتح الباری ۳/۳۳۲

اس ضروری وضاحت کے بعد اس سلسلے کے سوالات پر نظر ڈالنا ہے۔

حصر حقیقی یا اضافی

پہلا سوال یہ ہے کہ آیت صدقات نے آٹھ اصناف کو تفصیل سے ذکر کر کے ان کا مصرف زکوٰۃ ہونا واضح کیا ہے، اور شروع کلام ہی میں "اِنَّمَا" کلمہ حصر لا کر مصارف زکوٰۃ کو ان آٹھ اصناف میں محصور کر دیا ہے، یہ حصر حقیقی ہے یا اضافی؟ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس کو حصر اضافی قرار دیا ہے تو اس کی کیا حیثیت ہے؟

ظاہر ہے کہ اس حصر کو اگر غیر حقیقی اور اضافی قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ اصناف کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اور دوسرے امور بھی مصرف زکوٰۃ ہو سکتے ہیں، مگر یہ بات جمہور علماء کے خلاف ہے۔ بلکہ خود احادیث کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ آپ صدقات میں سے مجھے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی یا غیر نبی پر صدقات کو موقوف نہیں رکھا بلکہ خود ہی اس میں فیصلہ اور حکم فرمایا، اور اس کے آٹھ اصناف قرار دیئے ہیں، اگر تو ان آٹھ میں سے ہے تو میں تجھے تیرا حق دوں گا۔"[۱]

اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی پر علماء نے کلام کیا ہے۔ مگر اتنا یاد رہے کہ یہ متفق علیہ ضعیف نہیں ہیں، بعض ائمہ جرح نے اگرچہ ان کی تضعیف کی ہے۔ تاہم بعض ائمہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ جیسے امام بخاریؒ نے ان کو قوی اور مقارب الحدیث کہا ہے۔ ابن صالح نے ان کی حدیث کو ثبت اور صحیح قرار دیا ہے، اور ان کے قول کو غیر مقبول کہا ہے جو ان پر کلام کرتے ہیں، اور ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے بھی ثقہ صدوق کہا ہے۔ ابن سفیان نے لاباس بہ کہا ہے، یحییٰ القطان نے بھی ثقہ گردانا ہے۔[۲]

لہٰذا یہ روایت کم از کم حسن ہوگی کہ مختلف فیہ راوی کی روایت ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوا

---

۱ ابوداؤد مع بذل المجہود ۳/۲۲۴ ۲ دیکھو تہذیب التہذیب لابن حجر ۶/۱۷۳، ۱۷۵ ۔

کہ آٹھ اصناف جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں، سوائے ان کے کوئی اور زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہو سکتا، گویا یہ حدیث آیت کریمہ کی شرح ہے۔ جو حصر کو حصر حقیقی قرار دے رہے ہیں، اسی لیے علماء نے بھی اس کو حقیقی حصر ہی پر محمول کیا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں درج علماء کی عبارات سے واضح ہے کہ سب نے بالاتفاق ان آٹھ اصناف کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ دینے کا ناجائز ہونا بیان کیا ہے۔

لہٰذا اللہ کے رسولؐ کی تشریح اور اسی کے مطابق حضرات فقہاء کی تصریح کے خلاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کی تحقیق کہ یہ حصر اضافی ہے غیر مقبول ہے۔

"فی سبیل اللہ" سے مراد غازی ہے،

دوسرا سوال یہ ہے کہ "فی سبیل اللہ" کی تعبیر قرآن وسنت میں کیا جہاد وغزوہ ہی کے لیے آئی ہے۔ اور اس سے کیا کچھ اور امور خیر مراد نہیں لیا جا سکتا؟

جواب یہ ہے کہ "فی سبیل اللہ" کی تعبیر عام طور پر قرآنی وحدیثی استعمالات میں جب مطلق آئے تو غزوہ وجہاد ہی مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ یوسف القرضاوی نے "فقہ الزکاۃ" میں سیر حاصل بحث کر کے اور قرآن وسنت کے ذخیرہ میں اس کے استعمالات کا تتبع واستقراء کر کے ثابت کیا ہے، ہم اس تحقیق سے پورا پورا اتفاق کرتے ہیں۔

تفسیر میں اقوال سلف سے ہٹ کر کوئی قول اختیار کرنا جائز نہیں،

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب "فی سبیل اللہ" کی تفسیر میں حضرات صحابہ وائمہ سے صرف دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ مراد جہاد ہے، دوسرا یہ کہ مراد حج ہے۔ تو کیا کسی کو اس سے ہٹ کر تیسرا یا چوتھا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں سلف سے صرف دو قول مروی ہوں تو اسکے بعد لغت، قیاس، عقل وغیرہ کسی ذریعہ سے بھی تیسرا یا چوتھا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

ومما ینبغی ان یعلم ان القرآن والحدیث اذا عرف تفسیرہ

من جهة النبي صلى الله عليه وسلم لم يحتج في ذالك الى اقوال اهل اللغة۔[1]

یہ ظاہر ہے کہ "فی سبیل اللہ" کی تفسیر اللہ کے نبی علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے چنانچہ حدیث میں آپؐ نے فرمایا لاتحل الصدقة لغني الا لخمسة لغاز في سبيل الله الخ اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے عنوان سے آپؐ نے صرف غازی کو پیش کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس سے صرف غازی مراد ہے۔[2]

پس جب حدیث وسنت نے مراد کو واضح کر دیا تو اب اہل لغت وغیرہ کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے ان حضرات کا رد کیا ہے جو تفسیر میں سلف سے صرف دو قول ہونے کے باوجود تیسرا قول ایجاد کرتے ہیں اور اس کو پوری امت کی تضلیل کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

قال كثير منهم ان الامة اذا اختلفت في تاويل الأية على قولين جاز لمن بعدهم احداث قول ثالث، فجوزوا ان تكون الامة مجتمعة على الضلال في تفسير القرآن والحديث وان يكون الله انزل الأية واراد بها معنى لم يفهمه الصحابة والتابعون ولكن قالوا

---

[1] فتاوی شیخ الاسلام ۱۳/۲۰

[2] اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث میں غنی لوگوں میں سے جن کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے۔ ان میں ایک غازی ہے۔ اگر فی سبیل اللہ سے مراد غازی کے علاوہ کچھ اور بھی ہوتا تو حدیث میں لا نفی اور الاّ سے جو حصر پیدا کیا گیا ہے وہ غلط ہوتا، کیوں کہ اس حدیث میں مذکور اور چار مصارف فی سبیل اللہ سے ہٹ کر ہیں۔ اور فی سبیل اللہ کے عنوان سے صرف غازی کو پیش کیا ہے۔ اب اگر قرآن میں فی سبیل اللہ سے صرف غازی مراد نہ لیا گیا تو دو ہی صورتیں ہیں، ایک شرط فقر ملحوظ ہو، پھر تو تفسیر میں اختلاف ہے کہ حکم زکوٰۃ میں ہیں نہیں۔ اور اگر شرط فقر نہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ فی سبیل اللہ میں اور اغنیاء بھی داخل ہیں جب کہ حدیث کا حصر اس کو باطل کر رہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس میں صرف غازی داخل ہے۔ واللہ اعلم

ان اللّٰہ اراد معنی آخر۔[1]

اور ظاہر ہے کہ پوری امت کی تضلیل یا تجہیل، سوائے جہالت وضلالت کے کچھ نہیں، اس لیے جب سلف کرام کسی بات پر قائم ہو جائیں تو اس کے خلاف کی اجازت نہیں دی جا سکتی،

فی سبیل اللّٰہ کا دائرہ

چوتھا سوال یہ ہے کہ "فی سبیل اللّٰہ" جس کی تشریح وتفسیر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اوپر عرض کی گئی اس کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟

جواب یہ ہے کہ چونکہ سلف سے اس سلسلہ میں صرف دو قول منقول ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک اس سے غزوہ یا حج ہی مراد ہے۔ اور اس کے دائرہ میں بقول احناف محتاج غازی یا محتاج حاجی، اور دیگر ائمہ کے قول پر مطلق غازی یا مطلق حاجی آتے ہیں۔

اور احناف میں سے بعض فقہاء نے جو طالب علم کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، انھوں نے خود ہی فقر کی قید بھی لگا دی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت کی مراد میں اختلاف ہے حکم میں کوئی اختلاف حقیقی نہیں، کیونکہ طالب علم اگرچہ فی سبیل اللّٰہ میں داخل ہیں، مگر ان کو زکوٰۃ فقیر ہونے کی حیثیت سے دی جائے گی۔

علامہ حصکفی نے طالب علم کو فی سبیل اللّٰہ کا مصداق بتانے کے بعد لکھا کہ:

وثمرة الاختلاف فی نحو الأوقات،

اس پر علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ:

یشیر ان ھذا الاختلاف انما ھو فی المراد بالأیة لا فی الحکم ولذا قال فی النھر والخلف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلھم سوی العامل یعطون بشرط الفقر الخ۔[2]

---

[1] فتاوی ابن تیمیہؒ ۱۳/۵۹،

[2] درمختار مع شامی ۲/۳۴۳،

اور جن لوگوں نے بلا قید فقر طالب علموں کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، ان کا قول مرجوح ہے، اور غیر معتمد، چنانچہ طحطاوی نے فرمایا:

وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم يعتمده احد۔[1]

نیز شامی نے بھی لکھا کہ:

قلت وهو كذالك والاوجه تقييده بالفقر۔

خلاصہ یہ کہ جن فقہاء نے طالب علم کو بشرط فقر مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، ان کے مسلک پر طالب علم کو زکوٰۃ بحیثیت فقیر دی جاتی ہے، اور جنہوں نے بلا قید فقر طالب علم کو دینا جائز قرار دیا ہے ان کا قول جمہور کے نزدیک غیر رائج بلکہ غیر معتمد و غیر مقبول ہے۔

اسی طرح جن حضرات فقہاء نے "فی سبیل اللہ" میں تمام امور خیر کو داخل کیا ہے جیسے علامہ کاسانی صاحب بدائع، انہوں نے بھی فقر کی شرط لگائی ہے۔ لہٰذا ان امور خیر میں زکاۃ دینا بوجہ فقر ہوا، الغرض ہمارے نزدیک فی سبیل اللہ میں اصلاً و اصالۃً غازی یا حاجی داخل ہے، یہی اسکی صحیح تفسیر ہے۔ (واللہ اعلم)

فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط

اسی ضمن میں ایک سوال یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق حاجی ہو غازی، ان کو بشرط فقر مستحق زکوٰۃ کہا جائے گا، یا بلا قید فقر؟

جواب یہ ہے کہ اس میں ائمہ اجتہاد ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے، حنفیہ کے نزدیک فقر شرط ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے "بحر الرائق" میں فی سبیل اللہ کی مراد بتانے کے بعد فرمایا کہ:

ولا يخفى ان قيد الفقر لابد منه على الوجوه كلها۔

اس پر شامی نے "منحۃ الخالق" میں نہر الفائق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

ان الاصناف كلها سوى العامل يعطون بشرط الفقر۔[2]

---

[1] شامی ۲/۳۴۳ [2] بحر الرائق و منحۃ الخالق ۲/۲۴۳

اور امام شافعی کے نزدیک صرف غازی کو دیا جائے گا خواہ غنی ہو یا فقیر جیسا کہ خود امام شافعی نے "الام" میں تصریح کی ہے۔[1]

اسی طرح علماء مالکیہ کے نزدیک بھی فقر شرط نہیں، بلکہ غازی غنی ہو یا فقیر دونوں صورتوں میں اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ:

وهم الغزاة وموضع الرباط، يعطون ما ينفقون في غزوهم كانوا اغنياء او فقراء وهذا قول اكثر العلماء، وهو تحصيل مذهب مالك۔[2]

اسی طرح امام احمد و حنابلہ بھی غازی غنی کو دینا جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ یوسف القرضاوی نے مطالب اولی النہی سے ان کا مسلک نقل کیا ہے۔[3]

لہٰذا دونوں طرف گنجائش ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مصارف زکوٰۃ اور قیاس

بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق تو جہاد عسکری ہی کو قرار دینے کے باوجود یہ کہا ہے کہ موجودہ زمانہ میں قلمی، فکری، ثقافتی جہاد بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح پہلے دور میں عسکری جہاد ضروری تھا، اور جس علت سے جہاد عسکری میں زکوٰۃ دینا جائز ہے اسی علت کی بنا پر قلمی، فکری اور ثقافتی جہاد پر بھی زکوٰۃ لگائی جاسکتی ہے۔ شیخ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکوٰۃ میں اس پر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور اسی رائے کو پیش کیا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ رائے و نظریہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ اگر قلمی و فکری اور ثقافتی جہاد کرنے والے لوگ محتاج و مستحق زکوٰۃ ہیں تب تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہوگا، جیسا کہ طالب علم وغیرہ کو بشرط فقر دینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ حضرات چونکہ دینی کاموں اور دعوتی کارروائیوں میں لگے ہوتے ہیں اس لیے ان فقراء کو دینا بہ نسبت عام فقراء کے افضل ہوگا، جیسا کہ طالب علم کے سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے۔

اسی تقریر سے یہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ جب ان لوگوں کو بشرط فقر دیا جائے گا تو یہ بمد فقر

---

[1] کتاب الام ۲/۶۰ [2] قرطبی ۸/۱۸۵ [3] فقہ الزکوٰۃ ۲/۱۳۲۔

زکوٰۃ دی گئی، پھر ان کو فی سبیل اللہ کے مد میں شامل کرنے کا کیا مطلب اور کیا ضرورت؟

جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ فقیر ہونے کی حیثیت سے مستحق زکوٰۃ ہوتے ہیں تاہم ان میں اور عام فقراء میں ایک وصف کے لحاظ سے بڑا عظیم فرق ہے کہ یہ اللہ کے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اس لئے ان کو الگ سے بیان کیا گیا ——— بحرالرائق میں اسی کو فرمایا ہے کہ:

فان قلت: منقطع الغزاة او الحاج ان لم یکن فی وطنه مال فهو فقیر والا فهو ابن السبیل فکیف تکون الاقسام سبعة؟ قلت: هو فقیر الا انه زاد علیه بالانقطاع فی عبادة الله تعالیٰ فکان مغایراً للفقیر المطلق الخالی عن هذا القید۔[1]

اور اگر یہ لوگ محتاج و فقیر نہیں ہیں تب احناف کے نزدیک تو کسی طرح بھی وہ مستحق زکوٰۃ نہ ہوں گے، کیونکہ ان کے نزدیک عسکری جہاد کرنے والے کو بھی بشرط فقر دیا جاتا ہے۔ جب یہ فقیر نہیں تو ان کو دینا ان کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔

اور دیگر ائمہ کے مسلک پر غنی مجاہد کو دینا اگرچہ جائز ہے، مگر یہ بات خود ثابت نہیں کہ علمی ثقافتی و فکری جہاد بھی عسکری جہاد کی طرح فی سبیل اللہ کا مصداق ہے اور اشتراک علت کی بناء پر قیاس کے ذریعہ دونوں کو ایک قرار دینا اور حکم کو ایک سے دوسرے کی طرف متعدی کرنا جائز نہ ہوگا۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب مصارف زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے کسی کے فیصلہ پر نہیں رکھا ہے۔ بلکہ خود ہی ان کو متعین فرمادیا ہے، (کما مر فی الحدیث) لہٰذا یہ محل قیاس نہ ہوں گے۔

ایک شبہ کا جواب

اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ فقہاء نے بعض مواقع پر مصارف زکوٰۃ میں قیاس کے ذریعہ حکم کو متعدی کیا ہے، اگر یہ محل قیاس نہ تھے تو انہوں نے یہ کیسے کیا؟ مثلاً فقہاء احناف نے اس شخص کو جس کا مال جاتا رہا ہو اور اسے اس پر قدرت نہ ہو، ابن السبیل (مسافر) کے ساتھ

[1] بحرالرائق ۲/۲۴۲

ملحق کیا ہے اور زکوٰۃ دینا اس کو جائز قرار دیا ہے، علامہ شامیؒ نے زیلعیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

والحق بہ کل من ھو غائب عن مالہ وان کان فی بلدہ لان الحاجۃ ھی المعتبرۃ وقد وجدت لانہ فقیر یدًا وان کان غنیا ظاھرًا۔[1]

تو جواب یہ ہے کہ یہ قیاس نہیں ہے، کیونکہ قیاس کہتے ہیں غیر منصوص کو منصوص پر اشتراک علت کی بنا پر منطبق کرنا، اور یہ یہاں نہیں ہے، بلکہ ایک منصوص حکم میں ایک اس کے فرد کو داخل کرنا ہے۔ چنانچہ "من ھو غائب عن مالہ" کو فقیر ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا ہے، اس کو ابن السبیل میں شمار کرنا محض ایک نکتہ کی بنا پر ہے، ورنہ وہ فقیر کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ہی مستحق زکوٰۃ ہے، جیسے علماء نے لکھا ہے کہ کسی نے دوسرے کو قرض دے دیا اور وہ ابھی وصول ہونے والا نہ ہو اور اس دینے والے کو خرچ کے لیے حاجت پڑ جائے تو اس کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

آخر کے دو سوالات کے جواب اوپر کی معروضات سے واضح ہیں کہ ہمارے نزدیک مختلف دینی سرگرمیوں اور رفاہی کاموں کے لیے زکوٰۃ کا دینا جائز نہیں۔ جیسا کہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔

اور "فی سبیل اللہ" کا دائرہ جہاد عسکری و حج کے وسیع ہے۔ اور دوسرے امور اس میں داخل ہیں بھی تو وہ فقر کی شرط سے مشروط ہیں۔ دلائل گزشتہ صفحات میں پیش کیے جا چکے ہیں۔

ولا معنی لاعادتہا۔ (واللہ اعلم)

خلاصۂ کلام (محور اول)

خلاصہ یہ کہ جن اموال پر زکوٰۃ ہے وہ پانچ قسم کے ہیں (۱) چوپائے (۲) سونا، چاندی (۳) مال تجارت (۴) معدن و رکاز (۵) کھیتی اور پھل، اور ان پر وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط ملک تام ہے یعنی مال مملوک بھی ہو اور قبضہ میں بھی ہو، لہٰذا:

۱۔ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کر دی گئی مگر مال ہنوز وصول نہیں ہوا، اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی، کہ قبضہ نہ ہوا۔

---

[1] شامی ۲/۳۴۳ و بحر ۲/۲۴۲۔

۲۔ ___ اسی طرح اس بیع کی ادا کردہ قیمت کی زکوٰۃ خریدار پر نہ ہوگی کہ اس پر ملکیت ہی نہیں ہے، البتہ بیع پر قبضہ ہونے کے بعد حولان حول اس کی زکوٰۃ ہوگی۔ (مرتب)

۳۔ ___ اڈوانس کی رقم پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ قبضہ نہیں ہے، جیسے مال مرہون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۴۔ ___ مدارس میں جمع شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ نہیں کیونکہ اس کا بھی کوئی متعین مالک نہیں ہے۔

۵۔ ___ مال حرام پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی کہ وہ مملوک ہی نہیں۔ البتہ اس کے مالکوں کو واپس کرے اور مالک معلوم نہ ہوں تو صدقہ کرنا اس مال حرام کا واجب ہے۔

۶۔ ___ مگر مخلوط مال (یعنی حلال و حرام سے مخلوط) پر زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ خلط سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، مگر یہ اس وقت واجب ہے جبکہ اس مخلوط مال کے علاوہ اس کے پاس دوسرا نصاب بھی ہو ورنہ واجب نہیں، کیونکہ اس مال مخلوط میں سے حرام حصہ کو اس کے مالکوں تک پہونچانا ضروری ہے۔ البتہ اس کے مالک اس کو بری کردیں تو پھر اس مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ دوسرا نصاب نہ ہو، اسی طرح اگر مالک معلوم نہ ہوں تو بھی اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۷۔ ___ دَین کی زکوٰۃ جبکہ دین مقرر ہو یا اس پر بینہ قائم ہو، دائن پر ہوگی، اور گذشتہ تمام سالوں کی واجب ہوگی، البتہ ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وصول ہو جائے ___ اور جو مقروض وسعت کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہو اس پر اس دین کی زکوٰۃ عائد کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ اس کو قرض کے ادا کرنے پر مجبور کرنا چاہئے۔

۸۔ ___ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ امام اعظمؒ کے مسلک پر لازم نہ ہوگی اور صاحبینؒ کے مسلک پر لازم ہوگی۔

ان اموال زکوٰۃ پر وجوب زکوٰۃ کی دوسری شرط "نما" ہے۔ اور "نما" کے معنی زیادتی کے ہیں، اور اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تحقیقی نما جیسے جانوروں میں ہوتا ہے، اور دوسرے تقدیری نما جیسے مال تجارت میں ہوتا ہے۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا ہے۔ اور حاجت اصلیہ وہ ہے جس کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اپنے کو بچاتا ہے، اور یہ زمانہ کے تغیر سے متغیر ہوتی ہے، اور اس کا معیار بدلتا رہتا ہے، مگر اس معیار کو مقرر کرنے کے لئے علماء کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے، عوام کی رائے پر نہیں چھوڑنا چاہئے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مال قرض سے محفوظ ہو، وہ قرض اللہ کا ہو یا بندوں کا، اور اس کا کوئی مطالب

جن مدوں میں سے بھی ۔

طویل الاجل قرضوں کو مانع زکوٰۃ قرار دینا ایک قول پر ممکن ہے ، مگر بہتر ہے کہ ایسے قرضوں کو مانع وجوب زکوٰۃ نہ قرار دیا جائے ، ورنہ نظام زکوٰۃ ہی درہم برہم ہوجائے گا ۔

---

۱ ـــــ کمپنی کے اثاثہ پر اس وقت زکوٰۃ نہیں ہے جبکہ وہ تقسیم کے بعد کسی کا بھی نصاب نہ بنے ، اور اگر بعض کا نصاب بنتا ہو یا سب کا تو زکوٰۃ مجموعہ پر واجب ہوگی ، اور ایک دوسرے سے اپنے حصہ کے بقدر رجوع کرلیں گے ۔

۲ ـــــ ہیرے اور جواہرات جو زینت کے لئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے ، البتہ جو بطور کنز کے رکھے جائیں ان پر زکوٰۃ ہونا چاہئے ۔

۳ ـــــ سامان تجارت پر زکوٰۃ ، موجودہ بازاری نرخ کے حساب سے ہوگی ، نہ کہ لاگت کے حساب سے ، اور جو تھوک فروش بیوپاری ہو اس کے مال پر زکوٰۃ تھوک کے بھاؤ کے مطابق ہوگی ، اور خوردہ فروش کے مال پر خردہ فروختگی کے بھاؤ سے ۔

اور تجارت کی زمین پر زکوٰۃ ہے ، اور متوقع قیمت کے مطابق زکوٰۃ ہوگی ، البتہ فروختگی تک زکوٰۃ کو مؤخر کردیا جائے تاکہ صحیح و قطعی قیمت معلوم ہوجائے تو بہتر ہوگا ۔

۴ ـــــ تجارتی کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ لازم ہے ، اور ان کی موجودہ بازاری قیمت پر زکوٰۃ لازم ہوگی اور بونڈز پر بھی زکوٰۃ ہے کیونکہ قرضہ ہے ، البتہ ادائیگی کا وجوب بعد کیش کرانے کے ہوگا ۔

محور ثانی

۱ ـــــ سونے اور چاندی میں سے سونے کو نصاب کے لئے اصل قرار دینا اوفق معلوم ہوتا ہے ۔

محور ثالث

۱ ـــــ مد زکوٰۃ سے طلبہ کی فیس طعام و قیام و تعلیم وصول کرنا جائز ہے ، خواہ چیک دے کر یا بغیر اس کے ، مگر پہلے توکیل ہوجائے تو بہتر ہے ۔

۲۔۔۔ مدارس کے سفراء اصح قول پر عاملین کے حکم میں ہیں، اور ان کو مدِ زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز ہے، اسی طرح زکوٰۃ کے حساب لکھنے والوں کو بھی اس سے دینا جائز ہے۔ مگر دوسرے حساب لکھنے والوں کو اس مد سے دینا صحیح نہ ہوگا، اور کمیشن دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر احقر کو کسی جانب اطمینان نہیں ہے۔

مصرف "فی سبیل اللہ"

۱۔۔۔ حصر آیت مصارف زکوٰۃ میں حقیقی ہے نہ کہ اضافی،

۲۔۔۔ فی سبیل اللہ سے جمہور کے مطابق جہاد یعنی غزوہ ہے، اور بعض کے نزدیک حج، اور قرآن و حدیث میں یہ تعبیر اسی کے لئے عام طور پر اختیار کی گئی ہے،

۳۔۔۔ سلف کے اقوال سے ہٹ کر کوئی اور قول تفسیر قرآن میں اختیار کرنا روا نہیں ہے۔

۴۔۔۔ فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ یا حج تک محدود ہے۔ اور احناف کے نزدیک اس میں فقر شرط ہے، اور جمہور کے نزدیک شرط نہیں ہے،

۵۔۔۔ مصارف زکوٰۃ میں قیاس کو دخل نہیں، اور اس کی رو سے قلمی، ثقافتی وغیرہ جہاد کو اس میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے،

محور ثالث۔ فی سبیل اللہ

(مولانا محی الدین۔ فلاح دارین، ترکیسر گجرات)

سب سے پہلے تو سائل اور داعی کے سوال کی عبارت اور سوال میں مطلوب مقصد پر توجہ دینا ضروری ہے۔

سوال کا پہلا جزء

اس لیے ضرورت ہے کہ آج علماء ان مختلف اقوال اور ان کے دلائل کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کے لیے ایک راہ عمل طے کریں، تاکہ فی سبیل اللہ کے ابہام کی وضاحت اور اس کے اجمال کی تفصیل پوری طرح متعین ہو جائے۔

سوال کا دوسرا جزء

کیا اس دشواری کے پیش نظر آپ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کر دیا جائے اور اس سلسلہ میں دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر متأخرین یا معاصر علماء کے تعمیم وتوسیع والے قول کو اختیار کر لیا جائے؟

اس بات سے قطع نظر کہ داعی کی نیت، عقیدہ اور مقصد کیا ہے؟ ممکن ہے داعی خود جمہور کے موافق رائے رکھتا ہو، مگر سوال کے پہلے جزء کی مذکورہ عبارت کا انداز غیر مناسب ہے۔

اس عبارت سے یہ دعویٰ ظاہر ہو رہا ہے کہ زکوٰۃ کے مصرف کے بارے میں امت میں سخت اضطراب ہے۔ اب تک راہ عمل طے نہیں ہوئی، فی سبیل اللہ مبہم ہی رہا۔

دوسرے جزء کا خلاصہ صاف ہے کہ دلائل کے قوت وضعف سے قطع نظر مسلک جمہور کو چھوڑ کر ایک مبینہ دشواری کے پیش نظر فی سبیل اللہ کے دائرہ کو وسیع کر دیا جائے یعنی خروج عن المذہب کے لیے کوئی قید وشرط کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو گویا اس کی گنجائش ہے؟

ایک حنفی المسلک سے اس قسم کا سوال تقلید کے دائرہ کو توڑنے کی جسارت کی طرف مفضی ہو سکتا ہے۔

بے شک کسی مسئلہ میں اختلاف کی بناء پر غور وخوض کی دعوت بڑی اچھی بات ہے۔ خواہ کیسا ہی قول ضعیف ہو لیکن ضرورت متقاضی ہو تو اس کو مذہب کے دائرہ میں رہ کر اختیار کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے، اسلاف میں مذہب غیر کو اختیار کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن عنوان ایسا ہونا چاہیے کہ اکابرین امت پر کوئی آنچ نہ آنے پائے (نیز اگر بندہ سے بیجا جسارت ہوئی ہو تو درگزر فرمائیں)۔

اس لیے پہلے اس مسئلہ پر بطور تمہید مختصراً روشنی پڑ جانا مناسب معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ایک حنفی المسلک مجیب کو دائرہ مسلک میں رہ کر ہی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔

کیوں کہ اس قسم کے اصول سے سب ہی واقف ہیں اس لیے چند موٹے اصول کے لیے چند مشہور ومتداول کتب کا ایک آدھ حوالہ ہی کافی ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں اگر اختلاف ہو احناف کے ہی مختلف اقوال کسی مسئلہ میں وارد ہوں تو فقہاء فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کے قول کو ضعف دلیل کے بغیر ترک کرنے کی ضرورت نہیں ہے، حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ اپنے مشہور رسالہ رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ محقق ابن الہمامؒ نے ان مشائخ پر رد فرمایا ہے (جنہوں نے بعض صورتوں میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا) کہ امام کے قول سے ضعف دلیل کے بغیر عدول نہیں ہو سکتا، پھر علامہ فرماتے ہیں امام کے قول سے عدول کے لیے ایک قید اور بھی ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ضعف دلیل کی صورت میں امام کے قول سے عدول کسی ایسے قول کی طرف ہی ہو سکتا ہے جو مذہب میں کسی قول کے مطابق ہو، اس لیے کہ ایسے اجتہاد کی اجازت

نہیں ہے، جس کی وجہ سے خروج عن المذہب بالکلیہ لازم آتا ہو، اس لیے کہ ائمہ اسلاف کا اجتہاد نئے مجتہد کے اجتہاد سے بہر حال اقویٰ ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ائمہ متقدمین کے پیش نظر ضرور ایسی دلیل موجود ہے جو دوسرے مجتہد کی دلیل سے زیادہ راجح ہوگی، کیوں کہ نئے مجتہد کی دلیل پر ائمہ متقدمین کی نظر تو ضرور ہونا چاہیے مگر پھر بھی اس پر عمل نہ کرنا کوئی بات رکھتا ہے (ہاں فی الحقیقت کوئی صحیح حدیث مسلک کے خلاف مل جائے تو ائمہ نے خود فرما دیا ہے کہ اس کے مطابق عمل ہوگا)۔

اس بناء پر علامہ قاسم (بن قطلوبغا) نے اپنے شیخ خاتمۃ المحققین الکمال ابن الہمامؒ کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے استاذ کی وہ ابحاث جو مذہب کے مخالف ہیں لائق عمل نہیں ہیں، اسی طرح علامہ قاسمؒ نے قدوری پر تصحیح کے ضمن میں فرمایا: الامام العلامہ الحسن بن منصور بن محمود الاوزجندی المعروف بہ قاضیخانؒ نے کتاب الفتویٰ میں تحریر فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں ہمارے اصحاب کی طرف سے مفتی کے لیے یہ اصول ہے کہ جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو اگر ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایات میں مروی ہو اور ہمارے اصحاب کے مابین اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ ہو تو ان ہی کے قول کو راجح کہا جائے گا، اور ان ہی کے قول پر فتویٰ ہوگا اور اپنی رائے سے ان کی مخالفت نہ کرے، اگرچہ مجتہد متقن ہی ہو، اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ حق ہمارے اصحاب کے ساتھ ہے اور ہمارے اصحاب کی رائے سے تجاوز نہ کرے کیوں کہ اس (مجتہد) کا اجتہاد ائمہ کے اجتہاد کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا، اور ہمارے اصحاب کے مخالفین کے قول کی طرف نظر نہ کرے، اور نہ مخالفین کی حجت کو قبول کرے اس لیے کہ ہمارے اصحاب نے دلائل کو خوب پرکھا ہے اور صحیح و ثابت دلائل اور ان کے مخالف دلائل کے درمیان فرق کو خوب سمجھا ہے۔

ولذا رد المحقق ابن الهمام على المشائخ حيث افتوا بقول الامامين بانه لا يعدل عن قول الامام الا لضعف دليله واقول ايضا ينبغي تقييد ذلك بما اذا وافق قولاً في المذهب اذ لم يأذنوا في الاجتهاد فيما خرج عن المذهب بالكلية مما اتفق عليه ائمتنا لان اجتهادهم اقوى من اجتهاده فالظاهر انهم رأوا دليلا ارجح مما رآه حتى لم يعملوا به ولهذا قال العلامة قاسم في حق شيخه خاتمة المحققين الكمال بن الهمام لا يعمل بابحاث شيخنا التي تخالف المذهب وقال في تصحيحه على القدوري قال الامام العلامة الحسن بن منصور بن محمود الاوزجندي المعروف بقاضي خان

فی کتاب الفتاوی رسم المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی عن مسئلة ان کانت مرویة عن اصحابنا فی الروایات الظاهرة بلا خلاف بینهم فانه یمیل الیهم و یفتی بقولهم ولا یخالفهم برأیه وان کان مجتهداً متقنا لان الظاهر ان یکون الحق مع اصحابنا ولا یعدوهم واجتهاده لا یبلغ اجتهادهم ولا ینظر الی قول من خالفهم ولا تقبل حجته ایضاً لانهم عرفوا الادلة ومیزوا ما بین ما صح وثبت وبین ضده الخ[1]

علامہ ابن عابدینؒ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ صاحب الدرد الغرر نے کتاب القضاء میں فرمایا جب قاضی کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کر دے تو نافذ نہ ہوگا، یعنی اصل مذہب کے خلاف جیسے حنفی قاضی شافعی کے مسلک کے مطابق یا شافعی قاضی حنفی مسلک پر فیصلہ کرے لیکن اگر قاضی مذہب ابی یوسف یا محمد یا دوسرے اصحاب امام کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو یہ فیصلہ ابوحنیفہؒ کی رائے کے خلاف نہیں ہے اس لیے نافذ ہو جائے گا۔

رد المحتار میں بھی علامہ شامی نے اسی طرح بیان فرمایا ہے:

"ان الحکم ان اتفق علیہ اصحابنا یفتی بہ قطعاً والا فاما ان یصحح المشائخ احد القولین فیہ او کلا منہما او لا فلا. ففی الثالث یعتبر الترتیب بان یفتی بقول ابی حنیفة ثم بقول ابی یوسف الخ[2]

اس مختصر حوالے سے آپ کی توجہ اصول کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اصل مبحث کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے۔

ضرورت، عرف، تغیر زمان، مشقت کی بنیاد پر مذہب کے دائرہ میں رہ کر تغیر حکم تخفیف و تیسیر ہوتی ہے ایسے مواقع میں اقوال ضعیفہ پر عمل کر لینے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

ضرورت و مشقت شدیدہ کی وجہ سے مذہب غیر کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن مذہب غیر کو اختیار کرنے اور خروج عن المذہب کے لیے جو کڑی شرطیں ہیں ان کا ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے

---

[1] رسم المفتی/۴۹ [2] شامی ۱/۵۳۔

البتہ احناف جزء پر نظر کر کے جانیے کس قدر احتیاط و اجتناب ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اس لیے ہمیں پہلے اس پر غور کرنا ہوگا کہ زیر بحث مسئلہ میں فی سبیل اللہ کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لیے ایسی ضرورت شدیدہ یا حرج عظیم واقع ہو رہا ہے، اہم مسلک احناف بلکہ مسلک جمہور کو ترک کر کے جس پر تعامل چلا آرہا ہے باوجود قوۃ دلائل فی سبیل اللہ کے دائرہ میں تعمیم و توسیع کردیں، خاص کر احناف کے فقر اور تملیک کے شرائط کو نظر انداز کردیں۔؟

ضرورت و حرج عظیم پر ایک نظر

آج کل عام طور پر طلبہ اور علماء کا نوے فیصد طبقہ وہی ہے جو زکوۃ کے مستحقین میں داخل ہے اور بلا کسی حیلہ کے زکوۃ اس کو دی جا سکتی ہے۔ بلکہ درحقیقت پانچ فیصد علماء ایسے ہوں گے جو غناء شرعی کی فہرست میں آتے ہیں، اگر کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آگئی کہ مستغنی علماء اور مدرسے کے لیے زکوۃ کی رقم کا استعمال ضروری ہو ہی گیا تو حیلہ تملیک سے ہنگامی طور پر کام لے لیا جاتا ہے جو ایک شرعی حل موجود ہے، فقہاء اس کے قائل ہیں، کیا صرف علماء اغنیاء کو زکوۃ دلانے کے لیے پورے مذہب و فقہ کی بنیادوں کو ہلا دیا جائے، علماء اغنیاء کی غیرت سے بھی تو پوچھ لیجیے کہ آپ کو یہ گوارا ہے!

مدارس میں آج تک للہ رقم سے تنخواہ دینے کا تعامل رہا، لیکن اکابرینؒ اپنے تمام تر فقر و استحقاق کے باوجود مدرسے سے تنخواہ لینے سے مجتنب رہے حالانکہ متأخرین کا فتویٰ موجود ہے اباحت تنخواہ پر دین کی طرف سے بے رغبتی کے دور میں جب کہ ہمارے اکابر مدارس کے لیے طلبہ کی بھیک مانگتے تھے مشکل سے تین چار یا سات طلبہ کسی مدرسے سے فارغ التحصیل ہوتے تھے، کچے مکانوں میں درس و تدریس کا کام انجام پاتا تھا، اس زمانہ میں ہمارے اکابر کو خیال نہ ہوا کہ تعمیرات کے لیے اشاعت و طباعت کے لیے ضرورت کے پیش نظر فی سبیل اللہ کے دائرہ کو وسیع کر دیا جائے، جب کہ وہ اس دور میں ایسا کام کر گئے کہ اس کا عشر عشیر بھی یقیناً آج نہیں ہو رہا ہے، (اگر کوئی مدعی ہو تو ثابت کرے) کیا ان اکابر کی نظر اس توسیع کے قول پر نہیں تھی، اور وہ امت پر شفیق نہ تھے، دین کی خدمت کا جذبہ اور اشاعت و طباعت میں ارکاوٹیں ان کو پیش نہ آئیں۔

اور آج جب کہ ایک ادنیٰ مدرسے سے ۳۰، ۴۰ اور بڑے مدارس سے پانچ سو سات سو کی

تعداد میں طلبہ فارغ ہو رہے ہیں، مدارس کے پاس عالی شان عمارات ہیں، مدرسوں میں ہر قسم کے سامان عیش طلبہ و مدرسین کے مہیا ہے، بڑی بڑی تنخواہیں ہیں، اور یہ سب کچھ امت کے اہل خیر اور حاتمین کی طرف سے اللہ رقم سے ہو رہا ہے۔ جو علماء کرام کچھ کام کر رہے ہیں، امت کی طرف سے ان کا ہر سو استقبال ہو رہا ہے، ہدیہ و تحائف سے وہ مالا مال ہو رہے ہیں ایسے دور میں توسیع کی ضرورت پیش آگئی، اہل مدارس کی طرف سے الحمد للہ آج تک یہ آواز نہیں اٹھی، پھر چند لوگوں کی آواز اور ضرورت کے دعوی پر حرج عظیم کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اس لیے ہماری نظر میں ضرورت متحقق ہی نہیں ہے اور اگر کہیں ایسا حرج پیش آجاتا ہے، تو حیلۂ تملیک سے رفع ہو جاتا ہے۔

فی سبیل اللہ کی توسیع میں دین کا نقصان ہے

عوام کو یہ بات معلوم ہے کہ عمارات، مسجد و مدارس کی ضروریات تنخواہیں، اشاعت و طباعت جیسے امور کے لیے فنڈ رقم چاہیے، عوام مسلمین اس کو پورا کر رہے ہیں، لیکن دائرہ کو وسیع کر دیا گیا تو عوام کو جب یہ بات معلوم ہوگی کہ زکوٰۃ جملہ امور خیر میں بلا کسی فقر و تملیک کی شرط کے کافی ہوتی ہے تو صرف زکوٰۃ کی رقم دے کر وہ ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے، اور یقین جانیے ہند و پاک جیسے غریب ممالک میں پوری زکوٰۃ کی رقم صرف مدارس و مساجد کی عام ضرورتوں میں خرچ کر دی جائے تو کافی نہیں ہوگی، کیوں کہ اغنیاء کا تناسب پھر زکوٰۃ دہندگان کم ہیں۔

دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ خدام دین کے نام پر اور علماء دین کے نام پر انت کا ایسا طبقہ زکوٰۃ پر قابض ہو جائے گا کہ اہل مدارس و مساجد تو ہاتھ ملتے رہ جائیں گے، کالج اور یونیورسٹیاں چلانے والے خود کو خدام دین و مسلمین سے کیوں جدا سمجھیں گے، آپ ہزار سمجھیں لیکن فی سبیل اللہ کی توسیع کے دائرہ میں وہ صف اول میں قابض ہو جائیں گے، اور آپ کے لیے دائرہ نہایت تنگ ہو جائے گا۔

بعید نہیں کہ خدام الیکشن و ممبران پارلیمنٹ بھی اپنا حصہ زکوٰۃ کی رقم سے وصول کرنے لگیں کیونکہ وہ بھی مسلمین کے خادم ہیں، مساجد و مدارس کے علاوہ دیگر انجمنیں، ادارے، اکیڈمیاں کی کوئی کمی نہیں اور بعید نہیں کہ اس فیصلے کے بعد تعداد میں اور بھی اضافہ ہو جائے، اسی طرح فی سبیل اللہ کا اولین مصداق

مشروط قرار دیتے ہیں کہ تملیک رکن ہے، مصرف فقیر ہے، علت فقر ہے اور غرض سد حاجۃ الفقیر ہے۔

آیت کریمہ:

"للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لا یسئلون الناس الحافا"[۱]

"صدقات ان فقراء (محتاجوں) کے لیے ہیں جو اللہ کے راستہ میں محصور ہیں، کسب معاش کے لیے سفر کی قدرت نہیں ہے (انہماک فی الدین کی وجہ سے) ناواقف ان کو سوال سے احتراز کی بنا پر غنی سمجھتا ہے تم ان کی حالت کو (چہرہ پر نمایاں) علامات (نیز لباس، وغیرہ سے جان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر (باصرار) نہیں مانگتے ہیں۔"

یہ آیت مہاجرین صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے[۲]۔ اور تفسیر نسفی میں ہے کہ ان چار سو اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کا نہ مدینۃ الرسول میں گھر تھے نہ ان کے قبائل تھے، جملہ سرایا میں شرکت کرتے تھے، پھر مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر مقیم ہوئے تھے[۳]۔

آیت کریمہ صدقات کے فقراء کے ساتھ مخصوص ہونے پر حجت قوی ہے، مطلق صدقات نافلہ یا مفروضہ کے لیے مصرف بتلاتے ہیں کہ ان فقراء کو دینا راجح ہے جن میں فقر کے ساتھ یہ اوصاف ہوں، وہ منہمک فی الدین ہوں، کسب معاش کی نہیں فرصت نہ ہو، اور شان نزول مذکور سے پوری وضاحت ہو جاتی ہے، پھر حاجتمند ہوتے ہوئے ان کی شان یہ ہے کہ وہ ہاتھ نہیں پھیلاتے اور غنی سمجھ کر لوگ دیتے بھی نہیں، اس لیے ترغیب کی ضرورت پیش آئی۔ مذکورہ آیت کریمہ کے پیش نظر اس کے بعد سورہ توبہ کی آیت کریمہ "انما الصدقات للفقراء" میں فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ فی سبیل اللہ سے منقطع الغزاۃ وہ مجاہدین مراد ہیں جو اپنے فقر اور عدیم الفرصت کے سبب صدقات کے مستحق ہیں، اسی طرح وہ سب لوگ شامل ہو جائیں گے، جو انہماک فی امور الدین کے سبب کسب معاش سے معذور ہیں، مستحقین میں یہ لوگ قابل ترجیح اور زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔

---

[۱] پ۳، سورۃ البقرۃ [۲] ابن کثیر [۳] عمدۃ القاری ۹:۵۹۔

کسب معاش کی ذمت : ہونا انہماک فی الدین کا لازم ہے اور کسب معاش نہ ہونے سے فقر لازم ہے نیز فقراء کی تصریح بھی ہے۔

تملیک بھی ضروری ہے

صدقات کے باب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور امت کا عام تعامل تملیک کا ہی رہا ہے یہ سب سے قوی حجت ہے صدقہ میں تملیک مشروط ہونے کی، کسی ایک روایت سے صدقہ میں عدم تملیک معلوم ہوتی ہو تو دیگر حجتوں کو نظر انداز کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے جب کہ عدم تملیک کی روایت مؤول ہے جس پر آئندہ اہل توسیع کے دلائل کے جائزہ کے ضمن میں کلام ہوگا۔

چنانچہ ابو داؤد و مسلم شریف کی حدیث :

"عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلحم قال ما ھذا قالوا شیٔ تصدق بہ علی بریرۃ فقال ھو لہا صدقۃ ولنا ھدیۃ"[1]

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ کیا ہے کہا کچھ گوشت ہے جو حضرت بریرہؓ کے پاس صدقہ میں آیا تھا تو ارشاد فرمایا وہ ان کے لیے صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے"۔

یہ روایت اور اس جیسی دوسری روایات سے صدقہ میں تملیک ثابت ہوتی ہے۔

صدقہ اور وقف منقول میں مابہ الامتیاز تملیک ہی ہے، اگر صدقہ سے تملیک کی شرط کو حذف کر دیا جائے تو کوئی صدقہ صدقہ نہیں رہے گا، وقف ہو جائے گا۔ اس لیے صدقات سے یکسر تملیک کو ختم کر دینے کا جواز نہیں رہتا، رہی یہ بات کہ صدقات کو تملیک و عدم تملیک دونوں سے عام مانا جائے اور فی سبیل اللہ سے وقف مراد لیا جائے کہ صدقہ کا ایک مصرف وقف ہے (تو یہ تعامل کے خلاف ہے) لیکن بالفرض اگر ہم اس دعویٰ کو تسلیم کر لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ سے عدم تملیک کے مفہوم کے پیش نظر یہ وقف علی الفقراء کے ساتھ مخصوص ہے یا وقف علی الفقراء والاغنیاء پر عام ہے۔

---

[1] رواہ ابو داؤد ۱/۲۳۲۔

اگر وقف علی الفقراء کے ساتھ مخصوص ہے تو اس توسیع کے مقصد کے موافق نہیں اس سے رفاہ
عام کے کاموں، تعمیر مساجد و مدارس، ہسپتال اور تنخواہوں میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں نکلے گی، بلکہ صرف
فقراء پر بلا تملیک خرچ کرنے کی گنجائش رہے گی، اس میں علماء، اغنیاء اور مجاہدین، اغنیاء کو شامل نہیں کیا جا سکتا
حالانکہ حضرات شوافع نے اغنیاء مجاہدین کو اس میں شامل مانا ہے، اور علماء، اغنیاء کو اس توسیع میں شامل کرنا چاہتے
ہیں۔

اور شوافع کے لیے نیز ہماری توسیع کے لیے اغنیاء کو شامل کرنے کی جو حجت پیش کی گئی ہے وہ
ناکام ہو جاتی ہے، وہ البتہ یہ حدیث ہے:

"لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة لغاز في سبيل الله او لعامل عليها او لغارم
او لرجل اشتراها بماله او لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين غني"[1]

"صدقہ غنی کے لیے حلال نہیں مگر پانچ کے لیے، غازی فی سبیل اللہ کے لیے، عامل کے
لیے یا مقروض کے لیے یا اس شخص کے لیے جس نے اپنے مال سے صدقہ خرید لیا یا کسی کا فقیر
پڑوسی ہے جس پر صدقہ ہوا اس فقیر نے غنی پڑوسی کو ہدیہ دیدیا۔"

کیوں کہ اس حدیث میں اس صدقہ کے بارے میں حکم مذکور ہے جس میں تملیک ہو، عامل کے
لیے تملیک ہے، غارم کے لیے تملیک ہے، اور آخری دو میں تو بلا تملیک کی طرف اشارہ ہے۔
اس لیے مذکورہ حدیث کو استدلال میں پیش کرنا مفید نہ ہوگا۔

اور اگر فی سبیل اللہ سے وقف (صدقہ بلا تملیک) اغنیاء، فقراء سب کے لیے عام ہو تو
"لا تحل الصدقة لغني" سے استثناء کی بھی ضرورت نہیں رہتی، حالانکہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حدیث
وارد ہے۔ بہرحال فی سبیل اللہ سے جزو اسعد وقف (صدقہ خالی عن التملیک) مراد ہونے پر شرط آیت
مذکورہ میں منافات، خصوصاً سورۂ توبہ کی آیت "إنما الصدقات" کا سیاق بتلا رہا ہے کہ ہر مصرف میں تملیک
ملحوظ ہے ورنہ وفی الرقاب وفی سبیل اللہ کو الگ میں ذکر فرماتے، وفی الرقاب کے بعد الغارمین۔
اور فی سبیل اللہ کے بعد ابن السبیل کو لانا دلیل ہے کہ غارمین میں تملیک کی طرح وفی الرقاب

---

[1] رواہ ابو داؤد و مالک۔

میں تملیک ہے، اور ابن السبیل میں تملیک کی طرح فی سبیل اللہ میں تملیک ہے، ورنہ نظم قرآنی میں معنی و مفہوم کے لحاظ سے بے ترتیبی اور گڑبڑ کا قائل ہونا پڑے گا، اور یہ کلام اللہ کی فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

مصارف میں فقر بنیادی حیثیت رکھتا ہے

دراصل سورۂ توبہ کی آیت "إنما الصدقات" سے اسباب فقر کا ذکر مقصود ہے یعنی ان اصناف مذکورہ میں لزومی طور پر فقر کا تحقق ہوتا ہے۔

اگر ان جملہ اصناف میں فقر کو ملحوظ نہ رکھا جائے فی سبیل اللہ میں غازی غنی ابن السبیل غنی اور غارم غنی اور اہل توسیع کے مطابق عالم غنی کو بھی شامل کر لیا جائے، تو ایک قرینہ یہ لازم آتی ہے کہ عالم غنی، مبلغ غنی، مجاہد غنی ہمیشہ علم و تبلیغ و جہاد میں منہمک رہیں اس لیے ان کے غنا کے باوجود ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہ ہو، اور یہ نص کے خلاف ہے، اسی طرح جو شخص اپنے اوپر قرض کر لے، بینک سے قرض لے کر اتنا پھر قرض کو منہا کرنے کے بعد وہ صاحب نصاب رہتا ہے تب بھی اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہو اور غازی، ابن السبیل غزوہ اور سفر میں ان کے پاس نصاب موجود ہوتے ہوئے بھی ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہو، حالانکہ یہ منقول کے بھی خلاف ہے اور معقول کے بھی خلاف ہے۔

مصرف زکوٰۃ میں فقر کی شرط معقول ہے

معقول کے خلاف اس لیے کہ عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ جو بالفعل مستحق زکوٰۃ ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہو، احناف کے یہاں تو غازی اور ابن سبیل حالت غزوہ اور سفر میں بالفعل حاجتمند ہوتے ہیں اس لیے اخذ زکوٰۃ ان کے لیے جائز ہوتا ہے، لیکن وطن میں ان کے اموال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے کیونکہ حیثیت بدل جاتی ہے، لیکن ایک ہی وقت ایک ہی حیثیت میں ایک شخص مستحق اور مصرف زکوٰۃ بھی ہو اور اسی حیثیت میں زکوٰۃ اس پر فرض ہو، یہ عقلاً و شرعاً ممنوع ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ صفات جن پر زکوٰۃ فرض نہ ہو سکے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"وتقدم ايضاً ان الموصي به للفقراء لو دفعه الى السلطان الجائر سقط فجواز اخذه الزكاة ينافي وجوبها عليه۔"

"پہلے یہ بات گزر چکی کہ فقراء کے لیے جو مال کی وصیت ہو وہ اگر سلطان جابر کو دیا جائے تو وجوب ساقط ہو جائے گا، پس اس کے لیے زکوٰۃ لینے کا جواز اس پر زکوٰۃ فرض ہونے کے منافی ہے۔"

"وان جاز اخذه لها مع وجوبها عليه لعلة اخرى لعدم وصوله الى ماله كابن السبيل ومن له دين مؤجل۔" شامی ، ا

"اگرچہ دوسری حیثیت سے زکوٰۃ لینا جائز ہوتا ہے، اس کے مال پر زکوٰۃ فرض ہونے کے باوجود جیسے مسافر یا وہ شخص جس کا لوگوں پر قرض مؤجل ہے لوگ دے نہیں رہے ہیں، تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ اپنے مال پر اس کو قدرت نہیں ہے۔"

مصرفِ زکوٰۃ میں فقر شرط ہونے پر نقلی دلیل

مصرفِ زکوٰۃ میں فقر کا شرط نہ ہونا منقول کے بھی خلاف ہے، اس لیے کہ بخاری شریف میں ضمام ابن ثعلبہ کی آمد والی روایت میں انسؓ بن مالک سے مروی ہے:

"انشدك بالله آلله امرك ان تأخذ هذه الصدقة من اغنيائنا فتقسمها على فقرائنا فقال النبي صلى الله عليه وسلم اللهم نعم۔"

"میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ یہ زکوٰۃ ہمارے اغنیاء سے لے کر ہمارے فقراء پر تقسیم فرمائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ نے یہ حکم فرمایا ہے۔"

دیگر فقہائے کرامؒ نے اس بارے میں حضرت معاذؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امر فرمایا کہ:

"اخبرهم ان الله تعالى قد فرض عليهم زكاة تؤخذ من اموالهم من اغنيائهم وترد على فقرائهم۔" ———— (بخاری شریف ۱/ ۱۹۶)

ان مذکورہ روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں ایک فریق اغنیاء ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، دوسرا فریق فقراء ہے جن پر زکوٰۃ صرف ہوتی ہے۔ اور امر کا تقاضہ ہے کہ اس تقسیم پر عمل لازم ہو، اس لیے اغنیاء کو زکوٰۃ دینا جائز ہو یا اغنیاء پر زکوٰۃ فرض نہ ہو تو مذکورہ تقسیم کے منافی ہوگا۔

چنانچہ حضرت علامہ ابو بکر جصاص رازیؒ اپنی تفسیر احکام القرآن میں رقمطراز ہیں:

"وجميع من يأخذ الصدقة من هذه الاصناف فانما يأخذ صدقة بالفقر والمؤلفة قلوبهم والعاملون عليها لا يأخذونها صدقة وانما تحصل الصدقة في يد الامام للفقراء، ثم يعطي الامام المؤلفة منها لدفع اذيتهم عن الفقراء وسائر المسلمين ويعطي العاملين عوضا من اعمالهم لا انها صدقة عليهم وانما قلنا ذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم امرت ان اخذ الصدقة من اغنيائكم وارد ها الى فقرائكم فبين ان الصدقة مصروفة الى الفقراء . فدل ذلك ان احدا لا يأخذها صدقة الا بالفقر وان الاصناف المذكورين انما ذكروا بيانا لاسباب الفقر" (احکام القرآن جلد)

"جو لوگ بھی صدقہ کے مستحق ٹھہرے ہیں وہ صدقہ کو فقر کی بنیاد پر ہی لیں گے، مؤلفۃ قلوب اور عاملین بطور صدقہ نہیں لیتے، صدقہ امام کے ہاتھ میں فقراء کے لیے پہونچتا ہے پھر امام فقراء اور باقی مسلمین سے مؤلفۃ قلوب کی ایذا کی مدافعت کے لیے دیتا ہے اور عاملین کو ان کے اعمال کے عوض دیتا ہے بطور صدقہ نہیں دیتا، ہم یہ بات اس لیے کہہ رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ صدقہ تمہارے اغنیاء سے وصول کروں اور تمہارے فقراء پر تقسیم کروں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ صدقہ فقراء پر صرف ہوگا، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ کوئی بھی شخص صدقہ کو بطور صدقہ کے فقر کی بنیاد ہی پر مستحق ٹھہرے گا، اصناف مذکورین تو اسباب فقر کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔"

آگے علامہ رازیؒ فرماتے ہیں:

حينئذ بمنزلة ابن السبيل فاما من يكون ماله بحضرته وبالتما فوق ما

عليه من الدين بقدر نصاب لا يحل له اخذ الصدقة لقوله صلى الله عليه

وسلم لا تحل الصدقة لغني واما العامل فانما يأخذ عمالة وليس بصدقة

في حقه فغناه لا يمنعه من اخذه ۔"[1]

فرماتے ہیں مذکورہ حدیث کا مطلب (امام زیلعی) ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جب غازی اپنے وطن کے لحاظ سے غنی ہے لیکن جہاں وہ موجود ہے اس جگہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس وقت اس کے لیے اس قدر صدقہ لینے کی گنجائش ہے جس سے اس کو قوت مل جائے ایسے ہی غارم جب کہ اس کا مال غائب ہو یا لوگوں کے ذمہ قرض ہو اس کو وصول کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ دونوں اس وقت ابن السبیل کے درجہ میں ہیں، لیکن جس کا مال اس کے پاس حاضر ہو اور جس قدر دین اس پر ہے اس سے زائد ہو کر بقدر نصاب ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا کہ کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ البتہ عامل تو وہ اپنے عمل کے مقابلہ میں لے رہا ہے اس کے حق میں یہ مال صدقہ نہیں ہے، لہٰذا اس کا غنی اس مال کو لینے سے مانع نہیں ہے۔

حضرت علامہ کاسانی "بدائع الصنائع" میں تحریر فرماتے ہیں:

"في سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة

الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا۔"

"فی سبیل اللہ عام ہے جملہ قربتوں کا، اس میں ہر وہ شخص جو اللہ کے راستہ میں اور نیکی کے راہوں میں کوشاں ہے وہ اس میں داخل ہو جائے گا جب کہ محتاج ہو۔"

آگے اپنے مسلک کے مطابق ائمہ کے اقوال ونتائج کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہماری حجت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی (مطلق روایت) لا تحل الصدقة لغني ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد امرت ان آخذ الصدقة من اغنيائكم وأردها إلى فقرائكم ہے پس اگر صدقہ غنی کو دیا

---

[1] شرح سیر الکبیر ۱/۲۲ ۔

جائز قرار دیا جائے تو تقسیم فی الروایت باطل ہو جائے گی، اور یہ جائز نہیں ہے۔ البتہ بیت شوافع میں غازی کا استثناء معقول ہے حاجت درپیش ہونے پر اور ایسے غازی کو غنی کہنا حاجت پیش آنے سے قبل کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص غنی ہے پھر اس کو حاجت پیش آئی، اس کے پاس رہنے کے لیے مکان ہے، استعمال کے لیے اسباب ہے، پہننے کے کپڑے ہیں، اور ان ضروریات کے علاوہ دو سو درہم زائد بھی ہے، اس حیثیت سے اس کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے، پھر وہ جہاد کے لیے سفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو ضرورت پڑتی ہے اسباب سفر کی، ہتھیاروں کی خریداری کے لیے سواری کی اپنی معاونت کے لیے خادم کی، ان چیزوں کا محتاج حالت اقامت میں نہیں تھا تو جائز ہے کہ اس کو صدقات کے مال میں سے اتنا حصہ دیا جائے جو اس کی ضروریات کی کفایت کرے، تو یہ شخص اپنے مقام کے لحاظ سے غنی ہے، حالت سفر کے لحاظ سے محتاج ہے، اس لیے "لاتحل الصدقة لغني الا لغاز في سبيل الله" کو محمول کریں گے، اس شخص پر جو حالت اقامت میں غنی ہے لیکن سفر میں درپیش ضرورت کی بنا پر محتاج ہے تو اس احتیاج کی بنا پر اس کو کچھ دیا جاتا ہے مزید کہ اس کو غنی کی حالت میں دیا جا رہا ہے۔[1]

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ علامہ سرخسیؒ اور علامہ کاسانیؒ نے غازی فی سبیل اللہ کو حالت احتیاج میں بقدر ضرورت دینے کا حکم فرمایا۔

تو پھر علماء اغنیاء کو مطلقاً زکوٰۃ دینے کا جواز کیسے نکالا جائے، ہاں اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم کے لیے کتب علم ضروریات اصلیہ میں داخل ہیں، تو جو عالم کتب خریدنا چاہتا ہو اگر وہ دیگر ضروریات سے دو سو درہم زائد ہوں جس سے صاحب نصاب بن جاتا ہے لیکن کتب علم کے ضروریات میں داخل ہونے کی بنا پر یہ دو سو درہم ایسے صاحب ذوق کے لیے زائد از ضرورت نہ سمجھتے ہوئے جب کہ وہ اس دو سو درہم کو کتابوں پر صرف کر دیتا ہے یا ارادہ رکھتا ہے کتب خریدنے کا تو زکوٰۃ دینا جائز ہو جائے اس لیے نہیں کہ وہ غنی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ صاحب نصاب درحقیقت ہے ہی نہیں۔

حضرت علامہ بدرالدین عینیؒ نے امام اعظمؒ پر وارد شدہ اعتراض کا جواب خوب صاف

---

[1] بدائع الصنائع، ۲/۴۶۔

طور پر رد کر دیا:

"وقال صاحب التوضيح واما قول ابي حنيفة لا يعطى الغازي من سهم الله الا ان يكون محتاجا فهو خلاف ظاهر الكتاب والسنة اما الكتاب فقوله تعالى في سبيل الله واما السنة فروى عبد الرزاق عن معمر عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني الا لخ

صاحب التوضیح نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کا قول کہ غازی محتاج ہو تب ہی زکوٰۃ اس کو دی جا سکتی ہے، ظاہر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ کتاب کے خلاف اس لیے کہ فی سبیل اللہ ارشاد ہے اور حدیث ترجمہ عبدالرزاق عن معمر "لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة الخ"

قلت ما احسن الادب سيما مع الاكابر وابو حنيفة لم يخالف الكتاب ولا السنة وانما عمل بسنة فيما ذهب إليه وهو قوله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني. وقال المراد من قوله تعالى في سبيل الله هو الغازي الغني بقوة البدن والقدرة على الكسب لا الغني بالنصاب الشرعي بالدليل حديث معاذ يردها الى فقرائهم.

"علامہ عینی فرماتے ہیں، صاحب توضیح کو بڑوں کے ساتھ حسن ادب سے پیش آنا چاہیے۔ ابوحنیفہ نے کتاب کی مخالفت کی نہ سنت کی۔ ابوحنیفہ نے تو حدیث پر عمل کیا اپنے مذہب میں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا تحل الصدقة لغني" اور مزید اس حدیث میں جس کو صاحب توضیح نے پیش فرمایا، غازی فی سبیل اللہ سے وہ غنی غازی مراد ہے جو جسمانی لحاظ سے تندرست اور کسب معیشت پر قادر (بالقوۃ) ہے، البتہ غنی مراد نہیں ہے جو نصاب شرعی کا مالک ہو، حضرت معاذؓ کی اس حدیث کی بنا پر جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ فقراء کو دیا جائے۔ (عینی ۹ / ۵۰)

اور یہ اشکال کرنا کہ فی سبیل اللہ سے غازی غنی مراد نہیں ہے تو پھر وہ فقراء یا ابن السبیل میں داخل ہے

اس کو جدا بیان کرنے کی ضرورت کیا ہے، تو اولاً یہ جواب ہے کہ غازی کے لیے سفر ضروری نہیں کہ وہ ابن السبیل میں داخل ہو، دوسری بات یہ ہے کہ علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں ارشاد فرمایا کہ یہ سب فقراء ہیں، لیکن منقطع الغزاۃ والحاج کے لیے فی سبیل اللہ سے استحقاق کا ایک امتیازی وصف الانقطاع فی عبادۃ اللہ تعالیٰ ہے (یعنی انہماک فی الدین) اس امتیازی شان کی بنا پر فی سبیل اللہ دوسرے مصارف سے ممتاز ہو جاتا ہے:

"قلت ھو فقیر الا انہ زاد علیہ بالانقطاع فی عبادۃ اللہ تعالیٰ فکان مغایرا للفقیر المطلوب الخالی عن ھذا القید[1]۔"

اہل توسیع کے دلائل کا جائزہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر فریق مخالف کے دلائل کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے غازی غنی مراد ہے اور اسی بنیاد پر زیر بحث مسئلہ کی [illegible] میں کہا گیا ہے کہ علماء بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہیں، اگرچہ اغنیاء ہوں کیونکہ وہ دین کی خدمت میں منہمک ہیں، یا جہاد قلمی و لسانی میں مشغول ہیں۔

ان حضرات کی مستدل یہ روایت ہے:

"عن عطاء بن یسار مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لغاز فی سبیل اللہ او لعامل علیہا او لغارم او لرجل اشتراھا بمالہ او لرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاھدی المسکین للغنی[2]۔"

اس روایت کے بارے میں گزر چکا کہ مؤول ہے، خود قائلین بھی کہتے ہیں کہ وہ مجاہد جس کے لیے بیت المال سے وظیفہ جاری نہ ہو، اور حکومت سے کچھ نہ ملتا ہو، ایسا مجاہد مراد ہے۔

تو کیا وہ علماء جو تنخواہیں لیتے ہیں یا کسب معاش ان کو حاصل ہے ایسے اغنیاء علماء کے لیے

---

[1] البحر الرائق ۲۲۰/۱۔ [2] رواہ مالک و ابو داؤد

اس حدیث سے زکوٰۃ لینا جائز ہو سکتا ہے، جب کہ حضرت امام محمدؒ نے سیر کبیر میں فرمایا کہ غازی فی سبیل اللہ مراد ہے۔

حضرات شوافع کا مذکورہ حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نفی سے استثناء اثبات کا مقتضی ہے اس لیے ان پانچ صنفوں کے لیے بحالت غناء زکوٰۃ کے جواز کا ثبوت ہو رہا ہے۔ تو اس کا جواب علامہ کاسانیؒ، علامہ رازیؒ اور دوسرے فقہاء ومفسرین نے دیا کہ غناء کا اثبات غازی میں باعتبار مآ معنی یا باعتبار غناء فی بلدہ کے ہو رہا ہے۔ جس طرح ابن السبیل میں ہو رہا ہے اور اس قدر استثناء کے جواز کے لیے کافی ہے ورنہ روایت دوسرے نصوص سے ٹکرائے گی۔

دوسری تاویل جو خود امام ابو حنیفہؒ سے علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں ذکر فرمائی کہ مذکورہ حدیث میں غناء کا اثبات غازی کے لیے باعتبار قوت وصحت اور قدرت علی الکسب کے ہو رہا ہے۔ جیسا کہ مفصل حوالہ گزر چکا ہے۔ یعنی غازی کو غنی کہہ کر صدقہ لینے کی اجازت باوجود قوی وسالم ہونے کے دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فقیر قادر علی الکسب للکفایہ کو غنی کے حکم میں قرار دیا گیا ہے، احناف کے نزدیک تو ایسے فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے (یہ جدا بات ہے کہ اس کو نہ لینا چاہیے) اللہ تعالیٰ کے ارشاد "انما الصدقات للفقراء" کے عموم کی وجہ سے، لیکن حضرت امام شافعی اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ فقیر قادر علی الکسب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی بنیاد پر کہ صدقہ غنی کے لیے حلال نہیں ہے، اور نہ توانا وتندرست کے لیے، چنانچہ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

"وقال الشافعی واحمد لا یجوز لحدیث ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی - رواہ احمد والنسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم ورواہ ابو داؤد والترمذی والحاکم من حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص بسند حسن"[1]

حضرت علامہ ابو عبد اللہ القرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں رقم طراز ہیں:

"وقال الشافعی وابو ثور من کان قویاً علی الکسب والتحرف مع قوة البدن و

---

[1] تفسیر مظہری ۴/۲۲۶۔

یہاں بھی مؤول ہے کیوں کہ انھوں نے اباحت کو مقید کر دیا ہے اس غازی کے ساتھ کہ دیوان میں جس کا معتہ نہ ہو اصحاب وظیفہ نہ ہو، نہ اس کو فیٔ وغنیمت سے کچھ ملا ہو، حالانکہ حدیث کے الفاظ تو ہر غازی پر نام ہیں، جب عطاء کی روایت مؤول ہے تو غیر مؤول کے مقابلہ میں اس کی دلالت (دلیل بننا) ضعیف ہے، انتہاء۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

مصارفِ زکوٰۃ محلِ قیاس ہیں یا نہیں

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو حصر وارد ہوا ہے وہ حقیقی ہے عام فقہاء و مفسرین نے جو کچھ بیان کیا اس کے ساتھ خاص طور پر ابوداؤد کی اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے، جو زیاد بن حارث الصدائی ؓ سے مروی ہے:

"قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعتہ وذکر حدیثا طویلا فاتاہ رجل فقال اعطنی من الصدقۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم النبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزاھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک حقک[1]"

"زیاد بن حارث الصدائی فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور آپ سے بیعت کی (پھر طویل حدیث ذکر کی) پھر ایک شخص آیا اور کہا، مجھے صدقہ کا مال دیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں نہ کسی نبی کے فیصلہ پر خوش ہیں، نہ غیر نبی بلکہ خود ہی اس بارے میں فیصلہ صادر فرمایا ہے اور صدقات کے آٹھ مصرف (اجزاء) بیان فرمائے ہیں تم اگر ان مصارف میں سے ہو تو میں تم کو تمہارا حق دیدوں گا"

روایت دلالت کرتی ہے کہ اصناف ثمانیہ میں حصر آیت کریمہ کے اندر حقیقی ہے، روایت میں ثمانیہ کا عدد خاص ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں دوسرے کسی کو دخیل نہیں بنایا، اور دخیل بنانے پر خوش نہیں ہے، یہ انداز بیان بتلا رہا ہے کہ اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے اور کوئی شخص اصناف ثمانیہ

---

[1] ابوداؤد، ۱/۲۳۰۔

پر نویں یا دسویں صنف کے اضافہ کا جواز نہیں ہے۔

ہاں یہ اصناف بعض اسباب فقر و احتیاج کی نشاندہی کرتی ہیں وہ اسباب جس میں پائے جائیں وہ ان اصناف میں سے کسی کے دائرہ میں داخل ہو کر مستحق صدقہ بن سکتا ہے۔

ہر صنف کا ایک دائرہ ہے۔ جیسے فقر اور مسکنت کے دائرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح فی سبیل اللہ کا ایک دائرہ ہے اس دائرہ میں جو بھی آئے گا وہ مستحق ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ اصناف ثمانیہ میں داخل ہے نہ یہ کہ وہ صنف مستقل ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت

اس لیے اب ہم ہمارے سید الاکابر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اس پر ایک نظر کر لیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مصارف زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

وہ بلاد مسلمین جہاں جہاد وغیرہ کا موقع نہیں ہے جہاں بیت المال میں سامان غنیمت و فئی وغیرہ کی آمد نہیں ہوتی، ایسے ممالک میں بیت المال کے اندر دو قسم کے اموال جمع ہوتے ہیں۔ اوّل لاوارث میت کا مال، گم شدہ جانور جس کا کوئی مالک نہ ہو، لقطہ جس کا مالک نہ مل سکا، فرماتے ہیں بیت المال اس قسم کے اموال بے وارث کا مصرف مسلمین کے منافع مشترکہ (رفاہ عام) ہیں۔ جس میں کسی کی تملیک نہیں ہے۔ جیسے نہروں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، مساجد کی تعمیر، کنوؤں اور چشموں کی کھدائی وغیرہ۔ دوسری قسم وہ اموال ہیں، جو صدقات المسلمین ہیں، ان اموال کا حق یہ ہے کہ ان کو ایسے مصرف میں صرف کیا جائے جس میں کسی کی تملیک ہو اور ایسے ہی اموال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ"

فرماتے ہیں۔ آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ صدقات مسلمین کا مصرف حاجات مسلمین ہیں اور حاجات مسلمین کثیر ہیں، البتہ وہ عنوانات جو اکثر حاجات پر مشتمل ہیں تین ہیں۔

احتیاج کہ شارع نے اس کو فقراء مساکین، ابناء السبیل اور غارمین کے نام سے ضبط کیا ہے (غارمین سے وہ قرض دار مراد ہیں جو اپنی ذاتی ضرورت مصلحت کی بنیاد پر مقروض ہوئے) حاجات مسلمین کا دوسرا عنوان؛

حفاظت دین: جس کو دین کے محافظین یعنی مجاہدین اور زکوٰۃ وغیرہ جمع کرنے والے عاملین کے نام سے ضبط کیا ہے۔ تیسرا عنوان ہے:

دفع الفتنۃ: مسلمین کے مابین وقوع پذیر فتنے یا غیر مسلمین کی طرف سے مسلمین پر آنے والے مصائب کی مدافعت اس حاجت کو مؤلفۃ قلوب کے نام سے ضبط کیا ہے۔ یعنی ضعیف العقیدہ نومسلمین اور کافرین کی مدافعت مال کے ذریعہ کرنا۔ اسی طرح مشاجرہ بین المسلمین کی مدافعت، جیسے وہ غارم جس نے دوسروں کی ضمانت وکفالت کرلی، جس کی وجہ سے وہ مقروض ہوگیا۔

یہ حاجات کے اہم عنوان ہیں۔ اس کے علاوہ بھی حاجات ہیں جس میں صدقات صرف ہوں گے ان تینوں عنوانات میں تملیک کی صورت موجود ہے۔ اور خود حضرت شاہ صاحبؒ صدقات کے اموال میں تملیک کے لائق ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ، حسن اور ابولاسؓ کی روایت کا حوالہ دیا ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ تملیک کی نفی میں اس کو پیش کررہے ہیں۔ کیوں کہ ان واقعات میں تملیک پائی جاتی ہے، جیسے کہ آگے آرہا ہے۔

صرف حسب ذیل عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ بلاتملیک وقف کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجانے کے قائل ہیں، فرماتے ہیں:

"وفی الصحیح واما خالد فانکم تظلمون خالداً وقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ. وفیہ شیئان جواز ان یعطی مکان شئ شیئاً اذا کان انفع للفقراء وان الحبس یجزأ عن الصدقۃ قلت وعلی ہذا فالحصر فی قولہ تعالیٰ انما الصدقات اضافی بالنسبۃ الیٰ ما طلبہ المنافقون فی صرفہا فیما یشتہون علیٰ ما یقتضیہ سیاق الآیۃ والسر فی ذالک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلابد من توسعۃ لتکفل نوائب المدینۃ (والدنیۃ) اھ. واللہ تعالیٰ اعلم."

"خالد پر تم ظلم کرتے ہو، حالانکہ اس نے اپنے بکتر اور اسباب جنگ اللہ کے راستہ میں محبوس کردیئے ہیں، اس سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ شئی مفروض کے بدلہ دوسری چیز دینا جائز ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ الحبس (وقف) صدقہ کے بجائے کافی ہے میں

کہتا ہوں اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے قول آیت انما الصدقات میں حصر منافی ہے ان منافقین کی طلب کے مقابلہ میں جو اپنی خواہشات میں صرف کرنے کے لیے تھی، جیسے کہ آیت کا سیاق متعین ہے۔ فرماتے ہیں، حصر اضافی ہے اور اضافی ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مطالبات غیر محصور ہیں۔ اور مالش بناؤ مصلحین میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے اموال بیت المال میں زیادہ ہوتے تھیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ کچھ گنجائش کی جائے تاکہ نوائب مدینہ یا مدینہ النفاق میں تنبہ کے لیے کافی ہو جائے۔ انتہیٰ۔

اس آخری عبارت مذکورہ سے بہرحال یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ بعض احیان میں زکوٰۃ کے بلا تملیک ادا ہو جانے کے قائل ہیں، جب کہ صاحب زکوٰۃ مال زکوٰۃ کو رفاہ عام میں وقف کر دے یعنی اپنی ملک سے خارج کر دے، خواہ مصرف کی تملیک ہو یا نہ ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس رائے میں منفرد ہیں، لیکن ائمہ میں سے کسی کی انفرادی رائے جمہور کے مقابلہ میں جب کہ خروج عن المذہب بھی ہو رہا ہو، قابل قبول نہیں ہو سکتی، جیسے کہ ہم ابتداء میں علامہ ابن عابدینؒ کی رائے اور علامہ ابن قاسمؒ کا مقولہ اپنے شیخ ابن ہمامؒ کے تفردات کے سلسلہ میں نقل کر آئے ہیں کہ ہمارے استاذ کے تفردات قابل اتباع نہیں ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی نوع مصالح مسلمین میں زکوٰۃ کو صرف کرنے کی توجیہ وہی کر سکتے ہیں کہ تملیک کے بعد نوائب مسلمین میں اس کو خرچ کیا جائے لیکن بظاہر اس تاویل کا ساتھ نہیں دیتا، اس لیے ہمیں بڑے اکابر کہنے اور حکمائے مسلمین میں سے ایک حکیم عظیم کی منفرد رائے کو فقہائے عظام کی متفقہ آراء کے مقابلہ میں ترک کرنا پڑا ہے اور ایسی کثیر مثالیں فقہاء اور علماءؒ میں ملتی ہیں۔

ابن عباسؓ کی روایت

حضرت شاہ صاحب نے جن دلائل کی بنیاد پر یہ فیصلہ فرمایا ہے اور حصر کو اضافی قرار دیا ہے۔ وہ دلائل بھی ایسے مضبوط نہیں ہیں کہ جمہور کے مقابلہ میں ان کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور ابولاسؓ کی روایت سے استدلال جیسے کہ بیان ہوا تملیک کی نفی نہیں کرتا ہے، نیز حضرت علامہ عینیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں زکوٰۃ سے غلام آزاد کرنے کو جائز سمجھتا تھا، پھر میں اس سے باز

آگیا۔ احمد نے کہا میں نے کوئی سند نہیں دیکھی جو صحیح ہو۔ جو یہ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کے سامنے بحث کے دوران پھر ابن عباسؓ کی روایت پیش کی گئی تو فرمایا یہ مضطرب ہے۔ عمدۃ القاری میں حضرت علامہ عینیؒ نے فرمایا:

"وحجة قول الجمهور ما رواه البراء بن عازب ان رجلا جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال دلني على عمل يقربني من الجنة ويباعدني من النار فقال اعتق النسمة وفك الرقبة قال يا رسول الله اوليس واحدا قال لا عتق النسمة ان تنفرد بعتقها وفك الرقبة ان تعين في ثمنها[1]۔ رواه احمد والدارقطني"

"جمہور کی حجت وہ روایت ہے جس کو براء بن عازبؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ وہ جنت سے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے، تو ارشاد ہوا غلام آزاد کرو اور گردن چھڑاؤ۔ تو اس شخص نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ دونوں کام ایک نہیں ہے؟ فرمایا نہیں! عتق النسمہ یہ ہے کہ تم مستقل غلام آزاد کرو اور فک الرقبہ یہ ہے کہ تم آزاد کرنے (مکاتب) کی قیمت ادا کرنے میں مدد کرو۔ (اس کو احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے)۔

جمہور کی اس دلیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابن عباسؓ کا وفی الرقاب سے اعتاق عبد مراد لینا درست نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مکاتب کے ثمن میں اعانت ہے، اور مکاتب کو دینا ہی ٹھیک ہے۔

ابو لاسؓ کی روایت

حضرت ابو لاسؓ کی روایت علامہ عینیؒ نے طبرانی سے نقل فرمائی ہے:

"عن ابي لاس قال حملنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على ابل من ابل الصدقة ضعاف فقلنا يا رسول الله ما نرى ان تحملنا هذه فقال ما من بعير الا وفي ذروته شيطان فاذا ركبتموها فاذكروا نعمة الله عليكم كما امركم الله ثم امتهنوها لانفسكم فانما يحمل الله۔ اخرجه احمد ايضا وابن خزيمة"

---

[1] عمدۃ القاری ۹/۵۰۔

والحاکم وغیرہ ورجالہ ثقات إلا ان فیہ عنعنۃ ابن اسحاق ولھذا توقف ابن المنذر فی ثبوتہ[1]:

"حضرت ابولاس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقات کے اونٹوں میں سے کچھ اونٹ کمزور حج کے لیے دیئے، ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ آپ ہمیں یہ عنایت فرمادیں گے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر اونٹ کے کوہان میں شیطان ہوتا ہے (شرارت ہوتی ہے) پس جب تم اس پر سوار ہوؤ تو اللہ کے فضل کی یاد تازہ کرو، جو اللہ نے تم پر فرمایا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا (اشارہ ہے "ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ وتقولوا سبحٰن الذی سخر لنا ہذا وما کنا لہ مقرنین" کی طرف) پھر اس کو استعمال میں لاؤ اسی لیے کہ اللہ ہی دیتے ہیں، اس روایت کو احمد نے نیز ابن خزیمہ وحاکم نے اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے اور رجال اس کے ثقات ہیں، لیکن اس میں محمد بن اسحاق کا عنعنہ ہے اسی لیے ابن منذر نے اس کے ثبوت میں توقف کیا ہے۔"

حملنا کا لفظ ہدیہ اور تملیک کے معنی میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ منقطع الحاج کو سواری دینے پر استدلال ہو سکتا ہے، اور ہم اس کے قائل ہیں، حضرت امام محمدؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ فی سبیل اللہ میں منقطع الحاج شامل ہے، بہرحال تملیک کی نفی نہیں ہوتی، اسی طرح فقر کی بھی نفی نہیں ہے۔

حضرت خالدؓ کی روایت

حضرت خالد بن الولیدؓ کی روایت مؤول ہے "فقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ (اس نے تو اپنا سامان جنگ اور غلام بھی اللہ کے راستہ میں وقف کر دیئے ہیں) اور وقف ان پر واجب نہیں تب بھی وقف کر دیا، تو پھر زکوٰۃ جیسے فریضہ سے کیسے انکار کر سکتے ہیں؟

دوسری تاویل یہ ہے کہ سامان جنگ کی زکوٰۃ ان سے طلب کی گئی، مصدق سمجھ رہا تھا کہ یہ سامان

---

[1] عمدۃ القاری، ۹/۴۶۔

تجارت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ خالدؓ نے تو اس کو وقف کر رکھا ہے۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ جو سامان وقف کر دیا، فی سبیل اللہ اس کو زکوٰۃ میں شمار کر لیا جائے کیونکہ وہ مجاہدین کے کام آئے گا۔ اور مجاہدین اصناف ثمانیہ میں فی سبیل اللہ کے اندر داخل ہیں۔ تو سامان اپنے مصرف میں پہنچ چکا ہے۔[1]

بظاہر تیسری تاویل سے اس توسیع کچھ تکلف کے ساتھ استدلال کر سکتے ہیں، لیکن حضرت امام نوویؒ شارح مسلم نے اس کو صاف کر دیا، فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم یوں سمجھتے ہو کہ خالد کا یہ اسباب تجارت کے لیے ہے اور زکوٰۃ اس میں واجب ہے تو یہ خالد پر ظلم ہے اس لیے کہ حولان حول سے پہلے ہی خالدؓ نے اس کو وقف کر دیا ہے، اور جب یہ مال خالد کا مملوک ہی نہ رہا تو زکوٰۃ ان پر واجب ہی نہیں ہے چنانچہ اموال تجارت پر زکوٰۃ کے وجوب پر اسی روایت سے استدلال کیا گیا ہے، اسی طرح وقف کی صحت پر بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اور قاضی عیاضؒ نے بعض علماء سے نقل فرمایا ہے کہ اس قصہ میں صدقۂ نافلہ کی طلب ہے، اور عبد الرزاق کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ندب الناس إلی الصدقة) لوگوں سے بطور ندب صدقہ طلب فرمایا، ابن القصار کہتے ہیں یہ تاویل قصہ کے زیادہ لائق ہے، اس لیے کہ صحابہؓ سے واجب کے انکار کا گمان نہیں ہو سکتا، اس تاویل کے مطابق حضرت خالدؓ کا عذر واضح ہے اس لیے کہ جب انھوں نے اپنا مال فی سبیل اللہ وقف کر دیا تو اب ان کے پاس صدقۂ تطوع کے لیے مال رہا ہی نہ تھا۔ اور ابن جمیل پر عتاب صدقۂ تطوع میں بخل کی وجہ سے ہوا۔[2]

اس قدر احتمالات اور تاویلات کے بعد حدیث کو صرف اس پر محمول کر لینا کہ وقف کر دینا زکوٰۃ ادا کر دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور زکوٰۃ میں بالکل تملیک کی ضرورت نہیں، بحیثیت استدلال کمزور ہے جب کہ دوسرے نصوص سے معارض بھی ہو، اور جب کہ خود شاہ صاحبؒ بھی مطلق تملیک کے منکر نہیں ہیں۔

اس لیے یہ بعید ہے کہ ابو لاسؓ کی حدیث کو مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کی تفسیر قرار دے دیا جائے۔ ہاں جو لوگ مجاہدین فی سبیل اللہ کے معنی میں آجاتے ہیں، انہماک فی الذین انقطعوا الی اللہ

---

[1] عمدۃ القاری، ۹/۴۶۔ [2] نووی شرح مسلم ۱/۳۱۴۔

کی وجہ سے عدم استطاعت کسب اور فقر میں مبتلا ہیں وہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل ہو کر اصناف ثمانیہ کی حیثیت سے زکوٰۃ کے مستحق ٹھہریں گے۔

رفاہ عام کے لیے عمدہ آمدنی

لیکن فی سبیل اللہ میں اس قدر توسیع کہ ہسپتال اور رفاہ عام کے سب کام اس میں داخل ہو جائیں، خود شاہ صاحبؒ کے مقصد کے بھی خلاف ہے، وہ خود ہی بیان فرما چکے کہ وہ اموال جو لاوارث ہیں، ان کو رفاہ عام خرچ کیا جائے گا۔ جیسے نہروں کی کھدائی، مساجد اور پلوں کی تعمیر وغیرہ۔

ہمارے زمانہ میں زکوٰۃ کا مال اس قدر کثیر نہیں ہے کہ توسیع کے بعد ان تمام ضروریات میں کافی ہو جائے، ان نوائب کے لیے مسلم قوم کے پاس ایک سرمایہ ہے جس کا مصرف بجا طور پر رفاہ عام ہے، وہ سود کا سرمایہ ہے جو بنکوں میں جمع ہے، احوال زمانہ کے لحاظ سے اس گنجائش سے ضرور فائدہ اٹھائیے۔

حدیث قسامۃ

جو لوگ زکوٰۃ کی رقم مسلمین کے رفاہ عام میں خرچ کرنے کے قائل ہیں ان کی سب سے مضبوط دلیل (ان کے خیال سے) حدیث قسامۃ ہے، جس میں یہ تذکرہ ہے "فواداہ من ابل الصدقۃ" یعنی یہود کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت ادا کی اور دیت کے اونٹ صدقہ کے اونٹ تھے۔

مسلم نے اس حدیث قسامۃ کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے جس میں صرف ایک طریق میں "فوداہ مأۃ من ابل الصدقۃ" کا تذکرہ ہے، دوسرے سب طرق میں "وداہ من عندہ" کے الفاظ ہیں، یعنی اپنے پاس سے زکوٰۃ ادا کی۔ شارح مسلم امام نوویؒ نے فرمایا کہ بعض علماء کے نزدیک "من ابل الصدقۃ" کا لفظ رواۃ کی غلطی ہے، اس لیے کہ فرض صدقہ کا یہ مصرف نہیں ہے، بلکہ اصناف ثمانیہ کا، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں فرما دیا وہی مصرف ہیں۔

حدیث کی تاویل میں فرماتے ہیں کہ فوداہ من عندہ کا مطلب یہ ہے کہ خالص اپنے مال سے دیت ادا کی، کہ بعض احوال میں اس قسم کا مال آپ کے پاس آجایا کرتا تھا (خمس وفئی میں آپ کا حصہ تھا اور اس میں آپ مختار تھے) اور یہ بھی احتمال ہے کہ دیت بیت المال میں مصالح مسلمین کی مد سے ادا کی گئی (انتہیٰ ملخصہ

تو راوی کا فہم ہے) حضرت نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمہور شوافع و دیگر جمہور فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقات کے اونٹ اصل صدقات کو مالک بنانے کے بعد ان سے خرید لیے پھر اولیاء مقتول کو شرعاً دیدیا، اور ابو اسحاق مروزی اصحاب شوافع میں سے فرماتے ہیں کہ دیت کا ادا کرنا زکوٰۃ کے اونٹوں سے جائز ہے انہوں نے ظاہر حدیث کو اختیار کیا ہے، اور قاضی نے علماء سے نقل فرمایا کہ مصالح عامہ میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز ہے، بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ اولیاء مقتول محتاج تھے، اور زکوٰۃ ان کے لیے جائز تھی، کہتے ہیں یہ تاویل باطل ہے، اس لیے کہ اس قدر کثیر مال زکوٰۃ ایک ہی شخص کو نہیں دیا جا سکتا۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زکوٰۃ نہیں دیت کہہ رہے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مؤلفۃ قلوب کے حصہ میں سے یہ دیت ادا کی گئی، یہود کی تالیف کے لیے تاکہ وہ اسلام لے آئیں، یہ تاویل ضعیف ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ[1] کا فر کو دینا جائز نہیں ہے۔

پس مختار وہی تاویل ہے جو ہم نے جمہور سے نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے اونٹ خرید لیے تھے، لیجئے حضرت امام نوویؒ نے فیصلہ فرما دیا کہ جمہور کی تاویل مختار و راجح ہے[2]۔

ایک اور تاویل ہے کہ یہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات میں سے بطور قرض لیے تھے، پھر اپنی جگہ ادا کر دیئے گئے[2]۔

اور حضرت امام نوویؒ نے جس تاویل کو غلط قرار دیا ہے کہ مؤلفۃ قلوب کے حصہ میں سے زکوٰۃ ادا کی گئی تو ان کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تالیف قلب کے لیے کسی کافر کو کچھ نہیں دیا گیا ہے ان کے نزدیک یہ تاویل ضعیف ہے، لیکن جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ کا مصرف مؤلفۃ قلوب اگرچہ کافر ہوں رہے ہیں، اور ان کو تالیف قلب کے طور پر دیا گیا ہے۔ تو تالیف یہود کے لیے اور نزاع کو ختم کرنے کے لیے دینا انسب معلوم ہوتا ہے، اور اس تاویل کے پیش نظر حدیث قسامۃ سے اہل توسیع کے لیے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لیے کہ مصرف مؤلفۃ قلوب منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لیے تملیک کافر کے معتبر نہ ہونے سے زکوٰۃ کے لیے عدم تملیک کا جو احتمال یا ایک صورت تھی وہ منسوخ ہو چکی ہے۔

---

[1] نووی ۱/۵۵۔ [2] تکملۃ فتح الملہم۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تالیفِ قلب کے لیے کفار کو زکوٰۃ کا مال دیئے جانے کے قائل ہیں تو پہلے نقل کردہ حجۃ اللہ البالغہ کے حوالے واضح ہے۔

ام معقل کی روایت

ام معقل کی روایت سنداً و متناً مضطرب ہے، ابو داؤد میں اس اضطراب کو دیکھا جا سکے اگرچہ شراح نے اس شدید اضطراب کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے اور حضرت مولانا لیل صاحب کاندھلویؒ نے اس کو رفع بھی کیا ہے (بذل المجہود) لیکن پھر بھی حدیث فقرہ تملیک کی بنیاد کو مصارف زکوٰۃ میں سے الگ کا ثبوت کرنے کے لیے دلیل بننے کے قابل نہیں ہے۔

اس روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو معقل نے جس اونٹ کو جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اب اس کا استعمال حج کے لیے نہیں ہو سکتا اس لیے ام معقل کو دینے سے انکار کر دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کے استعمال کی اجازت حج کے لیے دے دی۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابو معقل نے درحقیقت اونٹ فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا اور اپنے استعمال کی شرط کر لی تھی، اس لیے ابو معقل کے قبضہ میں ہی تھا (ورنہ بظاہر حدیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جہاد میں لے جانے کے اس کی نیت کر لی تھی متعین کر دیا تھا) تو یہ وقف کا مسئلہ ہے۔ وقف کے باب میں فی سبیل اللہ میں تعمیم ہوئی اور حج کو شامل کر لیا گیا، اس حد تک مصرف زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ میں حج کو شامل کر لیا جائے تو ہم بھی کہ درست ہے ہمیں انکار نہیں۔

حضرت امام محمدؒ نے اس قدر تعمیم کر دی اور کہا کہ منقطع الغزاۃ کے ساتھ منقطع الحاج شامل ہے اور صاحب بدائعؒ نے اور توسیع فرما دی کہ جو بھی کسی قرب میں مشغول ہو، تو فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

ایک عجیب قیاس

لیکن ام معقل کی روایت وقف پر ہے۔ وقف میں عدم تملیک ہے، وقف میں کسی کی ملک نہیں ہے، لہٰذا اس میں جہاد کے لیے مخصوص اونٹ کو صرف استعمال کے لیے ام معقل کو دیا گیا حج کے لیے

تو مقیس اور مقیس علیہ دونوں خالی عن التملیک ہیں، یہ اپنی جگہ برابر ہے۔

البتہ وقف میں عدم تملیک سے مصارف زکوٰۃ میں عدم تملیک کو ثابت کرنا یا دیگر دلائل کی بنیاد ثابت شدہ تملیک کی نفی کرنا کونسا قیاس ہے؟

ہم نے تو یہ سنا اور پڑھا ہے کہ قیاس کسی وصف کی بنیاد پر ایک حکم کے تعدیہ کے لیے لاتا ہے اور مقیس علیہ کے حکم کو مقیس میں ثابت کرتا ہے، یہ کہیں نہیں پڑھا کہ مقیس علیہ میں کسی وصف کے عدم سے مقیس میں اس کا عدم ہو جاتا ہے، اشتراک وصف لازم ہے، وصف ہی نہیں تو اشتراک کہاں، اور پھر حکم کا ثبوت کیسے ہوگا۔

اسی لیے وقف کے باب میں فی سبیل اللہ میں حج داخل ہے تو اشتراک لفظ و غرض کی بنیاد پر اشتراک حکم ہوگیا، وجود در اصل قیاس سے بھی نہیں، اسی طرح مصرف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ میں حج داخل ہوگیا لیکن تملیک کی نفی اور فقر کی نفی کیسے ہوگی، فی سبیل اللہ میں مجاہدین میں بھی تملیک ہے اور حاجی میں بھی تملیک ہے (یا بالفرض نہیں ہے لیکن زکوٰۃ اموال منقولہ ہیں، جب کسی کو دیے گئے تملیک وجود میں آگئی) اسی لیے وقف بشرط لا تملیک پر زکوٰۃ بشرط تملیک یا لابشرط تملیک کو قیاس کرکے تملیک کا عدم یا نفی کا اثبات نہیں ہو سکتا۔

یہ عجیب قیاس ہے جن کو قیاس کی تعریف و حقیقت کا علم نہیں وہ اجتہاد کا دعویٰ رکھتے ہیں اور تیرہ صدی کے علماء کے ایک جم غفیر بلکہ جمہور علماء کو جامد قرار دیتے ہیں، اس جہالت کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔

فبالله التوفيق وهو المستعان وبيده التكلان ۞ سبحان ربك رب العزة

عما يصفون وسلام على المرسلين وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ۞

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين

ضمیمہ

سوال ۱ ــــ شیئرز کی زکوٰۃ وقت ادا میں بازاری قیمت پر ادا کی جائے گی، آمدنی پر بھی زکوٰۃ آئے گی، اگر آمدنی خرچ نہیں ہو گئی ہے تو دیگر نقد کے ساتھ حساب میں آجائے گی، صرف آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر مزکی پہلے سے صاحب زکوٰۃ چلا آرہا ہے تو حولان حول پر جو کچھ باقی ہے وہ فاضل عن الحاجۃ الاصلیہ ہی شمار ہوگا۔ اس لیے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر حولان حول نہیں ہوا ہے، اور حولان حول سے قبل ہی زکوٰۃ معجل ادا کرنا چاہتا ہے تو اپنی حاجت اصلیہ کے بقدر کل مال نقد پاس سے منہا کرکے ادا کردے۔

حولان حول پر جو کچھ ہے اس حساب سے زکوٰۃ ادا ہوگی، درمیان میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہوتا نفع وہ شمار ہوگا جو حاصل ہو۔

شیئرز مال تجارت ہے، اس پر زکوٰۃ ضرور آنا چاہیے، خواہ طویل مدت گزر جائے، کیوں کہ جو حصص ہیں وہ مال تجارت کی ہیر پھیر پر لگے ہوئے ہیں، آمدنی تو نقد میں منضم ہو جائے گی۔ شیئرز اگر آلات حرفت کے ہوں، تو زکوٰۃ شیئرز پر نہیں آئے گی، آمدنی پر آئے گی۔

شیئرز کو بیچنے کی صورت میں بیچنے سے جو نقد حاصل ہو اس پر زکوٰۃ آئے گی، اگر یہ قیمت کچھ مدت کے بعد حاصل ہو تو سمجھنا چاہیے کہ مشتری کے ذمہ دین ہے۔ دین قوی وصول ہونے کے بعد زکوٰۃ ماضی کی بھی واجب ہوتی ہے۔

فروخت سے پہلے شیئرز کی جو آمدنی ہمارے نام لگ چکی اس پر بطور نقد زکوٰۃ آئے گی۔

سوال ۲ ــــ جو کچھ نفع ہو چکا حولان حول پر اس میں سے جو باقی ہو اس پر نقد کے حساب سے زکوٰۃ آئے گی، اور جو اسٹاک بچا ہے وہ سامان تجارت ہے اس پر تجارت کے لحاظ سے زکوٰۃ آئے گی

ٹھیک ہے اگر جانور بطور آلات حرفت ہیں تو صرف آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی۔ اگر مرغی کا فارم ہے اور مرغی کی بیع بھی ہے تو پھر کل کو مال تجارت شمار کیا جائے گا۔ ورنہ غالب کا اعتبار ہوگا۔

سوال ۳ ــــ نیا سال شروع ہو رہا ہے اور حولان حول سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے

تب اخراجات کو منہا کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے، اس صورت میں ہر شخص کے سالانہ اخراجات اصلیہ کو منہا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، مثلاً ایک شخص کے پاس سکونت کا مکان نہیں ہے، اور وہ چالو سال میں مکان کی تعمیر کرنا چاہتا ہے اور حولانِ حول سے قبل ہی زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو مکان کا خرچ منہا کرے گا۔ اگر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ ادا کر رہا ہے تو منہا کرنے کا سوال نہیں رہتا، اس لیے کہ حولانِ حول پر جو کچھ بچ رہا، دین کے علاوہ وہ فارغ عن الحوائج ہی شمار ہوگا۔

سوال ـــــ ٹیکس سے بچنے کے لیے تو حکومت کی ان اسکیموں میں حصہ لیا جا سکتا ہے، جو امدادی طور پر چلتی ہیں، اور جو آمدنی خالص سود کی تعریف میں داخل ہوں اس کو اس قسم کے ظالمانہ ٹیکس میں ادا کر سکتی ہے۔ اور جو آمدنی سود کی تعریف میں نہیں آتی اس کا لینا جائز ہے، البتہ خالص سود کے کاروبار کرنے والے اداروں میں اختیاری حصہ لینا جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مصارفِ زکوٰۃ
فی سبیل اللہ

از جناب مولانا محمد ارشد قاسمی استاذ جامعہ گلزار حسینیہ میرٹھ

آیت انما الصدقات للفقراء میں مذکور فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین کے بارے میں جو علماء کے مختلف اقوال اور دلائل سوال نامہ میں غور و فکر کے لیے پیش کیے گئے۔

اس تحریر اور اس سلسلہ میں نصوص فقہیہ اور شروح میں مذکور تفصیلات کے بغور مطالعہ کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ بالکل وہی بات ہے جو حضرت مفتی شفیع صاحب نے معارف القرآن میں آیت انما الصدقات کی تفسیر و تشریح کے بعد بعنوان "تنبیہ" تحریر فرمائی ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ موصوف ہی کے الفاظ میں ہم اس کو نقل کر دیں۔

"تنبیہ: لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لغوی ترجمہ کے ذریعہ قرآن کو سمجھنا چاہتے ہیں، یہاں ان کو مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر کنویں، پل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انھوں نے لفظ فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دیا جو سراسر غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام

جنھوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے، ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان سب میں اس لفظ کو حاجیوں اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو۔ (۱)

امام ابن جریر، ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لیے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجت مند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے۔

لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں بلکہ اس کے خلاف ان کی تصریحات ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر میں، اور فقہاء شافعیہ میں سے ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور فقہاء مالکیہ میں سے موفق نے "مغنی" میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہو کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اس سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیے۔

---

(۱) مبسوط سرخسی ص ۳/۱۰

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل غلط ٹھہرا۔

معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب نے اپنی اس مختصر تحریر میں فی سبیل اللہ کے مصداق و مفہوم کو بہت اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے اور مختصر طور پر اس سلسلہ میں بیان کیے جانے والے سارے دیگر اقوال کا جواب بھی دیا ہے۔

فی سبیل اللہ کے ذیل میں اٹھائے گئے سوالات کے جوابات

(۱) ہم جمہور علماء کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے انما الصدقات میں جو کلمۂ انما حصر پر دلالت کرتا ہے حصر حقیقی سمجھتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تفرد ہے جو موصوف نے اضافی قرار دیا ہے۔

مزید یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جس پس منظر میں یہ فرما رہے ہیں وہ بھی قابل غور ہے۔

ان اسلامی ممالک کے بارے میں جس کی آبادی سو فیصد مسلم ہو اس کے بیت المال میں غالب سرمایہ زکوٰۃ کا ہوگا اور حوائج زیادہ، تو امام اپنی نگاہ میں جن حوائج میں لگانا ضروری سمجھے لگائے۔

پھر شاہ صاحب نے اپنے نکتۂ نظر کی کوئی دلیل بھی ذکر نہیں فرمائی بلکہ ایک ضرورت سامنے رکھ کر اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے جس کی طرف و السر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورۃ سے اشارہ فرمایا ہے۔

مزید برآں یہ کہ "حجۃ اللہ البالغہ" فن اسرار و رموز سے متعلق ہے، اس کے برخلاف خود حضرت شاہ صاحبؒ نے موطا امام مالک کی شرح فارسی "مصفی" میں انما الصدقات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"مترجم گوید (رضی اللہ عنہ) کہ خدائے تعالیٰ صدقات را مخصوص گردانید بہ ہشت صنف"

خاص طور پر " مخصوص گردانید " کی عبارت سے یہی سمجھا جارہا ہے کہ انما کا حصر حقیقی ہے۔
اور الیے فی سبیل اللہ کی مراد متعین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

" ومراد از ایشاں غزاۃ اند " (۱)

عربی شرح مسوی میں فرماتے ہیں،

" وسبیل اللہ غزاۃ " (۲)

ان تصریحات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں انما کو حصر اضافی قرار دینا شاہ صاحب کے اسرار رموز شریعت کے سلسلہ میں ذوق نکتہ آفرینی کا رہین منت ہے اور فقہی رنمایاں شان شرح موطا میں نمایاں ہے اور چوں کہ یہ مسئلہ فقہی واجتہادی ہے اس لیے جو بات شرح موطا کی عبارت سے سمجھ میں آرہی ہے وہی حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے قرار دی جائے گی۔

یہ بھی واضح رہے کہ شرح موطا میں کوئی صریح لفظ اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے نہیں ہے تو یہ بات طے ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کا تفرد ہے۔

(۲) یقیناً کتاب وسنت میں جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے۔

(۳) اگر آیات احکام میں سے کسی آیت کی تشریح وتفسیر میں قرون اولیٰ میں ایک دو قول پائے جاتے ہیں تو ان اقوال کے علاوہ اس کی توضیح وتشریح میں نیا قول کرنے کی گنجائش نہیں، اکابر علماء کے کلام وعمل اور طریق کار سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

(۴) ۔ الف، ہم فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین میں جمہور کی رائے سے متفق ہیں اور ہمارے نزدیک اس کا مصداق غزوہ وجہاد تک ہی محدود ہے۔

البتہ ایسا شخص جس پر حج فرض ہوچکا ہو اور پھر مال اس کے پاس نہ ہو تو اس کو بھی مصداق قرار دینے کی گنجائش ہے، ائمہ مجتہدین کے اقوال میں سے۔

(ب) ۔ حنفیہ کے نزدیک فی سبیل اللہ کے مصداق کے لیے بھی مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر کی شرط ہے۔

---

(۱) مصفی ۲۲۷/۱ (۲) مسوی ۲۲۶/۱

ہاں اگر غازی مالک نصاب ہو لیکن موجودہ مال ناکافی ہو اور مزید سرمایہ کی حاجت برائے غزو ہو تو مستحق زکوٰۃ ہوگا۔ اس لیے کہ موجودہ مال گویا ہوا ہے اور مقصد کی تکمیل کے لیے ناکافی ہے تو گویا وہ عملاً مالکِ نصاب ہی نہیں رہا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ جن لوگوں کو قرار دیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ میں جس قدر لوگ واقعی تعاون کے مستحق ہیں اور ان کی دستگیری کی جانی چاہیے ان تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ میں شامل فرمایا ہے۔ اس لیے اسلامی معاشرہ کی واقعی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

اور جن فقہاء نے عمومی حاجت کا دفاع و تکمیل وغیرہ کو زکوٰۃ کے مقاصد میں شمار کیا ہے انھوں نے علت کے طور پر یہ کلام آفرینی نہیں کی بلکہ بطورِ حکمت بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب و شاگردوں کے اقوال و استنباطات کے ذخیرہ مطالعہ کے بعد بھی کہیں یہ صراحت نہیں پاتے کہ کسی فقیہ و مجتہد نے علت کا استخراج اس سلسلہ میں کیا ہو اور دوسرے مصارف کو (ان آٹھ مصارف کے علاوہ) ان مصارفِ زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کیا ہو۔

اس لیے ہم مصارفِ زکوٰۃ کو قیاس شرعی کا محل نہیں قرار دیتے، اگر یہ بات کھولا جانے اور جہادِ عسکری پر جہادِ قلمی، جہادِ فکری وغیرہ کو قیاس کیا جائے اور حکم جاری کیا جائے تو پھر ہر کام کو جس کو کام کسی درجہ میں بھی دیا جا سکے مصرفِ زکوٰۃ قرار دیا جائے گا اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں اسلامی نظام بے جان و بے روح ہو کر رہ جائے گا۔

پھر ہم دورِ نبوی میں جہادِ لسانی پاتے ہیں بلکہ یہ نام بھی نبی پاک کا متعین کیا ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن رواحہ کی شعر گوئی کو بایں الفاظ سراہا،

"فلهي أسرع فيهم من نضح النبل"

یہاں تو جہادِ لسانی کو جہادِ سنانی سے بھی برتر تسلیم کیا گیا، اسی طرح اور شعراء کے سلسلہ میں بھی آپ نے اس طرح کے کلمات سے دادِ تحسین دی ہے، حضرت حسان بن ثابت تو شاعرِ رسول کے عالی مرتبہ لقب سے ملقب ہیں۔

اس کے باوجود ہم پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی ایسی مثال نہیں پاتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جہاد لسانی کے عنوان سے کسی کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا ہو یا یہ مصرف سمجھ کر آپ نے کسی شاعر یا مجاہد لسان کو زکوٰۃ کی رقم عطا فرمائی ہو۔

تو ہمیں یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ ہم مجاہدین قلم، مجاہدین فکر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیں۔

(۶) دور حاضر کی ضروریات کے پیش نظر بھی نظریۂ تعمیم زکوٰۃ کو اختیار کرنا ہمارے نزدیک درست نہیں ہے اور ایک غلط نظریہ کو جواز کا لبادہ پہنانے کے مرادف ہے۔

جن ضروریات کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً دینی ودعوتی امور اور ان میں مشغول ادارے (مدارس واکیڈمیاں وتنظیمیں) ان کے لیے سرمایہ کی فراہمی کے لیے یہ حل نکالنا کہ نظریۂ تعمیم زکوٰۃ کو اختیار کیا جائے۔

اس کے بجائے ملت اسلامیہ میں ایسا دینی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس کے نتیجہ میں یہ کام انجام پا سکیں، پھر مکمل اسلامی نظام کے قیام کے لیے جان توڑ کوشش کی جائے کہ سارے مسائل کا حل اسلامی نظام کے قیام میں ہے اور یہ ذکر بے موقع نہیں، ساری دشواریوں سے نجات کے لیے ایک ہی پائدار کوشش کیوں نہ کی جائے۔ وما النصر الا من عند اللّٰہ وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز۔

(۷) ہم فی سبیل اللہ میں تعمیم کے قائل نہیں اور اس کے دائرہ میں غزوہ وجہاد اور حدے حج کے علاوہ کسی اور کام کو داخل نہیں سمجھتے اور اس نظریہ کے جو دلائل سوال نمبر میں موجود ہیں وہ کافی مضبوط اور ٹھوس ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) فی سبیل اللہ جب کتاب وسنت میں بولا جاتا ہے تو جہاد وغزوہ ہی مراد ہوتا ہے۔

(۲) حدیث لاتحل الصدقة لغنى الا لخمسة لغاز فی سبيل الله او لعامل عليها او لغارم او لرجل اشتراها بماله او لرجل كان له جار مسكين تصدق على المسكين فاهدى المسكين للغنى۔

(۳) جمہور فقہاء ومجتہدین کا قول خود ایک بین دلیل ہے۔

اور اس نظریہ کی وضاحت تنبیہ کے تحت کی گئی ہے۔

اور اگر اس مصداق کی تعیین کے سلسلہ میں مختلف اقوال کے دلائل کا محاکمہ وموازنہ شروع

کیا جائے تو کافی طویل تحریر ہو جائے گی اور سر دست طوالت سے احتراز ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا شہاب الدین صاحب ندوی بنگلور اور مولانا عتیق الرحمن صاحب قاسمی ندوہ لکھنؤ کے وہ مقالات جو ماہنامہ دارالعلوم اور ماہنامہ الفرقان کے متعدد شماروں میں بالاقساط شائع ہوئے ہیں۔

ان میں دونوں فضلاء نے ایک دوسرے کے دلائل کا کافی تفصیلی جائزہ لیا ہے جب کہ اول الذکر نظریہ تعمیم زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

دلائل کے موازنہ ومحاکمہ کا جائزہ ان مقالات میں لیا جا سکتا ہے۔

جوابات ضمیمہ سوالات بابت زکوٰۃ

(۱)۔ الف: اگر شیرز بحیثیت تجارت ہیں تو اصل مارکیٹ قیمت اور آمدنی دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس صورت میں اخراجات وضع کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی، چوں کہ یہ اسباب تجارت کے حکم میں ہے۔

اسی طرح جب شیرز کو مسلسل جب بیچا اور خریدا جا رہا ہے تو موجود شیرز کی بازاری قیمت اساس قرار دی جائے گی۔

(ب): اور اگر شیرز کو زیادہ مدت تک اپنے پاس رکھا تو زکوٰۃ صرف ہونے والی آمدنی پر واجب ہوگی اور اخراجات منہا نہیں کیے جائیں گے چوں کہ زیادہ دنوں تک شیرز اپنے پاس رکھنے سے ان پر اموال ثابتہ کا حکم لگے گا، جیسے آراضی وغیرہ تو آراضی کی محض پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور پوری پیداوار کی زکوٰۃ اخراجات منہا کیے بغیر دی جاتی ہے۔ کما فی الدر المختار بلا رفع مؤن الزرع (باب العشر) تو گویا مقیس علیہ کا حکم مقیس پر متعدی کیا گیا۔

(ج): اگر شیرز ہولڈر کافی عرصہ تک اپنے پاس شیرز رکھنے کے بعد بیچنے پر مجبور ہو گیا ہے تو دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اسباب تجارت کی طرح بیچتا ہے اور خریدتا ہے اس صورت میں شیرز کی اصل قیمت اور صافی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اگر بالکلیہ بیچ دیتا ہے تو اب مجموعی رقم پر حساب نقدین زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۳) الف: کاروباری اداروں کے نفع اور موجود اسٹاک کی اصل لاگت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(ب) افزائشی جانوروں کے بارے میں یہ درست ہے کہ اگر جانوروں کی خرید و فروخت ہوتی ہے تو موجود جانوروں کی بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اگر جانوروں سے حاصل شدہ اشیاء کی خرید و فروخت ہے جیسے دودھ، انڈے تو ان اشیاء پر زکوٰۃ ہوگی، اصل جانوروں پر نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ جانور بھی اموال قنیہ کے حکم میں ہیں۔

(۴) الف: شخصی اخراجات کی تحدید کے لیے کوئی معیار مقرر کرنا دشوار ہے۔

اس سلسلہ میں شریعت نے اہل اسلام کو جو عمومی تعلیمات دی ہیں اور دنیوی زندگی کے جو حقائق ترغیبی انداز میں بیان کیا ہے بذات خود وہ تعلیمات ہر فرد مسلم کو اپنے ذاتی خرچ کے سلسلہ میں بیدار و فکر کا کام دیتی ہیں، اس کے علاوہ کوئی قانونی معیار مقرر کرنا مشکل ہے۔

ب: ہندوستانی حالات و قوانین کے پیش نظر حکومت کی سیکورٹیز، بانڈز اور کمپنیوں کے فکسڈ ڈپازٹ میں سرمایہ کاری کی اجازت دی جا سکتی ہے، لیکن ان پر حکومت و کمپنیز کی طرف سے ملنے والے سود کا اپنا ذاتی استعمال درست نہ ہوگا۔ اپنی املاک و دولت کی حفاظت کی ضرورت کی بنیاد پر یہ اجازت ہے، ان پر ملنے والے سود بلا نیت اجر واجب التصدق ہوگا۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی النبی الکریم سید النبیین۔

فی سبیل اللہ کا مصداق

از :- مولانا شبیر احمد قاسمی، مدرسہ شاہی مراد آباد

فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں وہ سب فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کے دائرہ میں آجاتے ہیں اور جو لوگ فی سبیل اللہ کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے تفسیری اقوال وبیانات اور ائمہ مفسرین اور فقہاء مجتہدین کے ارشادات سے گریز اور قطع نظر کرتے ہوئے محض لفظی ترجمے کے عموم کے ذریعہ سے قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو فی سبیل اللہ کے مصداق متعین کرنے میں زبردست دھوکہ اور مغالطہ لگا ہے اور انھوں نے لفظ کے عمومی مفہوم کو دیکھ کر ان تمام نیک کاموں کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے عبادات میں داخل ہیں چنانچہ تعمیر مساجد، مدارس، شفاخانہ، مسافر خانہ وغیرہ اور کنویں، پل، سڑکیں وغیرہ بنانا، اور دینی مدارس کے ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ ان سب کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے جو سراسر غلط اور قول رسول اور صحابہ کرام اور اجماع کی تفسیر کے خلاف ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے امام قفال کی تفسیر کی نشاندہی کرتے ہوئے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔[1] نیز لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم سے تفسیر کرنے والوں کے کلام میں خود تعارض بھی واقع ہوا ہے جیسا کہ حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی تصنیف الروضۃ الندیہ میں لفظ فی سبیل اللہ کے عموم کو پیش نظر رکھ کر تمام علماء اور علمی خدمات انجام

---

(۱) مستفاد معارف القرآن ۴/ ۴۱۲، تفسیر کبیر ۱۶/ ۱۱۳

اسلیے کہ حضورؐ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ دے دیا تو حضورؐ نے حاجی
کو سواری کے لیے دینے کا حکم فرمایا اور زکوٰۃ مالدار غازی کو نہ دیا جائے ہمارے نزدیک
اس لیے کہ مصرف زکوٰۃ فقراء ہی ہیں۔

اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق ابن ابراہیم کے نزدیک جس طرح غازی کے ساتھ ساتھ مزدوری سے حاجی بھی اس میں
داخل ہے۔

وعن احمد واسحٰق الحج من سبیل اللہ ۔ (۲)

یعنی امام احمد اور اسحٰق کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

اب معلوم ہوا کہ علاوہ عاملین کے باقی مصارف زکوٰۃ میں فقراء کی شرط ملحوظ ہے اور صاحب درمختار
نے بھی فی سبیل اللہ کے مفہوم میں طالب علم کو داخل فرمایا ہے اس کا مطلب بھی علامہ ابن عابدین شامی وغیرہ نے
واضح کیا ہے کہ فقراء صحابہ جو اصحاب صفہ سے موسوم تھے وہ درحقیقت دربار نبوت میں تحصیل علوم نبوت
کی وجہ سے ہی رہا کرتے تھے اس لیے فقہاء نے جہاں طالب علم کو مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے وہاں فقیر ہونے
کی بھی قید لگائی ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے اس لیے صاحب درمختار وغیرہ کی عبارات سے کوئی اشکال واقع
نہ ہونا چاہیے۔

وقیل طلبة العلم وتحته فی الشامی وهو یبلغ طالب رقبة
من لازم صحبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتلقی الاحکام
عنه کاصحاب الصفة فالتفسیر بطالب العلم وجیه خصوصاً الخ (۲)

کہا گیا کہ طالب علم بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور شامی میں ہے کہ کیا کوئی طالب رقبہ لیے
لگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت اختیار کی ہے، حضورؐ سے احکام دین حاصل کرنے
کے لیے جو لوگ حاضر ہوتے تھے جیسے کہ اصحاب صفہ لہٰذا اس طور پر فقراء طلبہ کے ساتھ فی سبیل اللہ
کی تفسیر کرنا زیادہ مناسب اور بہتر ہوگا۔

الغرض امام حضرت ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء و محدثین و مفسرین

---

(۱) فتح الباری ۱۲/۳۳۲ (۲) شامی کراچی ۲/۳۴۳

دینے والوں کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کردیا ہے چاہے وہ علماء فقیر ہوں یا مالدار۔[1] پھر نواب صاحب ہی نے اپنی تفسیر فتح البیان میں عمومیت کی تردید کرتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مفہوم کو غازیوں میں منحصر کیا ہے۔[2] اس سے واضح ہوتا ہے کہ عمومیت کے قائلین خود اپنے قول میں متردد اور مضطرب ہیں نیز ماضی قریب میں علامہ رشید رضا مصری اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ نے بھی لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ سے استدلال کرتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مصداق کو ہر دینی کام میں عام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔[3] جو اجماع امت اور قول رسولؐ کے خلاف اور مغالطہ پر محمول ہے اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے فی سبیل اللہ کے مصداق میں حدیث ابوداؤد اور حدیث بخاری کی صراحت[4] کی وجہ سے اس حاجی کو داخل فرمایا ہے جس کے اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں اور حضرت امام محمدؒ کا محتاج کو شامل کرنا قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں رہ کر ہے اور اس میں قیاس اور توسع سے امام محمدؒ نے کام نہیں لیا ہے، نیز حاجی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مد زکوٰۃ سے سواری کا جانور دلوایا ہے وہ فقیر اور نادار تھا جو الفاظ حدیث سے واضح ہوتا ہے اس لیے امام محمدؒ نے حاجی کے لیے منقطع الحاج کی قید اور شرط بھی لگائی ہے لہٰذا ایسے محتاج فقراء کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے بہرحال مستحق زکوٰۃ ہیں۔

وفی سبیل اللّٰہ منقطع الغزاۃ لانہ المتفاهم عند الاطلاق وعند محمد منقطع الحاج لما روی ان رجلا جعل بعیرا لہ فی سبیل اللہ فامرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یحمل علیہ الحاج ولا یصرف الی اغنیاء الغزاۃ لان المصرف هو الفقراء۔[5]

اور فی سبیل اللہ کے مفہوم میں غازی مراد ہے جس کے پاس اسباب جنگ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً جنگ میں جانے سے رکنا پڑ رہا ہے یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اس لیے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وہ حاجی مراد ہے جو اسباب سفر ختم ہونے کی وجہ سے حج کرنے سے قاصر ہو چکا ہو۔

---

(۱) الروضۃ الندیہ ۱/۲۰۶ (۲) تفسیر فتح البیان ۴/۱۳۱ (۳) مستفاد فقہ اسلامی ۱/۳۶
(۴) بخاری شریف ۱/۱۹۹، مستفاد ابوداؤد ۱/۲۰۶ (۵) ھدایہ ۱/۱۸۶

کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق صرف منقطع الغزاۃ ہے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے علاوہ باقی اور کوئی اس کے دائرہ میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ اس زمانہ میں عام محاورہ میں فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوا کرتا تھا، بس صرف اتنا فرق ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ کا فقیر ہونا شرط ہے اور دیگر ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک فقیر ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ غازی غنی بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہے یہی تفصیل قدرے فرق کے ساتھ فتح الباری، مغنی ابن قدامہ، بدایۃ المجتہد، اوجز المسالک بدائع، کتاب الفقہ، تاتارخانیہ، درمختار، سیر کبیر، مجمع الانہر، البحر الرائق وغیرہ چاروں مذاہب کی کتابوں میں موجود ہے[1]۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

واما سبیل اللّٰہ فالاکثر علی انہ یختص بالغازی غنیا کان او فقیرا الا ان ابا حنیفۃ قال یختص بالغازی المحتاج۔ [2]

بہر حال فی سبیل اللہ کے بارے میں اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہے اور مجاہد چاہے فقیر ہو یا مالدار، مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے محتاج اور فقیر مجاہد کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔

اور علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے ائمہ اربعہ کا مسلک ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

انھم الغزاۃ فی سبیل اللّٰہ لان سبیل اللّٰہ عند الاطلاق ھو الغزو (الی قولہ) فاذا تقرر ھذا فانھم یعطون وان کانوا اغنیاء وبھذا قال مالک والشافعی واسحٰق وابو ثور وابو عبید وابن المنذر وقال ابو حنیفۃ وصاحباہ لا تدفع الا الی فقیر الخ۔ [3]

حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی ہے اس لیے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ

---

(۱) المغنی ۶/۳۳۲، فتح الباری ۳/۳۳۲، بدایۃ المجتہد ۱/۲۷۷، اوجز المسالک ۳/۲۲۳، السیر الکبیر ۴/۱۲۵، البحر الرائق ۲/۲۴۰، بدائع ۲/۴۵، تاتارخانیہ ۲/۲۷۰، مجمع الانہر ۱/۲۲۱، درمختار کراچی ۲/۳۴۳، ھدایہ ۱/۲۰۵، کتاب الفقہ ۱/۶۲۱، احسن الفتاویٰ ۴/۲۵۳۔ (۲) فتح الباری ۳/۳۳۲ (۳) المغنی ۶/۳۳۲۔

بولا جاتا ہے تو اس سے عرف عام میں جہاد ہی مراد ہوتا ہے (اور مغنی کا قول ہے جب یہ بات
ثابت ہو گئی کہ مجاہد ہی مراد ہے تو ان کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے اگرچہ وہ مالدار کیوں نہ ہو اور اسی
کو امام مالک، امام شافعی، اسحٰق، ابو ثور، ابو عبید، ابن المنذر وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور
امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کہتے ہیں کہ صرف فقیر ہی کو دیا جا سکتا ہے۔

اور اس مضمون کی عبارتیں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں لہٰذا حاصل یہ نکلے گا کہ فی سبیل اللّٰہ کے مفہوم کو عام کر کے اس کے تحت مساجد، مدارس، مسافر خانہ، شفاخانہ وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ یہ جو سوال کیا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں مد زکوٰۃ کے بغیر اس قسم کے کار خیر کا انجام پذیر ہونا بہت دشوار گزار ہے یہ سوال سلف کے زمانہ میں پایا جاتا ہے جب سلف نے اس کی اجازت نہیں دی ہے اور کام چلتا رہا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ کے لیے خدا کی ذات سے امید ہے کہ یہ چلتا رہے گا اور کچھ نہ کچھ پریشانیاں ہر زمانہ میں رہی ہیں اور آیندہ بھی اس قسم کی دشواریوں سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا مگر سلف اور اجماع امت سے ہٹنا کسی بھی طرح جائز نہ ہوگا۔

بدائع کی عبارت سے غلط فہمی

امام علاء الدین کاسانیؒ کی بدائع الصنائع کی عبارت سے بعض لوگوں کو زبردست دھوکا اور مغالطہ ہوا ہے اور ان کی عبارت کے شروع حصہ سے فی سبیل اللہ کی عمومیت ضرور ثابت ہوتی ہے لیکن انھوں نے عبارت کے آخر میں جو احتیاج اور فقر کی قید لگائی ہے اس کی وجہ سے شروع کی عمومیت خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور امام کاسانی کی پوری عبارت ہم یہاں پر نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

واما قوله تعالى وفى سبيل اللّٰه عبارة عن جميع القرب فيدخل
فيه كل من سعى فى طاعة اللّٰه وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا
وقال ابو يوسف المراد منه فقراء الغزاة لان سبيل اللّٰه اذا اطلق فى
عرف الشرع يراد به ذلك وقال محمد المراد منه الحاج المنقطع[1]

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۴۵

بہر حال اللہ تعالیٰ کا قول و فی سبیل اللہ سے تمام نیک کام مراد ہیں لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو اللہ کی اطاعت اور خیر کے راستہ میں محنت کرتا ہے بشرطیکہ وہ محتاج اور فقیر ہو اور ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی مراد لیا ہے اس لیے کہ عرف شرع میں جب فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف جہاد مراد ہوا کرتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف وہ حاجی ہے جس کے زاد راہ اور اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں۔

اب بدائع کی مذکورہ عبارت میں دوبارہ غور کیا جائے اس میں صرف آتنی عمومیت تو ضرور ہے کہ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں ہر نیک کام کرنے والے داخل ہیں لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہ نیک کام کرنے والا محتاج فقیر ہو اور ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء بھی ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیتے ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ صاحب بدائع نے ہر نیک عمل کرنے والے فقیر کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کر کے مصرف قرار دیا ہے، اور جمہور نے ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے لیکن فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل نہیں کیا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ جیسے فقیہ اور مفسر وقت کو بھی بدائع کی عبارت نقل کرنے میں مسامحت ہوگئی ہے کہ انھوں نے بھی اذا کان محتاجا کی شرط کو نقل نہیں کیا ہے۔ (۱)

بہر حال جن لوگوں نے بدائع کی عبارت سے عمومیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کو اذا کان محتاجا کی شرط پر توجہ نہ کرنے کی بنا پر مغالطہ ہوا ہے۔

خلاصۂ بحث

الغرض بحث کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی کو داخل کیا ہے اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے غازی فقیر اور غازی غنی دونوں کو داخل فرمایا ہے لیکن غزاۃ کی شرط کے ساتھ مقید کیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کے نزدیک غازی کے ساتھ ساتھ محتاج حاجی بھی بنص حدیث داخل ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک محتاج حاجی داخل ہے اور صاحب درمختار نے محتاج غازی و حاجی اور طالب علم کو شامل فرمایا ہے۔

---

(۱) روح المعانی ۱۰/۱۲۳

لیکن جہاں جہاں عمومیت کی بات ہے وہاں فقر واحتیاج کی بھی قید ہے لہذا اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام کیا جائے تو شخص حقیقی کے فقر اور احتیاج کی قید کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اس کے بغیر عمومیت کی اجازت نہیں ہو سکتی اور شخص حکمی کو احتیاج کی وجہ سے فی سبیل اللہ کے دائرہ میں موجودہ دور میں بھی داخل نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ جن ضرورتوں کی بنا پر شخص حکمی (تعمیر مساجد، تعمیر مدارس، تعمیر مکاتب اور اکیڈمیوں اور رفاہی اداروں کی ضرورتوں) کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرنے سے جو سوال پیدا ہو رہا ہے وہی سوال اور ضرورتیں زمانہ رسالت اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی پائی جاتی تھیں اس کے باوجود کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ اس طرح ضرورت کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کیا گیا ہے، ہاں البتہ دیگر صدقات نافلہ کی ترغیب دی گئی ہے ہم کو بھی اس طرح صدقات نافلہ کی ترغیب دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے اس لیے یہ ضرورتیں توسع کا باعث نہیں بن سکتی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محورِ ثالث

فی سبیل اللہ

از: ـــــــــ مولانا محمد راشد، استاذ دارالعلوم دیوبند

فی سبیل اللہ کے معنی کی تعیین سے قبل اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کا مقصد اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ صحیحین کی ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف نہایت ہی واضح اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تلقین فرمائی کہ اہل یمن کو بتلانا کہ

"إن اللّٰہ قد فرض علیہم صدقۃ تؤخذ من أغنیائہم فترد

علی فقرائہم"[1]

آیت کریمہ "انما الصدقات للفقراء" الخ کے تحت صاحب تفسیر مظہری تحریر فرماتے ہیں:

"قلت المراد بالآیۃ واللّٰہ اعلم ان مصرف الصدقات ھم الفقراء

فقط دون الأغنیاء ومن ذکر من المساکین وغیرہم من الأصناف

.... والدلیل علی ما قلت من عموم الفقر وشمولہ للأصناف

قصۃ معاذ روی الشیخان وأصحاب السنن من حدیث ابن عباس

.... ثم روی الحدیث المذکور بطولہ"[2]

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۱۵۵ [2] تفسیر مظہری ۴/۲۳۱

قرون اولی کے مجتہدین جن سے قطع نظر کرکے اس دور میں بھی پیش آمدہ کسی مسئلہ میں تحقیق و تخریج اجتہاد و استنباط کی کوئی قابل اعتبار بنیاد نہیں رکھی جا سکتی مثلاً امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ ان حضرات کے درمیان حقیقت زکوٰۃ کے سلسلہ میں دو نقطۂ نظر رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ زکوٰۃ صرف فقیر ہی کو دی جا سکتی ہے اور سورۂ توبہ میں جو آٹھ اصناف بیان ہوتے ہیں وہ فقیر ہی کی انواع میں داخل ہیں حتی کہ عامل صدقہ بھی مال زکوٰۃ سے اسی بنا پر لیتا ہے کہ وہ وکیل فقرا ہونے کی وجہ سے حکماً فقرا ہی میں داخل ہے۔

" لانهم وكلاء الفقراء فى اخذ الصدقات وتقسيمها مشغولون بامورهم فيجب عليهم مؤنتهم فهم فقراء حكماً "[1]

یہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے طرز فکر سے اتفاق رکھنے والے بے شمار علماء کرام کا قول رہا ہے۔ دوسرا امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کا قول ہے کہ یہ آٹھوں اصناف مستقل ہیں ان میں ہر ایک کے اندر فقر کی شرط نہیں ہے، بلکہ مولفہ قلوب، مکاتب، مدیون، غازی فی سبیل اللہ، ابن السبیل مال دار ہونے کے باوجود زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ دونوں اقوال کے مستدلات احادیث نبویہ ہیں۔ پہلے قول کی بنیاد تو وہی حدیث معاذ ابن جبل ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔ دوسرے قول کی دلیل یہ حدیث شریف ہے:

" عن عطاء بن يسار مرسلاً قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل الصدقة لغنى إلا لخمسة لغازى فى سبيل الله او لعامل عليها او لغارم او لرجل اشتراها بماله او لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدى المسكين للغنى "[2]

اس حدیث میں پانچ قسم کے لوگوں کو مال دار ہونے کے باوجود زکوٰۃ لینے کی اجازت ہے۔

ان دونوں استدلالوں میں کون قوی ہے اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے محقق ابن الہمام حدیث عطاء ابن یسار کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

(۱) " هذا الحديث قيل لم يثبت ولو ثبت لم يقو قوة حديث معاذ فانه رواه اصحاب الكتب الستة مع قرينة من الحديث الآخر

---

[1] تفسیر مظہری ۲۳۲/۴ [2] رواہ مالک و ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ۱۶۱/۱

وهو قوي فترجح حديث معاذ بانه مانع وهذا مبيح مع ان دخله التاويل عندهم حيث قيدوا اباحة الاخذ لغارم بان لايكون له شيئ في الديوان ولا اخذ من الفيئ وهو امر من ذلك وذلك يضعف الدلالة الى ما لا يدخله التاويل[1]

یعنی یہ روایت حدیث معاذ کی بہ نسبت تین وجہوں سے مرجوح ہے۔

(۱) اس روایت کا پایۂ ثبوت حدیث معاذ کے برابر نہیں (۲) حدیث معاذؓ مانع اور یہ مبیح ہے اور تعارض کے وقت مانع ہی کو ترجیح ہوتی ہے (۳) اس روایت میں تاویل ہوئی ہے اور حدیث معاذؓ میں کوئی تاویل نہیں اور تاویل سے قوت دلالت میں ضعف ہوتا ہے۔

(۲) صاحب تفسیر مظہریؒ حدیث عطاء کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"قلت في هذا الحديث اضطراب في السند والمتن اما السند فاختلف على زيد بن اسلم فقيل عنه عن عطاء مرسلا كما قال مالك في الموطا وروى عنه ابوداود وقيل عن زيد قال حدثني الثبت وقيل عن زيد عن عطاء عن ابي سعيد ذكر الروايات ابوداود واما في المتن ففي الرواية المذكورة كما ذكرنا وفي رواية لابي داود عن عمران البارقي عن عطية عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني الا في سبيل الله عز وجل او ابن السبيل او جار فقير تصدق عليه فيهدي لك او يدعوك"[2]

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں سند میں بھی اضطراب ہے اور متن میں بھی۔ اور اضطراب سے دلیل کی قوت میں بڑی حد تک ضعف واقع ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے قول کی دلیل یہ حدیث بھی ہے:

"عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

---

[1] فتح القدير ۲/۲۱ [2] تفسیر مظہری ۲۳۴/۴

لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي رواه الترمذي وابوداؤد والدارمي ورواه احمد والنسائي وابن ماجة عن ابي هريرة رضي الله عنه[1]

اس حدیث کے رواۃ میں ریحان بن زید ہیں جن کے سلسلہ میں بعض حضرات نے کلام کیا ہے لیکن ابن معین اور ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے نیز اس حدیث کے کئی ایک طرق بھی ہیں۔ علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

"ولهذا الحديث طرق كثيرة عن جماعة من الصحابة كلهم يروونه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم واحسنها عندي ما اخرجه النسائي وابوداؤد عن هشام عن عروة عن ابيه عن عبيد الله بن عدي الخيار قال اخبرني رجلان انهما اتيا النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقسم الصدقة فسألاه منها فرفع فيهما البصر وخفضه فرآنا جلدين فقال ان شئتما اعطيتكما ولا حظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب قال صاحب التنقيح حديث صحيح قال الامام احمد ما اجوده من حديث هو احسنها اسنادا فانه مع حديث معاذ يفيد منع غني الغزاة والغارمين عنها وحجة على الشافعي في تجويزه لغني الغزاة اذا لم يكن له شيء في الديوان ولم ياخذ من الفيء[2]

ان احادیث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ زکوٰۃ حقیقۃً فقیر ہی کے لیے ہے جو مصارف انواع آیت کریمہ میں مذکور ہیں وہ فقیر ہی کی انواع ہیں تو گویا للفقراء کے بعد بقیہ مصارف کا ذکر تخصیص بعد التعمیم کی قبیل سے ہے نیز مذکورہ آیت میں انما کی وجہ سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے وہ جنس فقراء کے اعتبار سے حقیقی ہے اور انواع فقراء کے اعتبار سے اضافی ہے یعنی فقیر کے علاوہ تو زکوٰۃ کا کوئی مصرف نہیں۔ اس

---

[1] بحوالہ مشکوٰۃ ۱۶۱/۱ [2] فتح القدیر ۲/۱۴

فقراء کی بے شمار انواع میں سے یہ چند انواع جو آیت میں مذکور ہوئیں اہم اور قابل ترجیح ہیں۔ آیت مذکورہ میں جو فقراء کی سات انواع مذکور ہوئی ہیں ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کا تذکرہ ہوا ہے، ورنہ علماء کرام نے نصوص شرعیہ سے اخذ کر کے فقراء کی کچھ اور بھی انواع کا تذکرہ کیا ہے، جن کی وہ اہمیت اور افضلیت نہ تھی اس لیے آیت کریمہ میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا، تاہم وہ بھی زکوٰۃ کے مصارف ہیں ان کو دینے سے بھی ادائیگی زکوٰۃ بلاشبہ ہو جاتی ہے۔ صاحب تفسیر مظہری رقمطراز ہیں:

"قلت الأصناف السبعة أنواع الفقراء إلا العاملين فإنه يجوز
إعطاؤهم وإن كانوا أغنياء فإن المعطى لهم حينئذ في الحقيقة
هم الفقراء في هذه الأصناف وإنما ذكر الله تعالى هذه الأصناف
اهتماما بها فإن لهذه الأصناف مزية على غيرهم من الفقراء فظهر
من هذه الآية والله سبحانه أعلم أن المصرف هم الفقراء
ولكن الأولى أن يلتمس لإعطاء الزكوٰة سببا يترجح به المعطى
على غيره من الفقراء فالمسكين الذي لا يسئل الناس أولى
من السائلين لكونه أشد فقرا والمسافر الفقير أشد حاجة من
المقيم والغازي والحاج والمكاتب والمؤلف للإسلام أحرى لأن
يعطوا من غيرهم لأن في إعطائهم إعانة على جمع الذي
هو أحد أركان الإسلام والجهاد الذي هو ذروة سنامه وعطي
ذلك الرتبة الذي هو مفرع لكثير من الخيرات"[1]

پھر آگے صاحب تفسیر مظہری نے انواع فقراء میں ذوی القربیٰ، جار، سائل وغیرہ کو بھی شمار کیا ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ زکوٰۃ کے لیے یقینی اور حتمی طور پر وہ بھی مصرف ہیں۔

ان تصریحات سے یہ بات منقح ہوتی کہ احادیث صحیحہ کے اندر مصارف زکوٰۃ اپنی حیثیت کے اعتبار سے محدود و متعین ہیں اور ان کے اندر فقر کی شرط بہرحال ملحوظ ہے ـــــ اور یہ بات کسی کی طرح

۱۔ تفسیر مظہری ۴/۲۴۲

صحیح نہیں ہے کہ نصوص شرعیہ کے اندر ان مصارف کے سلسلہ میں کوئی حکم اور کوئی تعیین و تحدید نہیں ہے۔
مثلاً "فی سبیل اللہ" کے اندر اس اختلاف کی گنجائش تو ہے کہ غزاۃ مراد ہیں یا حجاج اس میں تعمیم اور توسیع بھی کی جاسکتی ہے طلبۂ علوم دینیہ اور دیگر راہ خدا میں خدمات انجام دینے والوں تک اس کے دائرہ کو وسیع کیا جاسکتا ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی غزو و فقر سے مستثنیٰ رکھنے کا خیال بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔

سوال نامے میں مذکورہ پانچ اقوال میں سے پہلا قول جسے امام قفالؒ نے بعض فقہاء سے نقل کیا ہے اور نواب صدیق صاحبؒ پوری قوت بیان سے جس کو نقل فرماتے ہیں ؛

"اما فی سبیل اللہ فالمراد به هنا الطريق اليه عز وجل والجهاد وان كان اعظم الطريق الى الله عز وجل لكن لا دليل على اختصاص هذا السهم به بل يصح الصرف في كل ما كان طريقا الى الله عز وجل هذا معنى الآية لغة والواجب الوقوف على المعاني اللغوية حيث لم يصح النقل هنا شرعا"[1]

اس سلسلہ میں یہی عرض ہے کہ شرط فقر کے سلسلہ میں جو احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں نواب صاحب مرحوم نے ان پر غور نہیں فرمایا یا پھر وہ ان نصوص کو نصوص شرعیہ نہیں سمجھتے نیز فی سبیل اللہ کو اگر معانی لغویہ کے عموم پر رکھا جائے تو بقیہ سات مصارف کا ذکر معاذ اللہ تطویل کے بجز کیا ہوگا کیونکہ فی سبیل اللہ اپنے معنی لغوی کے اعتبار سے فقیر، مسکین، عامل، مؤلف، فک رقاب، غارم، ابن السبیل سب ہی کو شامل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ فی سبیل اللہ پر غور کرنے کا شرعی راستہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان مذکورہ ساتوں مصارف کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ اس بات کا قطعی اشارہ ہے کہ فی سبیل اللہ اپنے عام اور لغوی مفہوم میں استعمال نہیں ہوا ہے، اس میں تخصیص و تحدید تو بہر حال ہے اب وہ تخصیص کیا ہے احادیث نبویہ کی روشنی میں اس کی تعیین ہوگی جس طرح "وامسحوا برؤسکم" والی آیت میں اجمال کے احناف نے مسح راس کے صرف مقدار ناصیہ فرض ہونے پر حدیث مغیرہ سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا استدلال بخاری شریف کی باب قسامہ والی حدیث کی بنیاد پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الروضۃ الندیۃ ۲۰۶/۱

نے خون بہا صدقہ کے اونٹوں سے دیا۔ اس سلسلہ میں شراح حدیث نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ خرید کر پھر اپنی طرف سے خون بہا کے طور پر دیا، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں "من عندہ" کے الفاظ بھی ہیں جو اس کی واضح طور پر تائید کرتے ہیں۔[1]

پہلے قول کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ بیت المال میں جمع شدہ رقم کا ایک حصہ مال زکوٰۃ ہوا کرتا تھا اور بیت المال سے عطیہ لینے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین "نادار و غریب" دونوں قسم کے تھے۔ نواب صاحب مرحوم خود ہی فرماتے ہیں کہ "بیت المال میں جمع شدہ مال کا ایک حصہ مال زکوٰۃ ہوا کرتا تھا" کیا ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عطیات اسی زکوٰۃ والے ہی حصے سے ہوں، اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب کی یہ تصریحات قابل ملاحظہ ہیں۔ فرماتے ہیں:

"تفسیر مظہری میں اس مغالطہ کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے جو بعض روایات حدیث کے سلسلہ میں بعض لوگوں کو پیش آیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غیر مسلموں کو کچھ عطیات دیے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان ابن امیہ کو کافر ہونے کے زمانے میں کچھ عطیات دیے تھے، اس کے متعلق امام نووی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ یہ عطیات زکوٰۃ کے مال سے نہ تھے بلکہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا اس میں سے دیے گئے اور یہ ظاہر ہے کہ بیت المال کے اس مد میں مسلم اور غیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے۔ پھر فرمایا کہ امام بیہقی، ابن سید الناس، امام ابن کثیر وغیرہم نے یہی قرار دیا ہے کہ وہ مال زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت ہی سے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال صدقات اگرچہ بیت المال میں جمع کیے جاتے تھے مگر ان کا حساب بالکل جدا تھا، اور بیت المال کی دوسری مدات جیسے خمس غنیمت، خمس معادن وغیرہ ان کا حساب جدا اور ہر ایک کے مصارف جدا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں چار مدات علیحدہ علیحدہ رکھنی چاہییں اور اصل حکم یہ ہے کہ صرف حساب علیحدہ رکھنا نہیں بلکہ ہر ایک

---

[1] ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری و فتح الباری وغیرہ۔ [2] مع الروضۃ الندیۃ

مد کا بیت المال ہی الگ ہونا چاہیے تاکہ ہر ایک کو اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط کی جا سکے۔[1]

دوسرا قول جو شیخ رشید رضا اور شیخ شلتوت کا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مسلمانوں کے قومی مصالح ہیں جن سے اجتماعی طور پر مسلمانوں کے دین کی بقا و ترقی اور مملکت کے اجتماعی امور وابستہ ہیں۔ ان کا پہلا استدلال کہ قرآن و حدیث میں کوئی ایسی صراحت موجود نہیں جس کی بنا پر ہم فی سبیل اللہ کو کسی خاص چیز کے لیے مخصوص کر سکیں لہٰذا فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے، ہر عالم و فقیہ کو اس کے بارے میں اپنی رائے دینے کا حق ہے ——— اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ وہ احادیث جن میں تمام مصارف زکوٰۃ کو فقر کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، مثلاً حدیث معاذ بن جبلؓ وغیرہ فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ان احادیث سے یہ حکم اور یہ قید کیوں مستنبط نہیں ہوگی۔ اس فقر کی قید کے بعد فی سبیل اللہ کے مصداق کا عام کرنا چنداں قابل غور نہیں ہے ——— دوسرا استدلال بخاری کی باب قسامہ والی حدیث کی بنیاد پر ہے، جس کے سلسلہ میں شراح حدیث کی وضاحت گزر چکی ہے۔

تیسرا استدلال کہ فقہاء کی ایک جماعت نے زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف کے لیے صرف زکوٰۃ کی علت قرار دی ہے کہ ان مصارف پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کی قومی حاجت اور منفعت پوری ہوتی ہے تو کیوں نہ اس علت کو عام کر دیے جائے کہ ان تمام کاموں کو مصارف کے دائرے میں لے آئیں جن میں مسلمانوں کی عام مصلحت اور سوسائٹی کا اجتماعی مفاد ہو ——— فقہاء کی اس جماعت کی تصریح نہیں کہ وہ کون حضرات ہیں کس پایہ کے ہیں اور ان کے وزن کیا ہیں؟ لیکن اتنا تو ظاہر ہے کہ جب احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف زکوٰۃ کی علت فقر کو قرار دیا گیا ہے تو کسی فقیہ کو یہ حق نہیں حاصل ہوتا کہ اس وصف کے علاوہ کسی اور وصف کا استنباط کرے۔

تیسرا قول کہ فی سبیل اللہ میں حج داخل ہے، احادیث کی روشنی میں یہ قول معتبر ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"وقال محمد المراد منه الحاج المنقطع لما روي ان رجلا جعل بعيرا

---

[1] معارف القرآن ۴/۴۰۲

لہ فی سبیل اللہ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن
یحمل علیہ الحاج[2]

لیکن اس حدیث سے غازی کی نفی نہیں ہوئی اور دیگر احادیث سے غازی کا اثبات ہے۔

بہرحال غزاۃ مراد ہوں یا حجاج اولیٰ اور غیر اولیٰ کی بحث ہے یا مقتضائے وقت کی بنیاد پر کبھی یہ اہم کبھی وہ۔ لیکن خواہ غزاۃ ہوں، خواہ حجاج یا کوئی اور سب کا فقیر ہونا تو بہرحال ضروری ہے۔ علامہ کاسانی حدیث معاذ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جعل (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) قسمین قسما یؤخذ
منہم وقسما یصرف الیہم فلو جاز صرف الصدقة الی الغنی
بطلت القسمة وھذا لایجوز[2]"

چوتھا قول کہ عمدۃ الاسلام کے شارح نے لکھا ہے کہ غازی کے ساتھ وہ لوگ بھی ملحق کیے جائیں جو مسلمانوں کی کسی عمومی مصلحت مثلاً قضاء، افتاء اور تدریس وغیرہ انجام دے رہے ہوں خواہ وہ لوگ مالدار ہی ہوں[3]۔

احادیث صحیحہ کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو خواہ وہ لوگ مالدار ہی ہوں، کے بجائے یہ کہا جاتا کہ بشرطیکہ وہ لوگ فقیر ہوں۔

پانچواں قول کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ وجہاد مراد ہے جس کے دلائل سوال نامے میں تفسیر ابن جریر وغیرہ سے پیش کیے گئے ہیں ——— اور حق تو یہ ہے کہ یہی اولیٰ، احوط، افضل اور اقرب الی الدلائل ہے، اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

وھذا قول أکثر العلماء وھو تحصیل مذھب مالک[4]

ان معروضات کی روشنی میں جو نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) سورہ توبہ کی آیت انما الصدقات میں فقراء کی جنس کے اعتبار سے حصر حقیقی ہے اور انواع فقراء

---

[1] بدائع ۲/۴۶ [2] بدائع ۲/۴۶ [3] سبل السلام ۱/۱۵۰

[4] تفسیر القرطبی ۸/۲۳۰

کے اعتبار سے اضافی ہے۔

(۲) فی سبیل اللہ سے غازی مراد لینا اولیٰ اور اقرب الی الدلائل ہے۔ سیاق وسباق یا کسی اور قرینہ کے بغیر اطلاق کی شکل میں عموماً فی سبیل اللہ سے غزوہ اور جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔ صاحب قاموس فی سبیل اللہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ای الجهاد وکل ما امر الله به من الخیر واستعماله فی الجهاد اکثر" (القاموس المحیط الجزء الثالث ص۳۹۹)

(۳-۴) قرون اولیٰ میں فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں صرف دو قول ہی ثابت ہیں اور دونوں احادیث شریفہ کے مطابق ہیں، لیکن اصل علت جب فقر ہی ٹھہری تو ان دونوں اقوال کے ساتھ ساتھ علت فقر کے اشتراک کی بنیاد پر دوسروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جیسے ذوی القربیٰ، حاج، سائل وغیرہ کما فی التفسیر المظہری۔ یا طالبان علوم دینیہ وغیرہ کما اثبته العلامة الکاسانی وصاحب الفتاویٰ الظہیریہ" (بحوالہ البحرالرائق ۲/۲۶۰)

(۵) مصارف زکوٰۃ فقراء کے دائرے میں رہتے ہوئے قیاس شرعی کے محل ہیں ــــــ مثلاً ایک شخص جو فقراء کی تعریف میں داخل ہے، مال زکوٰۃ لے کر جہاد قلمی، جہاد فکری، جہاد ثقافتی سب کچھ کرسکتا ہے۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"وفی سبیل الله عبارة عن جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة الله وسبیل الخیرات اذا کان محتاجاً" (۲/۴۵)

(۶) معاصر علماء کی وہ تعمیم وتوسیع جس میں حقیقت زکوٰۃ اور علت زکوٰۃ سے بالکل ہی صرف نظر کرلیا گیا ہے درست نہیں ہے کسی ضرورت دینیہ اور ملیہ سے حقائق شرعیہ کو بدل دینا سراسر خلاف شرع ہے۔ ملت مسلمہ کی پیش آمدہ ضروریات کے لیے روح زکوٰۃ ہی کو بدل دینے کی سعی کے بجائے قوم وملت کی طبیعت ومزاج کے بدلنے کی تگ ودو ہونی چاہیے۔

(۷) فی سبیل اللہ کے دائرے کو اگر وسیع بھی کیا جائے پھر بھی حد فقر میں محدود رہنا از حد ضروری ہے، علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: ــــــ "ولایخفی ان قید الفقر لابد منه علی الوجوه کلها" (البحرالرائق ۲/۲۶۰)۔

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ

از ـــــ مولانا اختر امام عادل، استاذ دار العلوم حیدرآباد

حصر حقیقی یا اضافی

(۱) مصارف زکوٰۃ کو طے کرنے میں سب سے بنیادی حیثیت سورہ توبہ کی آیت "انما الصدقات للفقراء الخ" کو حاصل ہے یہ آیت زکوٰۃ کے مصارف کو حصر کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ اس میں کلمہ "انما" استعمال کیا گیا ہے اور انما حصر پر دلالت کرتا ہے، یہاں حصر سے مراد حقیقی ہے، حصر اضافی نہیں، اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

۱ ـــــ حصر کے دو معنی ہیں، حقیقی اور مجازی، حصر حقیقی اس کا حقیقی اور اصلی معنی ہے اور حصر اضافی اس کا مجازی معنی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کلمہ کا حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہو تو مجازی معنی مراد لینا درست نہیں۔

۲ ـــــ حصر حقیقی، حصر کا فرد کامل ہے، جب کہ حصر اضافی فرد ناقص۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ مطلق استعمال کیا جائے تو اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے۔

۳ ـــــ حصر اضافی مراد لینے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے اور بغیر دلیل حصر اضافی مراد لے کر مزید مصارف کا اضافہ کیا گیا تو مدلول قرآنی اور حدود قرآنی کی مخالفت لازم آئے گی۔

۴ ـــــ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزاھا ثمانیۃ اجزاء۔[1]

بے شک خدا کی مرضی یہ نہ ہوئی کہ زکوٰۃ کے بارے میں کوئی نبی یا غیر نبی فیصلہ کردے کہ اس نے اس کے متعلق خود فیصلہ کیا اور آٹھ اجزاء میں اس کو تقسیم کردیا۔

اس میں حضورؐ نے مصارف زکوٰۃ صراحت کے ساتھ آٹھ بیان فرمائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حصر حقیقی مراد ہے، اگر اس میں مزید افراد کی گنجائش ہوتی تو آٹھ کی قید کی ضرورت نہ تھی۔

۵۔۔۔۔۔ عہد نبویؐ سے لے کر تمام علماء امت کا اجماع بھی حصر حقیقی کی پختہ اور مستند دلیل ہے، اس کے مقابلے میں کسی ایک محقق کی رائے ان کی منفرد رائے قرار دی جاسکتی ہے مگر سند نہیں بنائی جاسکتی ہے۔

قرآن وسنت میں فی سبیل اللہ کا استعمال

(۲) قرآن مجید میں جہاں فی سبیل اللہ، سیاق وسباق کے ساتھ آیا ہے، وہاں اس کے متعدد معانی لیے گئے ہیں، جس کی تعیین سیاق وسباق سے ہوتی ہے مگر قرآن میں فی سبیل اللہ کا ایک استعمال انفاق کے صیغہ یا معنی کے ساتھ ہوا ہے۔ تمام استعمالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس استعمال میں دو معنی میں سے کوئی ایک معنی مراد لیا گیا ہے۔ ایک معنی عام، اور دوسرا معنی خاص۔ معنی عام سے مراد مطلق راہ خیر ہے، جہاد کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور معنی خاص سے مراد خاص جہاد اور احیاء کلمۃ اللہ ہے۔

مصارف زکوٰۃ میں جو فی سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے وہ اگرچہ لفظاً صیغۂ انفاق کے ساتھ نہیں ہوا ہے لیکن صدقہ کے لفظ سے انفاق کا معنی مفہوم ہوتا ہے ۔۔۔۔۔ اب یہ طے کرنا ہے کہ یہاں معنی عام مراد ہے یا معنی خاص، اس کے لیے بہت سے قرآنی اور دلائل ہیں۔

ا۔۔۔۔۔ اگر فی سبیل اللہ سے مراد عام جہات خیر لیے جائیں تو مصارف زکوٰۃ کا آٹھ اصناف میں محصور کرنا لغو ہوگا

---

[1] مشکوٰۃ شریف

اس لیے کہ اس وقت دینی اور فلاحی کام کی ہزاروں قسمیں اس میں داخل ہو جائیں گی۔

۲ ــــــ بلکہ اس وقت آٹھ اقسام بیان کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، صرف فی سبیل اللہ کہہ دیا جاتا، اس میں فقرا، مساکین، غارمین سب داخل ہو جاتے، اس لیے کہ یہ تمام خیر ہی کے مختلف راستے ہیں، ان کو الگ شمار کرنے کی ضرورت نہ تھی، مگر نہیں قرآن نے ان سب کو الگ الگ شمار کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد معنی عام نہیں ہے، بلکہ معنی خاص یعنی جہاد ہے ــــــ ان کو مترادفات سمجھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیوں کہ یہ لغوی معنی اور محل گفتگو کے علاوہ خود قرآنی اسلوب کے بھی خلاف ہے، اس لیے کہ علما نے لکھا ہے کہ قرآنی الفاظ میں افادہ، اعادہ سے بہتر ہے، خدا کی کتاب بے فائدہ تکرار کے عیب سے پاک ہے۔

۳ ــــــ احادیث میں بھی اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں کہ فی سبیل اللہ کا مطلق استعمال جہاد کے معنی میں ہوتا ہے، طبرانی کی روایت ہے کہ صحابہ ایک دن حضورؐ کے ساتھ تھے، اسی اثنا انھوں نے ایک صحت مند جوان کو دیکھا اور کہا کہ کاش اس کی طاقت و جوانی اللہ کے راہ میں خرچ ہوتی۔

"لو کان شبابه وجلده في سبيل اللّٰه"[1] ظاہر ہے کہ ان کی مراد جہاد اسلامی ہی کی تھی کہ قوت اور جوانی کی سب سے زیادہ ضرورت اسی میں ہوتی ہے۔

۴ ــــــ ایک صحیح حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے کہ، حملت على فرس في سبيل اللّٰه[2]

یہاں سبیل اللہ بالیقین جہاد ہے۔

۵ ــــــ بخاری و مسلم دونوں میں یہ روایت ہے۔

" لغدوة في سبيل اللّٰه او روحة خير من الدنيا وما فيها؛ (سابق)

اللہ کی راہ میں نکلنا صبح و شام، دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ فی سبیل اللہ سے مراد بلاشبہ جہاد ہے۔

۶ ــــــ بخاری کی روایت کا یہ جملہ ہے،

" من احتبس فرسا في سبيل اللّٰه ايمانا باللّٰه وتصديقا بوعده فان شبعه وريه وروثه وبوله في ميزانه يوم القيمة؛ (سابق)

---

[1] الترغیب للمنذری، کتاب الجہاد ۲/۶ [2] حوالہ سابق

جو اللہ پر ایمان کے جذبہ اور اس کے وعدہ پر صداقت کے یقین کے ساتھ اللہ کی راہ میں کوئی
گھوڑا وقف کرے تو اس گھوڑے کی سیرابی، آسودگی اور پیشاب پاخانہ سب قیامت کے دن
اس شخص کی میزان میں تولا جائے گا۔

فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہی ہے۔

۷ ـــــ بخاری و مسلم کی روایت ہے:

"ما من عبد يصوم يوما في سبيل الله إلا باعد الله بذلك
اليوم وجهه عن النار سبعين خريفا (بخاری)

جب کوئی بندہ اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے تو اللہ اس کے بدلے اس کو جہنم سے
ستر سال کے بقدر دور کر دیتے ہیں۔

۸ ـــــ بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"ما اغبرت قدما عبد في سبيل الله فتمسه النار (بخاری)

جس بندے کے پاؤں پر اللہ کی راہ میں دھول پڑی ہوگی اس کو آگ چھو نہیں سکتی۔

ان دونوں روایتوں میں کلمہ فی سبیل اللہ واضح طور پر جہاد ہی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۹ ـــــ ان قرائن و دلائل کے علاوہ ایک حدیث میں ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تشریح غازی
فی سبیل اللہ سے کی گئی ہے۔

"لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة ..... وغاز في سبيل الله[1]

اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کی قید مراد الٰہی کو متعین کر رہی ہے۔

آیات احکام میں قرونِ خیر کے اقوال

(۲) اب یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ قرونِ اولیٰ میں زکوٰۃ کے ساتویں مصرف
فی سبیل اللہ کی تشریح میں دو ہی قول ملتے ہیں، صحابہ، تابعین، مفسرین، مجتہدین کی غالب اکثریت نے فی سبیل اللہ

---

۱ موطا مالک ۔ سنن ابو داؤد ۔

کو غزوہ میں محصور کیا ہے اور دوسرا قول یہ رہا ہے کہ اس میں حج بھی شامل ہے لیکن کیا قرون اخیرہ کے تیسرے اور چوتھے قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں، اس لیے کہ یہاں مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ طے ہے کہ فی سبیل اللہ میں صرف غزوہ داخل ہے اور یہی امت کے سواد اعظم کا مذہب بھی ہے، اس کے مقابلے میں خروج کی تفسیر بھی شاذ اور مجروح ہے۔ دوسرے اور تیسرے قول کی گنجائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
ویسے عام ضابطے کی رو سے آیات احکام میں اختیار کیا جانے والا تیسرا اور چوتھا قول اگر کسی ایسی علت کی بنا پر ہو جو اس نص میں موجود ہے تو معتبر ہے ورنہ نہیں۔

فی سبیل اللہ سے مراد جہاد

(۴)۔ الف: میرے نزدیک یقین کے ساتھ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غزوہ و جہاد ہے، جن حضرات نے اس کی تفسیر حج سے کی ہے وہ مرجوح ہے، اسی طرح جن حضرات نے فی سبیل اللہ مصالح عامہ یا جہات خیر مراد لیے ہیں وہ بھی صحیح نہیں، ہم مختصر طور پر ان حضرات کے دلائل پر نگاہ ڈالتے ہیں جنھوں نے فی سبیل اللہ میں غزوہ کے سوا دوسرے معانی بھی مراد لیے ہیں۔

مخالف دلائل کا احتساب

پہلی دلیل:

نواب صدیق حسن خاں صاحب کا یہ کہنا کہ فی سبیل اللہ کو غزوہ کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے اس کو لغوی معنی کے لحاظ سے عام رکھا جائے گا، یہ بالکل غلط ہے، پیچھے ہم متعدد دلائل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ سے مراد صرف غازی ہی ہے اور یہی قرآن وسنت اور اسلامی عرف و مزاج کا تقاضہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر فی سبیل اللہ کی تخصیص پر کوئی دلیل موجود نہ تھی تو تمام صحابہ ائمہ مجتہدین اور علماء امت نے اس کی تفسیر و مراد میں غزوہ جہاد ہی کی بات کیوں کی؟ اور کوئی دوسرے معنی مراد کیوں نہ لیے؟ اگر بالفرض فی سبیل اللہ کی تخصیص پر قرآن وسنت میں کوئی دلیل موجود نہ بھی ہو تو جمہور علماء کا اجماع اس تخصیص پر بجائے خود دلیل ہے۔

دوسری دلیل

فی سبیل اللہ کے عموم پر ایک دلیل باب القسامۃ کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی کو خیبر میں یہودیوں نے قتل کر دیا، ان کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کا خون بہا صدقہ کے اونٹوں میں سے دیا۔ اس حدیث سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خون بہا دینا محض ایک کارِ خیر اور مصلحت عامہ کی چیز ہے، اس میں حضورؐ نے زکوٰۃ کا مال صرف کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مصالح عامہ اور کارِ خیر میں خرچ کی جا سکتی ہے۔

اس حدیث سے استدلال کئی نہایت کمزور ہے۔ علماء نے اس کے کئی جوابات دیے ہیں۔

(۱) مالکیہ جن کے نزدیک جہاد کے تمام ابواب میں مال زکوٰۃ خرچ کرنے کی اجازت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت سہل ابن ابی حثمہ کے واقعے میں حضورؐ نے صدقہ کے اونٹوں سے جو دیت ادا کی وہ بھی جہاد ہی کی ایک نوع ہے۔ اس لیے کہ اس قتل کا تعلق یہود دشمنان اسلام سے تھا، دشمنوں نے حضرت سہل کو قتل کیا تھا، مگر اس کے لیے کوئی ثبوت نہ تھا، اس وقت ممکن تھا کہ سہل کے خاندان اور یہود کے درمیان ایک تیسری قسم کی قبائلی جنگ شروع ہو جاتی جس سے اسلامی جہاد کے تشخص اور افادیت پر برا اثر پڑتا، اور اس کے ساتھ ہی یہودیوں کے شر سے مصالحت کے طور پر مسلمان جو محفوظ تھے وہ بات ختم ہو جاتی اور تمام مسلمان ان کی ریشہ دوانیوں کی زد میں آ جاتے جس کی بنا پر اسلام کے جو تعمیری کام دوسری جانب جاری تھے وہ یکلخت رک جاتے، اس بنا پر آپ نے اس جھگڑا کا خاتمہ اور اسلامی جہاد کی افادیت تا دیر قائم رکھنے کے لیے مال زکوٰۃ سے دیت ادا کر دی تو گویا یہ بھی جہاد ہی کا ایک باب تھا، فلا اشکال[1]

(۲) شافعیہ اس واقعہ کو غارمین میں داخل مانتے ہیں، اس لیے کہ غارمین کے مفہوم میں ان کے نزدیک دو قبیلوں کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی کو ختم کرنے کے لیے جو اخراجات ہوتے ہیں، وہ مال زکوٰۃ سے لیے جا سکتے ہیں اور سہل ابن ابی حثمہ کے واقعہ کی صورت حال یہی تھی ——— الغارم من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه

---

[1] احکام القرآن، ۲/۵۵۹

وقال الشافعی من تحمل غرامۃ فی اصلاح ذات البین واطفاء النائرۃ بین القبیلتین۔[1]

(۳) علامہ قرطبی نے اپنی کتاب المفہم میں یہ جواب دیا ہے کہ صدقہ کے اونٹ سے خون بہا ادا کرنا دراصل تالیف قلب کے طور پر تھا، اس لیے کہ اگر خون بہا نہ دیا جاتا، جب کہ قاتل کا پتہ بھی نہ تھا اور یہود دینے کو تیار بھی نہ تھے، تو سہل کے ورثہ کا دل ٹوٹ جاتا، اس لیے آپ نے تالیف کے لیے زکوٰۃ کے مال سے خون بہا ادا کیا ——— اس تفسیر کی رو سے گویا یہ واقعہ فی سبیل اللہ کے بجائے مؤلفۃ القلوب کے مصرف میں داخل ہے۔[2]

(۴) یہ جوابات درایتی نقطۂ نظر سے تھے، محدثین نے اپنے روایتی طرز کے مطابق روایت کے اس ٹکڑے "فوداہ مائۃ من ابل الصدقۃ" پر کلام کیا ہے۔ تمام شارحین بخاری نے یہ لکھا ہے کہ من ابل الصدقۃ کا لفظ اس سند کے ایک راوی سعید ابن عبید کی غلطی کا نتیجہ ہے، انھوں نے اپنی طرف سے من ابل الصدقۃ کا اضافہ کر دیا ہے، اس لیے کہ اس روایت کو دوسری سند میں یحییٰ بن سعید صراحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں "فوداہ مائۃ من عندہ" کہ حضورؐ نے اپنی جانب سے خون بہا ادا کیا۔ ابوداؤد شریف میں یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے جس میں ایک میں من قبلہ کا لفظ ہے، ورنہ دوسرے میں من عندہ کا، ایک تیسری سند میں من ابل الصدقۃ کا لفظ بھی ہے۔ مگر سعید ابن عبید کی سند سے ہے[3] ——— غرض ابل الصدقۃ کا لفظ قابل اعتبار نہیں اور اعتراض کی بنیاد یہی لفظ تھا۔

(۵) اس لیے محدثین نے دوسری صحیح اور مستند روایات جس میں من عندہ کا لفظ ہے، ان کی بنا پر حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے خون بہا اپنی طرف سے یعنی بیت المال سے کہ اس خصوصی فنڈ سے ادا کیا جو اس قسم کے مصالح عامہ کے لیے مختص کیے گئے تھے۔

(۶) مگر بعض محدثین نے دونوں روایات (یعنی من ابل الصدقۃ اور من عندہ والی روایات)

---

[1] ہدایہ مع البنایہ ۴/۱۸ [2] فتح الباری ۱۲/۲۳۵

[3] ابوداؤد ۲/۶۲۱، ۶۲۲

میں تطبیق دیتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چوں کہ اس وقت اتفاق سے بیت المال کے مصالح عامہ کے فنڈ میں خوں بہا کے لیے اونٹ موجود نہ تھے اس لیے آپ نے بیت المال کے خصوصی فنڈ سے صدقات کے اونٹ خرید کر خوں بہا کے لیے دیے تھے۔ اس تشریح کی روشنی میں دونوں روایات کے الفاظ درست ہو جائیں گے اور ساتھ ہی صدقہ کے اونٹ سے خوں بہا دیے جانے والا اشکال بھی ختم ہو جائے گا۔

(۷) محدثین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ اس حدیث میں صدقہ کا لفظ اپنے خاص اصطلاحی معنی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ عام معنی میں مستعمل ہے، جیسے کار خیر میں خرچ کرنے کو صدقہ نافلہ اور عطیہ وغیرہ بولتے ہیں تو اصل میں حضورؐ نے یہ خوں بہا بیت المال کے خصوصی فنڈ ہی سے ادا کیا تھا، مگر راوی نے اس پر صدقہ کا اطلاق عمومی معنی کی بنا پر کیا۔[1]

تیسری دلیل

فی سبیل اللہ کے عموم پر ایک تیسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ صحابہ کرام ہر سال بیت المال سے عطیہ لیا کرتے تھے۔ بیت المال میں جمع شدہ مال کا ایک حصہ مال زکوٰۃ ہوا کرتا تھا، اور بیت المال سے عطیہ لینے والے صحابہ میں مال دار و غریب دونوں قسم کے صحابہ تھے۔ ایک ایک شخص کا عطیہ ہزاروں کو پہونچ جاتا تھا۔

—— یہ دلیل نواب صدیق حسن خاں صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہے، مگر میرے خیال میں یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ اس سے مجھے انکار نہیں کہ نواب صاحب ان لوگوں میں ہیں جو فی سبیل اللہ کے عموم کے قائل ہیں، لیکن اس کے باوجود خود ان کے نزدیک یہ دلیل اس عموم کے لیے نہیں ہے، بلکہ انھوں نے یہ بات اس ذیل میں کہی کہ مجاہد کے لیے فقر کی شرط نہیں ہے بلکہ مجاہد غنی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے ان مجاہدین صحابہ کو مثال میں پیش کیا ہے جو مستقل اسلام کی خاطر غزوات میں مشغول رہتے تھے، اور سالانہ بیت المال سے ان کو وظیفہ ملتا تھا اور ان میں امیر و غریب سب ہوتے تھے۔

چنانچہ ان کی عبارت کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے:

---

[1] فتح الباری ۱۲/۲۳۴، عمدۃ القاری ۲۴/۵۹، ارشاد الساری ۱۰/۹۲

"واما اشتراط الفقر فى المجاهد ففى غاية البعد بل الظاهر اعطاءه نصيباً وان كان غنياً وقد كان الصحابة رضى الله عنهم ياخذون من اموال الله عزوجل التى من جملتها الزكاة فى كل عام ويسمون ذالك عطاءً وفيهم الاغنياء والفقراء۔"[1]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نواب صاحب کے نزدیک صحابہ مال زکوۃ سے جو سالانہ عطیہ لیتے تھے وہ بحیثیت مجاہد فی سبیل اللہ لیتے تھے نہ کہ عام کار خیر کرنے والے کی حیثیت سے اس لیے اس کو عام کار خیر کی دلیل بنانا خود نواب صاحب کے نزدیک بھی درست نہیں ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نواب صاحب اس عطیہ کو پوری طرح زکوۃ بھی کہنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بیت المال میں مختلف شعبہائے مال تھے، جن میں ایک شعبہ زکوۃ کا تھا، پھر یہ متعین کرنا کیسے ممکن ہے کہ ان کو زکوۃ ہی کی رقم سے وظیفہ ملتا تھا۔ عطیہ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کی سالانہ تنخواہ بھی جو ان کو خاص رقوم سے ملتی تھی۔ چنانچہ نواب صاحب کتنے احتیاط اور احتیاط سے زیادہ کے ساتھ یہ جملہ لکھتے ہیں:

"یاخذون من اموال الله عزوجل التى من جملتها الزكوٰة فى كل عام ويسمون ذالك عطاءً"[2]

اس احتیاط کے بعد نواب صاحب بہت حد تک سبک دوش ہو جاتے ہیں۔

(۳) البتہ نواب صاحب نے اس سے اگلے صفحہ پر ان علماء کے لیے بھی زکوۃ کو جائز قرار دیا ہے جو مسلمانوں کے مصالح عامہ میں مشغول ہیں اور اس کے لیے انھوں نے ان علماء صحابہ کو دلیل میں پیش کیا ہے جو بیت المال سے حسب ضرورت تنخواہ کے ساتھ کچھ مزید رقوم بھی لیتے تھے تاکہ وہ اس فنڈ سے ان فقراء اور محتاجوں کی مدد کر سکیں جو ان کے پاس فریاد لے کر آئیں ——— مگر یہاں نواب صاحب نے یہ کہنے کی ہمت نہیں کی ہے کہ ان کی تنخواہ زکوۃ سے ملتی تھی بلکہ انھوں نے دیانت کے ساتھ اس کو عطیہ قرار دیا ہے، اور اگر وہ کہتے بھی تو ان کی بات معتبر نہ ہوتی، اس لیے کہ زکوۃ کی جو رقوم ان کو ملتی تھی وہ اپنے لیے نہیں بلکہ غریبوں میں

---

[1] الروضة الندية ۲۰۶/۱ [2] ایضاً

تقسیم کرنے کے لیے لیتی تھیں۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ان کی تنخواہ کو بھی زکوٰۃ ہی کے فنڈ سے ادا کیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ اس وقت وہ فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہونے کے بجائے عاملین میں داخل ہوں گے کیوں کہ عاملین کے ذیل میں وہ حضرات بھی آتے ہیں جو زکوٰۃ کو غریبوں میں تقسیم کرتے تھے اور ان صحابہ کا کام یہی تھا جیسا کہ نواب صاحب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

"وقد كان علماء الصحابة يأخذون من العطاء ما يقوم بما يحتاجون اليه مع زيادات كثيرة يتفقونها في قضاء حوائج من يرد عليهم من الفقراء وغيرهم"[1]

چوتھی دلیل

فی سبیل اللہ کے عموم پر ایک دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ بعض فقہاء کے مطابق مصارف زکوٰۃ کی علت مسلمانوں کی عمومی حاجات کی تکمیل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کی تمام عمومی حاجات میں زکوٰۃ صرف کرنے کی اجازت ہو۔

(۱) مگر یہ دلیل حد سے زیادہ کمزور ہے، اس لیے کہ مصارف زکوٰۃ کی آیت میں ایسی تعلیل کی تو اجازت ہے جس سے فقراء، مساکین، مجاہدین وغیرہ کے افراد وانواع میں اضافہ ہو، مگر ایسی تعلیل کی اجازت نہیں دی جاسکتی جس سے ان آٹھ اصناف زکوٰۃ سے گزر کر دسیوں اصناف زکوٰۃ پیدا ہو جائیں، اس لیے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ حصر حقیقی ہے اضافی نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ عمومی حاجات کی تکمیل، مصارف زکوٰۃ کے لیے علت کے بجائے حکمت کا درجہ رکھتی ہے، علماء نے بطور حکمت کے اسے بیان کیا ہے کہ ان مصارف میں زکوٰۃ کو خرچ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی عمومی حاجات کی تکمیل ہوتی ہے اور واضح ہے کہ حکمت میں تعدیہ درست نہیں اور نہ اس کے فقدان سے اصل حکم پر کوئی فرق پڑتا ہے۔

---

[1] الروضۃ الندیۃ ۱/۲۰۶

پانچویں دلیل

جن حضرات نے فی سبیل اللہ کے ذیل میں حج کو بھی شامل کیا ہے، انھوں نے اپنے استدلال میں وہ روایات پیش کی ہیں جن میں محبوس فی سبیل اللہ اونٹ کو آپ نے حج کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دی تھی، اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے ذیل میں حج بھی داخل ہے۔

(۱) اس کے جواب کے طور پر عرض یہ ہے کہ اس باب میں جو روایت حضرت ابن عباس کی سند سے منقول ہے وہ بلاشبہ صحیح ہے۔ مگر ام معقل کی روایت پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں اس پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ام معقل کی روایت محمد بن اسحاق کی سند سے ہے اور محمد ابن اسحاق مدلس ہے، اس کا عنعنہ مقبول نہیں، جب کہ ام معقل کی حدیث محمد ابن اسحاق نے عن کہہ کر روایت کی ہے، اس لیے یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

(۲) دوسرا جواب جو اس طرح کی تمام احادیث کا مشترکہ جواب ہے، یہ دیا ہے کہ ان روایات سے صرف اتنا مفہوم ہوتا ہے کہ حج کو فی سبیل اللہ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ جب بھی بولا جائے اس میں حج ضرور داخل ہوگا اور ہماری گفتگو اس سے نہیں ہے کہ حج فی سبیل اللہ ہے یا نہیں، بلکہ ہمارا محور کلام یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ سے مراد حج نہیں ہے صرف غزوہ ہے، جس کے لیے بہت سے دلائل موجود ہیں، ان روایات میں کوئی بھی روایت یہ ثابت نہیں کرتی کہ مصرف فی سبیل اللہ میں حج داخل ہے بلکہ ان میں لغوی طور پر یہ کہا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں حج بھی داخل ہے اور اس سے ہمیں انکار نہیں مگر ہماری گفتگو فی سبیل اللہ کے لغوی عموم کے بجائے اصطلاحی خصوص سے ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ ان روایات میں سے کسی میں یہ ثابت نہیں کہ یہ اونٹ صدقات کے تھے اور پھر ان کو حج کے لیے استعمال کیا گیا، بلکہ وقف کی نوعیت تھی کہ ان کو فی سبیل اللہ محبوس رکھا گیا تھا اور پھر حج کے لیے ان کو استعمال کیا گیا، اس لیے ان روایات کا ہماری بحث سے کوئی تعلق ہی

لہ المجموع ۶/۲۱۲

نہیں ہے۔

چھٹی دلیل

فی سبیل اللہ کے ذیل میں حج کے قائلین ایک دلیل ابولاس کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جس کو امام بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے۔ حضرت ابولاس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حج کرنے کے لیے صدقہ کے اونٹ پر سوار کیا ـ ـ اس روایت کو امام احمد، ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ نے سند متصل کے ساتھ بھی روایت کیا ہے ــــــ مگر ابن حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحاق ہیں اور عنعن کے ذریعہ وہ روایت کرتے ہیں جب کہ محمد ابن اسحاق مدلس ہیں، ان کا عنعنہ مقبول نہیں، اور اسی بنا پر محدث ابن المنذر نے اس روایت کے ثبوت وصحت میں شک کا اظہار کیا ہے۔[1]

ساتویں دلیل

بعض حضرات نے حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر کے فتاوی کو دلیل میں پیش کیا ہے کہ ان دونوں کا یہ فتوی تھا کہ حج کے لیے صدقہ کے مال کو خرچ کرنے کا فتوی دیا تھا۔

(۱) مگر اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے ان روایات کو سند کے اعتبار سے مضطرب قرار دیا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ ان صحابہ کی ذاتی رائے تھی، ان کے مقابلے میں جمہور صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ حج فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل نہیں ہے۔[1]

فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط

(ب) فی سبیل اللہ میں حنفیہ فقر کی شرط لگاتے ہیں، اکثر ثلاثہ فقر کی شرط نہیں لگاتے بلکہ ان کے نزدیک ہر مجاہد کے لیے خواہ وہ غنی ہو یا محتاج زکوۃ کا مستحق ہے۔ تعلیم کی بنا پر حنفیہ کے قول سے فردِ واحد کی بحث نہیں

---

[1] فتح الباری ۳۳/۴ [illegible]

ہے، ورنہ قرآن نے جس طرح فقراء کو مستقل مصرف قرار دیا ہے اسی طرح فی سبیل اللہ کو بھی مستقل مصرف قرار دیا ہے۔ پھر ایک کو دوسرے کے لیے شرط قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ایک فقیر محض فقر کی بنا پر مستحق زکوٰۃ ہے، خواہ اس میں دوسرے مصارف کی مصرفیت موجود ہو یا نہ ہو تو پھر مجاہد میں استحقاق زکوٰۃ کے لیے محض فی سبیل اللہ کی علت کافی کیوں نہیں ہے؟ اس میں فقر کی شرط لگانا ایک مستقل مصرف کو دوسرے کے تابع بنانا ہے جو فہم سے بالاتر ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام فقہاء احناف جن میں متکلمین، محققین، محدثین اور اکابر علماء شامل ہیں ان میں کوئی بھی نہیں جو اس سے مخالف رائے رکھتا ہو، تمام فقر کی شرط لگاتے ہیں۔ غالباً ان کی نگاہ اس طرف گئی ہو کہ زکوٰۃ دراصل دفع حاجت کے لیے مشروع کی گئی ہے اور تمام مصارف میں خواہ اس کے نام مختلف ہوں، مگر علت حاجت قدر مشترک کے طور پر ان کے اندر موجود ہے —— یا ان اکابر کی نگاہ میں کوئی اور بنیاد ہو، جہاں تک ہماری رسائی نہ ہو سکی۔ بہرحال اپنی نارسائی پر افسوس کے ساتھ مجھے فی سبیل اللہ کے لیے فقر کی شرط کے بارے میں تذبذب ہے۔

مصارف زکوٰۃ اور قیاس شرعی

فقہی کتابوں میں مصارف زکوٰۃ کے مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً تمام فقہاء نے کسی نہ کسی صورت میں تعلیل کی ہے۔ مثلاً ابن رشد کے بیان کے مطابق بعض حضرات نے عاملین پر قیاس کرتے ہوئے ان علماء اور قاضیوں کے لیے بھی زکوٰۃ کی اجازت دی ہے جو مسلمانوں کے امور و مصالح عامہ میں مشغول ہوں[1]۔

یا حنفیہ نے ابن السبیل پر قیاس کر کے ان لوگوں کے لیے بھی زکوٰۃ کی اجازت دی ہے جن کا مال گم ہو چکا ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ وصول نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے ہی شہر میں کیوں نہ ہو[2]۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ قیاسات فی نفسہٖ صحیح ہیں یا غلط؟ لیکن ان سے کم از کم اتنی بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں تعلیل و قیاس کی اتنی گنجائش موجود ہے کہ اس کے حصر پر کوئی اثر پڑے بغیر ان کے مصارف ثمانیہ میں وسعت ہو سکے —— اس کے بعد ہم مصرف سابع فی سبیل اللہ کی طرف

---

[1] بدایۃ المجتہد ۱/۲۷۶ [2] ردالمحتار ۲/

متوجہ ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس میں جو غزوہ و جہاد مراد لیا گیا ہے اس کو بعینہٖ اسی صورت حال پر نہیں رکھ سکتے اور نہ وہ نوعیت جو عہد نبوی میں تھی فی نفسہٖ مطلوب ہے بلکہ مقصد جہاد اعلاء کلمۃ الحق اور نصرت دین اسلام ہے، اس کے لیے جتنی شکلیں اور جتنے میدان مسلمانوں کو اختیار کرنے پڑیں وہ سب جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں اور یہ اس قدر بدیہی ہے کہ اس کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں، ظاہر ہے کہ حضورؐ یا صحابہؓ کے زمانے میں جنگیں تلوار، گھوڑے، اونٹ، ہاتھی، نیزے اور تیر کے ذریعے لڑی جاتی تھی، اگر جہاد سے مراد صرف عسکری جنگ بھی ہو تو یہ آلات اور ہتھیار آج کے دور میں ہم استعمال کر کے جہاد نہیں کر سکتے، آج کے دور میں عسکری جنگ کے لیے جو نئے نئے ہتھیار وجود میں آئے ہیں ان کو اختیار کر کے ہی اسلامی جہاد کیا جا سکتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ و جہاد کے لیے ہر دور کے لحاظ سے ہتھیار اور میدان تبدیل کرنے پڑتے ہیں۔ اس گفتگو کی روشنی میں آج کے دور پر ہم نگاہ ڈالیں تو آج کا دور عسکری جہاد سے زیادہ فکری، اقتصادی اور سیاسی جہاد کا ہے، جہاد تو آج بھی جاری ہے، مگر اس کی نوعیت بدل چکی ہے، اسی طرح میدان بھی نئے پیدا ہو گئے ہیں، اس لیے میرے نزدیک وہ تمام حضرات مجاہدین فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جو اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف کسی بھی اعتبار سے برسرپیکار ہوں، خواہ وہ فکری، سیاسی، اقتصادی کسی بھی طرح ان کا مقابلہ اور اسلام کی جانب سے دفاع کر رہے ہوں۔ یہ بالکل واضح حقیقت ہے مگر چند دلائل نمونے کے لیے پیش ہیں۔

(۱) اسلام کے نزدیک جہاد صرف قتل و خون کا نام نہیں ہے بلکہ جہاد باطل کو سرنگوں اور حق کا بول بالا کرنے کا نام ہے اور یہ مقصد تلوار کی طرح زبان اور قلم سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"کلمۃ حق عند سلطان جائر"[۱] رواہ احمد والنسائی والبیہقی۔

ظالم بادشاہ کے سامنے حق کا کلمہ بلند کرنا۔

(۲) حضورؐ نے فرمایا:

"فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من

[۱] التیسیر للمناوی ۱/۱۶۳

الإیمان حبة خردل.[1] رواہ مسلم؛

جو اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

(۳) حضورؐ نے فرمایا؛

"جاھدوا المشرکین بأموالکم وألسنتکم"[2] رواہ احمد وابو داؤد والنسائی۔

کہ مشرکوں سے اپنے مال، جان اور زبان کے ذریعہ جہاد کرو!

ان تمام مثالوں میں زبان کے ذریعہ نصرتِ دین کو بھی جہاد قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ جہاد کے مفہوم میں وسعت ہے مگر جس دور میں ضرب وحرب کی حد تک جہاد محدود تھا اس دور میں جہاد کا عمومی تصور یہی تھا، مگر آج کا دور ضرب وحرب سے بڑھ کر فکر وخیال کے جہاد کا ہے، اس لیے مفکرین کو چاہیے کہ آج کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے جہاد کے مفہوم کو متعین کرنے کے لیے سنجیدگی کا مظاہرہ کریں۔ البتہ یہ واضح رہے کہ زبان وقلم کے ذریعہ دین کا کوئی بھی کام جہاد کے ذیل میں اس وقت آئے گا جب کہ اس کا رخ کفار اور دشمنانِ اسلام کی طرف ہو، دشمنوں کے پھیلائے ہوئے فکری شکوک وشبہات کا دفاع کیا جائے یا ان کے سیاسی پروپیگنڈوں کی حقیقت کھولی جائے یا ان کی جانب سے مسلمانوں کے اقتصاد پر پڑنے والے منفی اثرات ختم کرنے کی کوشش کی جائے یہ سب جہاد ہیں، اس لیے کہ ان کا رخ دشمنوں کی جانب ہے —— لیکن جو دینی ادارے، اکیڈمیاں، خانقاہیں، مصنفین اور اہلِ قلم اپنی تمام تر قلمی، علمی اور لسانی کوششوں کا محور مسلمانوں کی اصلاح، ان کی اندرونی مشکلات کا حل اور ان کے دینی رجحانات کی بہتری کو بنائے ہوتے ہیں، ان کو مجاہدین میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ یہ جہاد کہلا سکتا ہے، اس لیے کہ جہاد کے لیے دشمن سے مقابلہ شرط ہے اور اس کا اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ مسلمانوں کے اندرونی امور کے بجائے مسلمانوں، اسلام یا اسلامی حکومت کی جانب سے اعدائے اسلام کے مقابلے میں کچھ کہا یا لکھا جائے۔ اعدائے اسلام میں وہ فرقے بھی داخل ہیں جن کو علماء امت نے اسلام سے خارج قرار دیا ہے —— اختصار کی ہزار ہا کوشش کے باوجود سوال نامہ کی نوعیت کے پیشِ نظر مقالہ توقع سے زیادہ طویل ہو گیا، مگر پھر بھی مجھے افسوس ہے کہ میں اطمینان کے ساتھ نہ لکھ سکا۔ خدا اس کو مفید بنائے اور ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے۔ آمین۔

---

[1] التیسیر للمناوی ۱/۳۵۸ [2] ایضاً۔

مصرف فی سبیل اللہ
ایک علمی جائزہ

از: مولانا عابد احمد مجیبی ندوی، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء و المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

قرآن کریم نے مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف سبیل اللہ کو قرار دیا ہے۔ سبیل اللہ کا مفہوم کیا ہے؟ اس سے فقہاء امت کیا مراد لیتے ہیں؟ اس میں کچھ اختلاف ہے لیکن اگر اس اختلاف کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب اختلافات بعد کی پیداوار ہیں۔ ابتداء عہد اسلام میں اس بارے میں ہمیں صرف دو قول ملتے ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے صرف مجاہدین مراد ہیں۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مجاہدین کے ساتھ حجاج بھی شامل ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔[1]

جیسا عہد صحابہ میں یہی دو قول ملتے ہیں۔ قول اول یعنی سبیل اللہ مصرف مجاہدین کے لیے خاص ہے یہ جمہور مفسرین کا بھی قول ہے اور مجتہدین امت خصوصاً ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام احمد اور امام اسحاق نے ایک روایت میں سبیل اللہ میں حاجیوں کو بھی داخل کیا ہے۔[2] ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں:

---

[1] فتح الباری ۲/۲۱۲ [2] علامہ شمس الدین عبدالرحمٰن بن محمد بن قدامہ المقدسی الشرح الکبیر (بالمغنی)

"ولکنی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللّٰہ ھھنا الغزوۃ من جملۃ سبیل اللّٰہ الا ما یؤثر عن احمد واسحاق انھما قالا انہ الحج"[1]

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"واما سبیل اللّٰہ فالاکثر علی انہ یختص بالغازی......

وعن احمد واسحاق الحج من سبیل اللّٰہ"[2]

جمہور امت کے نزدیک سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہد و غازی ہیں اور اس میں کوئی تعمیم نہیں ہے دور آخر کے بعض علماء نے اس میں تعمیم کی کوشش کی ہے اور اس کو تمام سبل خیر کے لیے عام کرنا چاہا ہے، لیکن ان کے پاس اس کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

جمہور امت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

قرآن کریم میں فی سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے اور کثرت سے ہوا ہے۔ جہاد کے علاوہ دوسرے معانی میں بھی اسے استعمال کیا گیا ہے مگر زیادہ تر جہاد کے لیے ہی مستعمل ہے۔ ایسے مواقع کم ہیں جہاں جہاد کے علاوہ دوسری چیزیں مراد ہوں، اور جہاں بھی فی سبیل اللہ مطلق بلا قرینہ کے مستعمل ہے وہاں صرف جہاد مراد ہونا ہی متعین ہے۔ امام طبریؒ فی سبیل اللہ کا مفہوم بیان فرماتے ہیں:

"وذلک ھو غزو الکفار"[3]

شرح کبیر میں ہے:

"سبیل اللّٰہ عند الاطلاق انما ینصرف الی الجہاد فان کل ما فی القرآن من ذکر سبیل اللّٰہ انما ارید بہ الجہاد الا الیسیر"[4]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے نام سے المقنع کی شرح لکھی ہے انھوں نے امام احمد کی دونوں روایتوں کو نقل کیا ہے اور جمہور کے موافق روایت کی تصحیح کی ہے، وہ فرماتے ہیں: اختلفت الروایۃ عن احمد رحمہ اللّٰہ فی ذلک فروی عنہ انہ لا یصرف منہا فی الحج وبہ قال مالک وابوحنیفۃ والثوری والشافعی وابوثور وابن المنذر وھی الاصح. الشرح الکبیر ۲/۷۰۶

[1] احکام القرآن لابن العربی ۲/۹۴۷

[2] فتح الباری ۳/۳۹۶ [3] تفسیر ابن جریر طبری ۱۰/۱۱۳ [4] شرح کبیر علی المقنع لابن قدامہ ۲/۷۰۶

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں :

"لکن عند الاطلاق ھذا اللفظ المقصود بھم الغزاۃ عند الناس"[1]

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :

"سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب لکن عند الاطلاق ینصرف الی الجہاد"[2]

جب قرآن کریم میں فی سبیل اللہ زیادہ تر جہاد کے لیے ہی استعمال ہوا ہے تو آیت زکوٰۃ میں بھی فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین ہی ہو سکتے ہیں۔ یہی ظاہر ہے۔

ایک حدیث صحیح میں بھی فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کی صراحت موجود ہے۔ موطا، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے :

"لاتحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لغاز فی سبیل اللہ او لعامل علیہا او لغارم او لرجل اشتراھا بمالہ او لرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاھداھا المسکین للغنی"[3]

حدیث میں "غاز فی سبیل اللہ" کے الفاظ سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ سبیل اللہ کا مصداق غازی ہی ہیں دوسرے لوگ نہیں ہیں۔

اگر فی سبیل اللہ کو عام کر دیا جائے اور اس میں ہر کار خیر کو داخل مانا جائے تو مصارف زکوٰۃ کے سلسلے میں احناف کے یہاں جو دو ضروری شرطیں ہیں وہ باطل ہو جائیں گی۔

پہلی چیز یہ ہے کہ ائمہ احناف کے یہاں عامل کے سوا بقیہ تمام اصناف میں احتیاج و فقر کا پایا جانا شرط ہے اور فی سبیل اللہ کی تعمیم سے یہ شرط پوری نہیں ہو سکے گی۔

"انما یعطی ھٰؤلاء الاصناف کلھم سوی العامل بشرط الفقر"[4]

ہر کار خیر کو اس میں شامل کر دینے سے فقر و حاجت کی شرط باقی نہیں رہے گی جب کہ مستحقین زکوٰۃ

---

[1] مبسوط ۳/۱۰ [2] عینی شرح ہدایہ ۲/۲۵۵ [3] سنن ابی داؤد ۱/۲۳۲

[4] فتح القدیر ۲/۲۶۵

کے لیے تمام فقہائے احناف نے بالاتفاق اسے شرط قرار دیا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ احناف کے یہاں زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بھی ضروری ہے کہ جس کو زکوٰۃ دے رہے ہیں اس کو اس کا مالک بنا کر دیں۔ عدم تملیک کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

" ولا یبنی بہا مسجد ولا یکفن بہا میت لانعدام التملیک وھو الرکن۔[۱]"

تملیک زکوٰۃ کا رکن ہے۔ کتب فقہ میں زکوٰۃ کی تعریف جہاں مذکور ہے وہ اسی طرح ہے:

" تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر الخ[۲]"

تملیک کے لیے اشخاص کو دینا ضروری ہے کہ اشخاص ہی مالک بن سکتے ہیں اور سبیل اللہ کو عام کرنے کی صورت میں ہر کار خیر اس میں داخل ہو جائیں گے، غیر اشخاص بھی۔ اس طرح تملیک کی شرط پوری نہیں ہو پائے گی۔ سبیل اللہ میں تمام کار خیر کو شامل کر لینے سے ائمہ احناف کی یہ دونوں اہم شرطیں باطل ہو جائیں گی۔

(۱) آیت کریمہ " انما الصدقات للفقراء والمساکین" میں انما کا حصر، حصر حقیقی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انما اپنے وضعی معنیٰ کے اعتبار سے حصر حقیقی کو بتاتا ہے۔ البتہ مجازاً کسی قرینہ سے حصر اضافی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ یہاں کوئی قرینہ اس کے مجازی معنیٰ کے لیے نہیں ہے۔ امام رازی اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

" فلفظۃ انما تفید الحصر .... کلمۃ ان للاثبات وکلمۃ ما للنفی فعند اجتماعہا وجب بقاؤھما علی ھذا المفھوم فوجب ان یفید اثبوت المذکور وعدم ما یغایرہ۔[۳]"

شرح کبیر میں ہے:

" قال انما الصدقات وانما للحصر تثبت المذکور وتنفی ما عداہ .... وذلک کقولہ تعالیٰ وانما اللہ الہ واحد أی لا الہ الا اللہ

---

[۱] ھدایہ ۱۸۶

[۲] کنز، ملتقی، تنویر۔ عالمگیری میں زکوٰۃ کی تعریف اسی طرح کی گئی ہے۔

[۳] تفسیر کبیر ۲/۱۰۵، ۹۶

وکقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما الولاء لمن اعتق[1]

مفسرین وفقہاء کے نزدیک اس آیت کریمہ میں حصر حقیقی ہے، اسی وجہ سے یہ قرآن میں مذکور اصناف کے علاوہ کسی دوسرے کو زکوٰۃ دینے سے منع کرتے ہیں۔ امام طبری فرماتے ہیں:

"انما سمی اللہ الاصناف الثمانیۃ فی الآیۃ اعلاما منہ خلقہ ان الصدقۃ لا تخرج من ھذہ الاصناف الثمانیۃ الی غیرھا"[2]

اسی طرح دوسرے فقہاء نے بھی صراحت کی ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں حصر حقیقی ہے حصر اضافی نہیں ہے۔

(۲) قرآن کریم میں فی سبیل اللہ سے زیادہ تر غزوہ وجہاد ہی مراد ہے۔ کتابوں کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

(۳) عہد صحابہ میں مصرف فی سبیل اللہ کے سلسلے میں صرف دو قول ملتے ہیں، اکثریت نے اسے جہاد کے ساتھ خاص کیا ہے اور بعض صحابہ نے حجاج کو بھی شامل کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں جب کسی مسئلہ میں صرف دو قول ملیں تو کیا بعد میں کوئی تیسرا قول اختیار کرنا درست ہے؟

اصول فقہ سے اس سلسلہ میں رہنمائی لی جائے تو جواب یہ ملتا ہے کہ ایسی صورت میں کسی تیسرے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ صحابہ کرام سے کسی مسئلہ میں دو اقوال منا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ نے ان ہی دو اقوال پر اتفاق کر لیا اور ان کے پیش نظر کوئی تیسرا قول نہیں تھا۔ اب ان ہی میں سے کسی اختیار کرنا ہوگا۔ ان اقوال سے خارج کسی قول کو حق وصواب مان لینا یہ تسلیم کرنا ہے کہ صحابہ نے خطا پر اتفاق کر لیا تھا اور صحابہ کے خطا پر متفق ہو جانے کا ظن بلا شبہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کسی مسئلہ میں صحابہ کے زمانے میں دو قول ملتے ہیں تو یہ اس بات پر نص ہے کہ حق ان ہی دونوں اقوال میں منحصر ہے۔ امام فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں:

---

[1] شرح کبیر ۲/ ۲۶۰ [2] تفسیر ابن جریر طبری ۱۰/ ۱۶۳

"وعلی ھذا الاصل یخرج ایضا انہم اذا اختلفوا اعنی اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اجماعاً علی ان ما خرج من اقوالہم فباطل"[1]

اس کی شرح کشف الاسرار میں ہے:

"ان الصحابۃ .... اذا اختلفوا فی حادثۃ علی قولین او اقاویل محصورۃ کان ذلک اجماعاً منہم علی انہ لاقول فی ھذہ الحادثۃ سوی ھذہ الاقوال وان ما خرج منہا باطل فلا یجوز احداث قول آخر وھو مذھب الجمہور"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اجماع کی مختلف قسمیں بیان کرتے ہوئے اختلاف علی قولین کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اجماع کثیر الوقوع اتفاق اہل حل وعقد است از معنیان امصار این معنی در مسائل مصرحہ فاروق اعظم یافتہ می شود کہ اہل حل وعقد برآں اتفاق کردہ دلوآں فتوی جم غفیر وسکوت باقین، دلواں اختلاف علی قولین کہ در حکم اتفاق بر نفی قول ثالث است"[3]

اصول فقہ کی ان تصریحات اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس قول کو پیش نظر رکھیں تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ عصر صحابہ میں کسی مسئلہ میں دو اقوال کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حق ان ہی اقوال میں محدود ہے اور کسی تیسرے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ان اختلفوا فی شیئ فالحق لایعدو اقاویلہم[4]

اب اس کی روشنی میں فی سبیل اللہ کے بارے میں غور کرلیں کہ صحابہ کرام سے اس سلسلے میں دو قول ہی (جہاد یا جہاد اور حج) ملتے ہیں۔ اب بعد میں کسی تیسرے قول کو اختیار کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہر کار خیر کو اس کا مصداق قرار دینے کی گنجائش نکلتی ہے یا نہیں؟

---

[1] اصول البزدوی، ص ۲۴۳ [2] کشف الاسرار شرح اصول البزدوی لعبد العزیز البخاری، ص ۹۵۳

[3] ازالۃ الخفاء ص۸۲ [4] حسامی ص۸۸، نور الانوار میں ہے: فانہم ان اختلفوا علی قولین کان اجماعاً علی بطلان القول الثالث ص۲۲۳

(الف) : زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے مصداق مجاہدین ہیں، یہی جمہور امت کا مسلک ہے۔

۳ ـــــ (ب) فی سبیل اللہ کے مصداق مجاہدین کے لیے احتیاج شرط ہے۔ ائمہ احناف نے اس کی صراحت کی ہے اور احناف کا یہ متفق علیہ قول ہے۔ امام جصاص رازی نے مجاہدین کے احتیاج و غنا کی واضح تشریح کی ہے جس سے اختلاف بہت حد تک دور ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"قد یکون الرجل غنیا فی اھلہ وبلدہ بدار یسکنھا واثاث یتأثث بہ فی بیتہ وخادم یخدمہ وفرس یرکبہ ولہ فضل مائتی درھم او قیمتھا فلا تحل لہ الصدقۃ فاذا عزم علی الخروج فی سفر غزو احتاج من آلات السفر والسلاح والعدۃ الی ما لم یکن محتاجا فی حال اقامتہ فینفق الفضل عن اثاثہ وما یحتاج الیہ فی مصرہ علی السلاح والآلۃ والعدۃ فتجوز لہ الصدقۃ"[1]

مفہوم یہ ہے کہ کبھی آدمی کے پاس ضروریات زندگی سے فاضل بقدر نصاب یا اس سے زیادہ دولت ہوتی ہے اور اس کو صدقہ لینا جائز نہیں ہوتا لیکن جب وہ جہاد کی تیاریاں کرتا ہے اور ہتھیار، سواری وغیرہ پر خرچ کرتا ہے تو اس کی یہ دولت ختم ہو جاتی ہے اور اسے تنگی ہو جاتی ہے تو اب اس کے لیے صدقہ لینا جائز ہے اور ایسا مجاہد بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

(۵) قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ مصارف زکوٰۃ آٹھ بتائے ہیں، اس لیے فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان کے غیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

"الآیۃ تدل علی انہ لاحق فی الصدقات لاحد الا لھذہ الاصناف الثمانیۃ وذلک مجمع علیہ"[2]

شرح کبیر میں ہے:

"ولا نعلم خلافا بین اھل العلم فی انہ لا یجوز دفع ھذہ الزکاۃ الی غیر ھذہ الاصناف"[3]

---

[1] احکام القرآن للجصاص ۳/۱۵۳ [2] تفسیر کبیر ۱۶/۱۰۹ [3] شرح کبیر ۲/۷۰۲

اگر مصارف زکوٰۃ کی تعلیل بھی کی جائے تو اس کی علت یا مد فقر و احتیاج ہی نکلے گی اور جس میں یہ علت پائی جائے وہ خود مصارف زکوٰۃ میں شامل ہوگا، علیحدہ نہیں رہے گا۔

" ان نفس الاسماء المذکورة فی الآیة تفید ان المناط فی الدفع الیهم الحاجة ...... فالحاجة هی العلة فی جواز الدفع"[1]

خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ان مذکورہ اصناف کے ساتھ خاص ہے ان اصناف میں سے ہی کسی کو ملے گی، ان کے علاوہ کسی دوسرے کو دینا درست نہیں ہے۔ امام کاسانی فرماتے ہیں:

" جعل اللّٰه تعالٰی الصدقات للاصناف المذکورین بحرف اللام و انه للاختصاص فیقتضی اختصاصهم باستحقاقها فلو جاز صرفها الی غیرهم لبطل الاختصاص وهذا لایجوز"[2]

ملا احمد بن ابی سعید معروف بہ ملا جیون فرماتے ہیں:

" ان اللّٰه تعالٰی نص الصدقة المفروضة علی الاصناف المعدودة یعنی انها مختصة بهم لا تتجاوز الی غیرهم"[3]

(۲) اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو متعین فرما دیا ہے اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ فی سبیل اللہ کا مصداق بھی جمہور امت کے نزدیک صرف مجاہدین ہیں۔ اب دینی اداروں (مثلاً اکیڈمیوں اور تنظیموں وغیرہ) کے لیے صدقات نافلہ اور عطیات ہی باقی رہ جاتے ہیں، اس لیے مناسب یہ ہے کہ جمہور امت کے مسلک کو چھوڑنے کے بجائے اہل ثروت کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے عطیات اور صدقات نافلہ کے ذریعہ دینی اداروں، اکیڈمیوں اور تنظیموں کا تعاون کریں۔

واللّٰه اعلم بالصواب

---

[1] فتح القدیر ۲/۲۶۹۔ بدائع میں ہے: فسبب الاستحقاق فی الکل واحد وهو الحاجة الا العاملین علیها ۲/۴۶ [2] بدائع ۲/۴۲ [3] تفسیرات احمدیہ، ص ۲۶۹

جوابات کا خلاصہ

(۱) آیت کریمہ "انما الصدقات للفقراء والمساکین" میں انما کا حصر، حصر حقیقی ہے۔

(۲) قرآن کریم میں فی سبیل اللہ سے زیادہ تر غزوہ و جہاد مراد ہے۔

(۳) عہد صحابہ میں جب کسی مسئلہ میں دو قول ملیں تو انہی دو میں سے کسی کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ ان کے علاوہ تیسرے قول کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) (الف) :۔ زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین ہیں۔

(ب) :۔ ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے حاجت شرط ہے۔

(۵) زکوٰۃ قرآن میں مذکور اصناف کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے غیر کو دینا جائز نہیں ہے۔

(۶) دینی اداروں کے لیے صدقات نافلہ اور عطیات سے کام لیا جائے۔

فی سبیل اللہ

از: ــــــــــــــــ مفتی عزیز الرحمن صاحب، بجنوری

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں ایک حکم شرعی بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے۔ اس لیے تفسیر کے صحیح اصول کے مطابق پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ خود مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اصحابؓ اور تلامذۂ اصحابِ رسول یعنی حضرات تابعین نے اس کی کیا تشریح کی ہے۔ ان حضراتؓ سے جو تفسیر ملے گی اس کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ دوسری کوئی رائے معتبر نہ ہوگی۔ عہدِ رسالت اور صحابہ وتابعین کے دور کے ماخذوں کا جہاں تک تتبع کیجیے فی سبیل اللہ کا اولین مصداق جہاد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ جب ان کے عرف میں بولا جاتا تھا تو اس سے جہاد ہی مراد ہوتا تھا۔ بعض اکابر سے جو حاج کا لینا منقول ہے وہ بھی حدیث ہی سے ثابت ہیں۔ اس طرح فی سبیل اللہ کا اولین مصداق جہاد ہی ہے اور ساتھ ہی بعض بعض مواقع پر حج بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کے نظائر بھی قرآن و حدیث میں ملتے ہیں، مثلاً اہل بیت کا ازواج مطہرات ہی اولین مصداق ہیں، جیسا کہ متعلقہ آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔ لیکن بعد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنینؓ وغیرہ کو بھی الھم .... فرما کر اس میں شامل فرمالیا۔ جہاد اور حج یہ دونوں ہی نص سے ثابت ہیں۔ اور نصوص میں یہ حکم کی علت پر مبنی بھی نہیں ہے۔ اس لیے اس مفہوم کو بدلنے یا اپنی طرف سے قیاس کر کے اس میں کسی اضافے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایک روایت میں صراحتاً فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی تقسیم کا معاملہ کسی نبی یا غیر نبی پر نہ چھوڑ کر خود ہی اس کے مواقع کو متعین فرمایا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ

"ان الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم
فيها هو فجزأها ثمانية اجزاء فإن كنت من تلك الاجزاء اعطيتك"

اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت کریمہ میں جو مصرف ہے وہ تحقیقی ہے تاہم فی سبیل اللہ کے متعلق جو امر زیر بحث ہے اس میں اس گفتگو کی چنداں ضرورت بھی نہیں رہ جاتی۔ مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد اپنی طرف سے کسی مصرف کے اضافے کی گنجائش امت کے لیے ہرگز نہیں ہے۔

اور تفسیر کے اصول صحیح کے مطابق فی سبیل اللہ کے عموم کا بھی کوئی جواز نہیں جو مفہوم قرن اول میں اس لفظ کا متعین تھا اور جس کے قائل جمہور رہے اس کو بدلنا بہت بڑی جرأت ہے۔

صاحب بدائع علامہ کاسانی کی طرف منسوب کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس میں تمام قربتوں کو شامل فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ علامہ موصوف نے عبارت:

"من جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في سبيل الخيرات والطاعات"

کے ذریعہ عام لغوی تشریح فرمائی ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ اذا کان محتاجا کی شرط بھی ہے۔ یہ جملہ خود بتلاتا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ کا مصداق متعین نہیں کیا گیا بلکہ ایک لغوی مفہوم بتایا گیا ہے ورنہ پھر تو منصوص مصارف ثمانیہ میں سے بیشتر کا ذکر کرنے کا فائدہ ہوگا۔ فی سبیل اللہ کا مصداق ہو تو ان سب کے ذکر کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی البتہ علامہ نے اس کے بعد ہی امام ابو یوسفؒ کے حوالے سے اس کا جو مصداق بتایا ہے وہ یہ ہے:

"قال ابو يوسف المراد منه فقراء الغزاة لان سبيل الله اذا اطلق
يراد به ذلك"

پھر امام محمدؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

"قال محمد المراد به الحاج المنقطع بهذا"

اصول بات تو یہی ہے کہ جو مفہوم تواتر کے ساتھ منقول ہے اسے بدلنے کی ضرورت ہے نہ کوئی جواز اس کا پایا جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف جو اقوال بھی ہیں جمہور کے مقابلے میں ان کی حیثیت شاذ اقوال کی ہے لہٰذا ان سے استدلال درست نہیں۔ تاہم ان اور امام محمدؒ کے بقول حاجی یہ حضرات بھی مصرف زکوٰۃ اسی صورت میں ہیں جب کہ محتاج اور فقیر ہوں صاحب نصاب نہ ہوں جیسا کہ صاحب بدائع کی مذکورہ

عبارت میں ایک نہیں تین تین جگہ یہ شرط ذکر کی گئی احادیث مصرف زکوٰۃ کے متعلق یہی اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر فقراء کو دے دی جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجتے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی:

"ان اللہ افترض علیہم صدقۃ تؤخذ من اغنیاءہم وترد فی فقراءہم"[1]

لا تحل الصدقۃ لغنی[2] اس اصل یعنی مصارف کے خلاف کوئی حکم دینے کے لیے صحیح وجہ چاہیے۔ اور بجز مؤلفۃ القلوب اور عاملین علی الصدقۃ کے یہ بنیادی وصف ہر جگہ موجود ہے حتیٰ کہ ابن سبیل میں بھی اگرچہ وہ اپنے گھر کا مالدار ہو۔ مؤلفۃ قلوب کو تو زکوٰۃ دینے کی علت تو واضح ہے اور عاملین کو دیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام کی طرف سے اس کام کے لیے مجبور ہیں، لہٰذا یہ بطور اجرت یا محنت کے نہیں بلکہ وہ چونکہ زکوٰۃ کے اصول کے لیے خاص کر دیے گئے ہیں اس لیے ان کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے بقدر کفاف اس سے ان کو دیا جاتا رہے گا تاکہ اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

فی سبیل اللہ کے سلسلے میں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی، اس لیے فقر کی شرط ہر صورت ملحوظ رہے گی، اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ اشکال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ جب فقر شرط ہی ہے تو پھر الگ سے اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت، فقراء و مساکین میں یہ حضرات داخل تھے ہی، فی سبیل اللہ کا مصداق ہی ان کا کافی تھا۔ اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر فقراء کے بعد مساکین کے تذکرے کی کیا وجہ ہے، کیوں کہ کوئی بھی تشریح کیجیے دونوں ہی غیر صاحب نصاب ثابت ہیں، لہٰذا فقراء کے لفظ میں مساکین بھی آ جاتے تھے بظاہر پھر ان کے جواب میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس قدر مشترک کے باوجود ان میں قدرے فرق بھی تھا، یہی جواب فی سبیل اللہ کے متعلق مذکورہ اشکال کا بھی ہے کہ عام فقراء و مساکین سے ان کی نوعیت الگ ہے۔ بسا اوقات تو یہ حضرات بظاہر صاحب نصاب ہوتے ہیں، مگر جہاد کے وقت حقیقۃً فقر ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص حوائج اصلیہ کے بعد بقدر نصاب مال کا مالک ہے، مگر جہاد کی تیاری کے وقت اسے اس سے کہیں زیادہ کی ضرورت ہے، اس کی ملکیت میں جو مال ہے وہ ناکافی ہے، لہٰذا اگرچہ وہ خود صاحب

---

[1] ابوداؤد شریف [2] ترمذی و ابوداؤد

نصاب ہے مگر اس وقت بکا طور پر وہ محتاج ہو گیا اور زکوٰۃ کی رقم کا اسباب جہاد کی فراہمی کے لیے لینا
اس کے واسطے درست ہے یہی معاملہ ابن السبیل کا بھی ہے، وہ اپنے گھر پر اگرچہ مالدار ہے مگر سفر میں تہی دست
ہونے کی وجہ سے اس کا عارضی فقر ثابت ہے، اور وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے، اگرچہ عموماً ان حضرات کے
متعلق مرفوع ہیں یہ اشکال ہو سکتا تھا اس لیے بطور خاص ان کو ذکر کر دیا گیا، نیز فقراء و المساکین عام ہیں اور
یہ دونوں مصارف (فی سبیل اللہ و ابن السبیل) خاص ہیں، اور عطف الخاص علی العام اور تخصیص
بعد التعمیم عام ہے۔ فی سبیل اللہ میں تعلیم و تبلیغ، ملکی جہاد اور رفاہ عام وغیرہ کو نیز علی العموم شامل نہیں
کیا جا سکتا، جب خود غازی۔ کے لیے فقر کی شرط ہے تو حضرات مذکورہ اس کے عموم میں شمول ہیں ان کے لیے بدرجہ
اولیٰ یہ شرط ہوگی، اور اگر یہ حضرات غیر صاحب نصاب ہوں گے تو انھیں زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لیے لینا صحیح
ہوگا، ورنہ نہیں۔ بعض حضرات تو اس حد تک عام کرتے ہیں کہ نشر و اشاعت اور دیگر دینی امور کے انتظامات کو
بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں یا اور یہ بھی بطلان ہے۔ اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا۔

فی سبیل اللہ

از: مولانا اعجاز احمد اعظمی، مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ

الف: فی سبیل اللہ کا آپ کے نزدیک مصداق کیا ہے؟ فی سبیل اللہ کے دائرے میں کون کون لوگ آتے ہیں اور اس کے دائرہ کی وسعت کہاں تک ہے؟

جواب: فی سبیل اللہ کا مصداق اصالۃً تو وہی ہے جو عہد صحابہ و تابعین میں معروف تھا، جس کو تمام ائمہ نے نقل کیا ہے، اور وہی عہد نزول قرآن میں عام طور سے متعارف تھا، اور چاروں ائمہ اس کے قائل ہیں، یعنی غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ، لفظ فی سبیل اللہ کا یہ مصداق اتنا مشہور و متعارف ہے کہ اس پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ لفظ اپنے عام لغوی معنیٰ میں نہیں ہے، یہ قرآن و سنت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے، جسے منطق کے عرف میں منقول شرعی کہتے ہیں، بلکہ جس عہد میں قرآن نازل ہو رہا تھا اس وقت کے لحاظ سے یہ منقول عرفی ہے، اس کا معنی اس دور میں وہی سمجھا جاتا تھا جو اوپر مذکور ہوا۔ مطلق بولے جانے کی صورت میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ذہنوں میں نہیں آتا تھا، پس اس کا یہ مفہوم متواتر اور قطعی ہے اس میں کسی طرح کے تردد اور ریب کی گنجائش نہیں ہے۔

اب رہا یہ کہ بعض اکابر سلف سے اس کا مصداق 'حاجی' منقول ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غازی مراد نہیں ہے، غازی تو بالاتفاق مراد ہے اور وہی اصل ہے، ان اکابر کا مقصد یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے دائرے میں حاجی بھی داخل ہے، حاجی اس کا اصل مفہوم اصطلاحی نہیں ہے اسی وجہ سے غازی مراد لینے میں کسی نے بجز اس کے کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے کہ یہ لفظ عام طور سے اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے،

چنانچہ اس سلسلے میں حوالے آگے آرہے ہیں۔ البتہ جن لوگوں نے اس کے مفہوم میں حاجی کو داخل کیا ہے، اس کے لیے انھیں یوں کہ استعمال و عرف سے دلیل نہیں ملی، اس لیے احادیث سے دلیل کا سہارا لینا پڑا، بلکہ صحیح لفظوں میں یہ ہے کہ چند ایک احادیث ہی کی وجہ سے انھوں نے حاجی کو اس کے مفہوم میں داخل کیا ہے۔

عن ام معقل قالت: لما حج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حجة الوداع وكان لنا جمل فجعله ابو معقل فى سبيل اللّٰه واصابنا مرض وهلك ابو معقل وخرج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فلما فرغ من حجه جئته فقال يا ام معقل ما منعك ان تخرجى معنا؟ قالت: لقد تهيأنا فهلك ابو معقل وكان لنا جمل هو الذى نحج عليه فاوصى به ابو معقل فى سبيل اللّٰه قال: فهلا خرجت عليه فان الحج فى سبيل اللّٰه، فاما اذ فاتتك هذه الحجة معنا فاعتمرى فى رمضان فانها كحجة. مختصراً۔ (۱)

حضرت ام معقل سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جسے ابو معقل نے فی سبیل اللہ وقف کر دیا اور ہم کو مرض لاحق ہوا، جس میں ابو معقل کا انتقال ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج میں تشریف لے گئے، پھر حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو میں آپ کے پاس حاضر ہوئی، آپ نے فرمایا کہ ام معقل کیا بات ہوئی کہ تم ہمارے ساتھ حج میں نہیں گئیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہم نے تیاری کر رکھی تھی، لیکن ابو معقل کا وصال ہو گیا، اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کرتے انھوں نے اسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی پر چلنا چاہیے تھا، کیوں کہ حج بھی تو فی سبیل اللہ ہے، خیر اب تو ہمارے ساتھ تمہارا حج فوت ہو گیا، اب تم رمضان میں عمرہ کر لو وہ حج کے برابر ہے۔

اسی معنی میں اور بھی روایتیں ہیں، ان میں ذکر ہے کہ ام معقل نے اپنے شوہر ابو معقل سے مطالبہ کیا کہ سفر حج کے لیے مجھے اونٹ دے دو، انھوں نے اس کے فی سبیل اللہ ہونے کا عذر بیان کیا، دریافت کرنے پر

---

(۱) ابو داؤد ۱/۲۷۸، مطبوعہ بیروت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لیے اونٹ دینے کا حکم دیا کہ یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔(۱)

اس حدیث سے بلاشبہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ کا ایک فرد ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی بہت نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق حضرات صحابہ کے نزدیک حج نہیں تھا ـــــ صرف جہاد تھا ـــــ کیوں کہ اگر ان کے عرف میں حج اس کا مصداق ہوتا تو ام معقل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے آخری حج کی سعادت سے محروم ہونا گوارا نہ کرتیں، وہ خود بخود ساتھ ہو جاتیں، یا اگر شبہ کے درجے میں بھی فی سبیل اللہ کا مصداق حج کو سمجھتیں، تو آپ سے دریافت کر لیتیں، لیکن جب ایسا نہیں ہوا حالاں کہ ان پر حج فرض تھا، جانے کا شوق بھی تھا، تیاری بھی تھی، مگر نہ گئیں، اور نہ مسئلہ دریافت کیا، تو یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کے عرف میں فی سبیل اللہ کا ایک ہی مصداق متعین تھا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی سہولت کے پیش نظر مرضی حق پاکر فی سبیل اللہ کے لغوی مفہوم پر نظر فرماتے ہوئے اس میں حج کو بھی داخل فرما دیا، تو در حقیقت یہ اس کا مصداق نہیں ہے، مصداق میں بلحاظ عموم لفظ کے داخل ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت تطہیر میں اہل بیت کا تذکرہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔(۱)

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے اے اہل بیت نجاست دور کر دیں اور تم کو اچھی طرح پاک وصاف کر دے۔

یہ آیت ظاہر ہے اور سیاق کلام شاہد ہے کہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہی اس کا مصداق اول ہیں، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی، نواسوں اور داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس لفظ کے عموم میں داخل فرمایا، اور فرمایا:

اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی۔(۲) اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس موقع پر آپ نے مذکورہ بالا آیت بھی تلاوت فرمائی تھی، ظاہر ہے کہ آپ نے یہ اہتمام اس لیے فرمایا کہ اہل بیت کے مفہوم میں ازواج مطہرات کا شامل ہونا تو بدیہی تھا، لیکن مذکورہ بالا حضرات کا اس کے مفہوم میں داخل ہونا واضح نہ تھا، اس لیے آپ نے اہتمام کر کے اس میں داخل فرمایا۔

علاوہ ازیں مصارف زکوٰۃ میں آئے ہوئے فی سبیل اللہ کے لفظ میں حاجی کے داخل ہونے کے سلسلے میں

---

(۱) سورہ احزاب (۲) تفسیر ابن کثیر ج۳/۔۔

ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اس حدیث کو مذکورہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں پیش کرنا برمحل اور مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث میں فی سبیل اللہ ایک دوسرے موقع پر آیا ہے۔ گو کہ وہاں بھی فی سبیل اللہ کا اصل معنی غزوہ ہی ہے مگر اس جگہ مسئلہ وقف کا ہے اور یہاں زکوٰۃ کا ہے اور جس قدر احتیاط اور اہتمام زکوٰۃ میں درکار ہے جو اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ایک ہے اس قدر اہتمام و احتیاط وقف کے مسئلے میں نہیں ہے کیوں کہ اس کا تعلق فرائض سے نہیں ہے۔

بہرحال حالت اطلاق میں اس کا اصل مصداق غزوہ و جہاد ہے۔ لفظ کے عموم لغوی کی مناسبت سے حج بھی اس میں داخل ہے اور یہ کہ امام کاسانی صاحب بدائع الصنائع نے جو تحریر فرمایا ہے کہ

"واما قوله تعالى وفي سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا"(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وفی سبیل اللہ" عبارت ہے تمام قربتوں سے۔ اس لیے اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرم ہو اور بھلائی کی راہوں میں کوشاں ہو جب کہ وہ محتاج ہو۔

تو یہ اس بات میں بالکل واضح ہے کہ صاحب بدائع نے یہاں فی سبیل اللہ کا مصداق تعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کی عموم لغوی تشریح کر کے اس کے تحت کار ہائے خیر کو داخل فرمایا ہے۔ اس کا مصداق انھوں نے بعد میں ائمہ سے نقل کیا ہے چنانچہ اس کے معاً بعد فرماتے ہیں کہ:

وقال ابو يوسف المراد منه فقراء الغزاة لان سبيل الله اذا اطلق في الشرع يراد به ذلك وقال محمد المراد منه الحاج المنقطع۔ (۲)

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس سے فقراء مجاہدین مراد ہیں کیوں کہ جب سبیل اللہ شریعت میں مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتے ہیں اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد منقطع حاجی ہے۔

صاحب بدائع کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ جتنے کار خیر ہیں سب "فی سبیل اللہ" جو آیت میں مذکور ہے ـــــــ کا مصداق ہیں۔ البتہ فی سبیل اللہ کے لغوی معنی کے عموم کے تحت داخل ہیں۔ کسی کے تحت کسی مناسبت سے داخل ہونا امر دیگر ہے اور اس کا مصداق ہونا امر دیگر ہے۔ علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں:

وسبيل الله عام يقع على كل عمل خالص سلك به طريق التقرب الى

---

(۱) بدائع الصنائع ج۲ ص۴۵ (۲) ایضاً ص۴۶

اللہ عز وجل بأداء الفرائض والنوافل وأنواع التطوعات وإذا أطلق فهو في الغالب واقع على الجهاد حتى صار لكثرة الاستعمال كأنه مقصور عليه(۱)

اور سبیل اللہ عام ہے ہر اس خالص عمل پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ کے تقرب کی راہ طے ہو، خواہ فرائض ہوں، نوافل ہوں یا مختلف مستحبات وغیرہ، لیکن جب مطلق بولا جاتا ہے اکثر اس کے معنی جہاد کے ہوتے ہیں یہاں تک کہ کثرت استعمال کی وجہ سے گویا اس کا معنی صرف یہی رہ گیا ہے۔

علامہ ابن اثیر کی اس تحریر سے سبیل اللہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی خوب واضح ہے۔ بہر حال آیت میں فی سبیل اللہ اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، ورنہ تو خود زکوٰۃ دینے والا بھی فی سبیل اللہ کا مصداق قرار پا کر نص قرآنی زکوٰۃ لینے کا مستحق قرار پا جائے گا۔ ولا قائل بذلک۔

مصارف زکوٰۃ کی بحث میں انما کے حصر کی بحث اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حصر کے حقیقی ہوتے ہوئے بھی فی سبیل اللہ کو عام کر کے اس میں بہت سے کار خیر داخل کیے جا سکتے ہیں تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ یہ حصر حقیقی ہے یا اضافی مقصد تو حقیقی ہونے کی صورت میں بھی ان حضرات کا حاصل ہو جاتا ہے جو فی سبیل اللہ کو عام کرنا چاہتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ جب ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حصر حقیقی ہے تو اس کے خلاف جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے چند احادیث لکھ کر بحث اس کی کہ ان کے مفاہیم کو آٹھوں اصناف میں سے کسی میں داخل کرتے حصر کے اضافی ہونے کا نظریہ پیش کیا ہے، لیکن یہ ان کی تنہا رائے ہے جو احکام کے اسرار و حکم کے بیان کے ذیل میں آئی ہے، موقع فتوی کی یہ نہیں ہے، اس لیے ساری امت کے اجماع و اتفاق کے خلاف نہ وہ قابل قبول ہے اور نہ لائق استدلال!

احکام کے باب میں قرون اولیٰ میں جس لفظ کا جو مصداق متعین ہو چکا ہے اور اس پر بلا نکیر عمل جاری رہا ہے اس پر تواتر و تعامل کی وجہ سے گویا اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس لیے اس کو اختیار کرنا ضروری ہے اور اس کو ترک کرنا درست نہیں ہے، البتہ کسی مناسبت کے لحاظ سے کسی اور کو اس کے تحت داخل کریں تو گنجائش ہے۔

(ب) جو لوگ فی سبیل اللہ کا مصداق ہوں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے فقر کی شرط ہے یا نہیں؟

بلا شبہ فقر شرط ہے، یہ شرط کہیں باہر سے نہیں چسپاں کی گئی ہے، خود صدقہ و زکوٰۃ کے مفہوم سے یہ شرط ظاہر

---

(۱) تاج العروس بحوالہ النہایہ ۱۰/۲۹۳

ہوتی ہے۔ اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ شریعت کا عرف جو نبوت سے آج تک رائج ہے اور ہر مسلمان کو بداہۃً معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ تنگ دست اور غریب ہی کو دیا جاتا ہے۔ جہاں زکوٰۃ و خیرات کا ذکر آتا ہے سوائے اہلِ فقر اور اہلِ حاجت کے کسی اور طرف ذہن منتقل ہوتا ہی نہیں۔ اس لیے یہ بات بطور ضروری کے متعین ہے کہ صدقہ کا مصرف ہونے کے لیے فقر بنیادی وصف ہے۔ اس کے خلاف کے لیے دلیل کی ضرورت ہے ——— اور یہ دلیل صرف عاملین اور مؤلفۃ القلوب میں دستیاب ہے۔ اس لیے ان دونوں میں فقر شرط نہیں ہے ——— اور خود فقر کے شرط ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ان بدیہیات شرعیہ پر دلیل کا مطالبہ محلِ حیرت ہے۔ البتہ جن لوگوں نے مذکورہ بالا دونوں صنفوں کے علاوہ بھی غنی کو زکوٰۃ دینے کی اجازت دی ہے ان سے دلیل کا مطالبہ معقول ہے۔

چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلے پر ایک حدیث سے استدلال کیا۔ کیوں کہ وہ غازی کو اگرچہ وہ غنی ہو زکوٰۃ دینے کے جواز کے قائل ہیں۔ حدیث یہ ہے:

لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة: لغاز في سبيل الله او لعامل عليها او لغارم او لرجل اشتراها بماله او لرجل له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدى المسكين للغني۔ رواه مالك في الموطا (۱)

صدقہ پانچ شخصوں کے سوا کسی غنی کے لیے حلال نہیں ہے۔ ایک غازی فی سبیل اللہ، دوسرے عامل، تیسرے مقروض، یا پھر ایسا آدمی جس نے صدقہ کا مال اپنی رقم سے خرید لیا ہو، یا پانچویں وہ شخص جس کا کوئی پڑوسی مسکین ہو، اسے صدقہ دیا گیا، اس نے وہی صدقہ اس غنی کو ہدیہ کر دیا۔

اس روایت سے شوافع نے استدلال کیا ہے کہ غازی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس کے مقابلے میں جن لوگوں نے فقر کو ضروری قرار دیا ہے، انھوں نے بھی حدیث سے استدلال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت صحاح ستہ میں موجود ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کیا تو منجملہ اور تعلیمات کے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ

فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة في اموالهم تؤخذ من اغنيائهم وترد في فقرائهم (۲)

---

(۱) اوجز المسالک ج ۳/ ۱۶۲ (۲) بخاری مع فتح الباری ج ۳/ ۳۲۲

انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے مالوں میں ان کے اوپر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء میں واپس کیا جائے گا۔

یہ تعلیم کا موقع تھا اس میں احکام کا بیان مقصود تھا۔ ایسے موقع پر آپ نے مطلق فقر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے مستحقین میں فقر شرط ہے۔

روى الامام احمد بسنده الى عبيد الله بن عدي عن رجلين من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم انهما اتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسالاه الصدقة فصعد فيهما البصر فرآهما جلدين فقال ان شئتما اعطيتكما ولاحظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب۔

روى عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي رواه ابوداؤد والترمذي وقال حسن صحيح۔

امام احمد نے اپنی سند سے عبید اللہ بن عدی سے روایت کی ہے کہ دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے صدقہ کا سوال کیا۔ آپ نے نگاہ اٹھا کر انھیں دیکھا تو دونوں کو تندرست اور ہٹا کٹا دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو تمھیں دے دوں۔ لیکن سن لو کہ اس میں غنی کا اور اس شخص کا جو کمائی پر قادر ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کسی غنی اور طاقتور تندرست شخص کے لیے حلال نہیں ہے۔ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ استحقاق زکوٰۃ کے لیے فقر ضروری ہے اور کمانے کے لائق ہونا تو دو طرح دلائل سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیقاً مگر صفت فقر کی کو رجحان نہ پایا ہو یا قوت کسب کی وجہ سے بھی صدقہ کی ممانعت کر دی۔ اور اگر کسی کو امراء ہو کر کمانے کے لائق ہونا بھی زکوٰۃ لینے سے مانع ہے تو جائے

مقصد کے لیے کچھ مضر نہیں۔

البتہ موطا والی روایت جس سے غنی غازی کے لیے صدقہ کے جواز پر استدلال کیا گیا، اس سے استدلال خاصا محل نظر ہے، اس تفصیل یہ ہے کہ حدیث مذکورہ میں پانچ قسم کے اغنیاء کے لیے صدقہ جائز قرار دیا گیا ہے ان میں اول غازی ہے اور وہ تو یہاں زیر بحث ہے، دوسرے عامل، تو اس کے سلسلے میں قدرے گفتگو گزر چکی ہے اور کچھ آگے آرہی ہے، تیسرے غارم ہے، اسے غنی مجازاً کہا ہے، کیوں کہ جو شخص کسی دین یا غرامت میں مبتلا ہے، وہ باوجود کہ ظاہراً مال رکھتا ہو، لیکن اس کا سارا مال غرامت کی نذر ہو جانے والا ہے، پھر وہ کیا غنی ہوا؟ چوتھے وہ شخص جس نے زکوٰۃ کا مال خریدا ہو، یہ بالکل کھلی بات ہے کہ اس نے زکوٰۃ نہیں لی ہے، خریدی ہوئی زکوٰۃ تو اسے اپنے مال کے عوض میں دستیاب ہوئی ہے، اس لیے اس پر اطلاق مجاز ہے، پانچویں وہ شخص جس کو کسی مسکین نے زکوٰۃ کا مال جو اس کے قبضہ اور ملکیت میں آچکا تھا، بطور ہدیہ کے دے دیا، یہاں بھی غنی کو زکوٰۃ لینے والا مجازاً ہی کہا گیا ہے، حقیقتاً اس نے زکوٰۃ نہیں لی ہے، زکوٰۃ تو مسکین کو ملی تھی اور مسئلہ معلوم ہے کہ تبدل ملک سے شئی کی حقیقت بدل جاتی ہے، پس ان تینوں کو زکوٰۃ کا لینے والا مجازاً کہا گیا ہے، اگر اسی کی روشنی میں کوئی غازی کو بھی مجازاً ہی غنی قرار دے تو کیا اس کی گنجائش نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو غنی ہے اس نے جہاد میں جانے کا ارادہ کیا، اس کے لیے سامان جنگ وغیرہ خریدے، زاد راہ لیا، تو گو پہلے وہ غنی تھا، لیکن ان سامانوں کی خریداری میں عین ممکن ہے کہ اس کا غنا حقیقتاً ختم ہو جائے، کیوں کہ اس کی بیشتر رقم مصارف جہاد اور سامان جنگ کی خریداری میں صرف ہوگئی اور یہ سامان جنگ تو حوائج اصلیہ میں داخل ہیں، پس وہ مستحق زکوٰۃ ہوگیا اور ایسا فقر و غربت کی وجہ سے ہوا، لیکن چوں کہ پہلے وہ غنی تھا اس لیے دیکھنے والے اب بھی اسے ظاہراً غنی ہی سمجھیں گے، اس اعتبار سے اسے مجازاً غنی کہہ دیا گیا۔ صاحب بدائع فرماتے ہیں:

> واما استثناء الغازی فمحمول علی حال حدوث الحاجة وسماه غنیا علی اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجة۔ (۱)

> بہر حال غازی کا استثنا، تو وہ محمول ہے حاجت کے پیدا ہو جانے کی حالت پر اور اس کو حدوث حاجت کے پہلے کی حالت کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۴۶/۲

اتنا لکھنے کے بعد پھر وہی تفصیل لکھی ہے جو اوپر ذکر کی گئی، یہ توجیہ نہایت عمدہ اور قابل قبول ہے۔ اس سلسلے میں علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی نے بھی نہایت عمدہ بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

ان نفس الاسماء المذكورة فى الآية تفيد ان المناط فى الدفع اليهم الحاجة لما عرف من تعليق الحكم بالمشتق ان مبدأ اشتقاقه علة.

آیت مذکورہ میں اسماء خود دلالت کرتے ہیں کہ انھیں زکوٰۃ دیے جانے کے لیے مدار حکم احتیاج ہے، کیوں کہ معلوم ہے کہ جب حکم کسی مشتق پر دائر ہوتا ہے تو اس کا ماخذ اشتقاق علت ہوتا ہے

وماخذ الاشتقاقات فى هذه الاسماء تنبه على قيام الحاجة فالحاجة هى العلة فى جواز الدفع الا المؤلفة قلوبهم فان ماخذ اشتقاقه يفيد ان المناط التاليف والا العامل فانه يفيد انه العمل........

وما استدل به اصحاب الشافعى من الحديث المذكور فالجواب عنه من وجوه، قيل انه لم يثبت، ولو ثبت لم يقو قوة حديث معاذ فانه اتفق عليه الستة ولو قوى قوته ترجح حديث معاذ بانه مانع وما رواه صحيح مع انه دخله التاويل عندهم، حيث قيد الاخذ له بان لا يكون له شئ من الديوان والاخذ آمن الفئ وهم اعم من ذلك وذلك يضعف الدلالة بالنسبة إلى مالم يدخله. (۱)

اور ان اسماء کا ماخذ اشتقاق قیام حاجت کو بتاتا ہے، پس حاجت ہی زکوٰۃ دینے کی علت ٹھہری البتہ مولفۃ القلوب میں علت تالیف قلب ہے اور عامل میں علت اس کا عمل ہے (بس یہی دو شکلیں ہیں) ان کو باوجود غنا کے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے)۔

اور حدیث مذکور سے اصحاب شافعی نے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب کئی طریقوں سے ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اور اگر ثابت ہو تو حدیث معاذ جیسی قوت نہیں رکھتی، کیوں کہ وہ صحاح ستہ کی روایت ہے اور اگر اس کی جیسی قوت بھی رکھتی ہو تب بھی

---

(۱) اتحاف السادة المتقین ۴/۲۳۹-۲۵۰

حدیث معاذ ہی کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ مانع ہے اور جس سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے وہ مبیح ہے، علاوہ ازیں اس میں خود ان حضرات نے تاویل کا دروازہ کھول رکھا ہے، چنانچہ انہوں نے قید لگا رکھی ہے کہ وہی غازی غنی زکوٰۃ کا مستحق ہوگا جس کا وظیفہ بیت المال سے مقرر نہ ہو اور وہ اسے مال غنیمت سے حصہ ملتا ہو، حالانکہ غازی عام ہے اور اس تاویل کی وجہ سے اس کی دلالت بہ نسبت اس حدیث کی دلالت کے جس میں تاویل کا دخل نہیں ہے، کمزور ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر حدیث موطا اور حدیث معاذ دونوں ایک درجہ کی قوت رکھتی ہوں، جب بھی حدیث معاذ میں چونکہ فقراء کے ساتھ زکوٰۃ کو خاص کیا گیا ہے اس لیے اغنیاء کے حق میں وہ عدم جواز پر دلالت کرتی ہے، اور حدیث موطا ایک خاص غنی کے لیے اباحت ثابت کرتی ہے اور قاعدہ ہے کہ مبیح دلیل اور مانع دلیل میں تعارض ہو، اور دونوں مساوی ہوں تو احتیاطاً مانع کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حدیث موطا، خود شوافع کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں ہے اس میں یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ اس غنی غازی کو حکومت کے بیت المال سے وظیفہ نہ ملتا ہو اسی طرح مال غنیمت جو مال غنیمت کا ایک شعبہ ہے، اس میں سے اس کا حصہ نہ ملتا ہو تب وہ مستحق زکوٰۃ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس تاویل کے بعد اس کے ظاہری معنی پر اس کی دلالت اس حدیث کے مقابلے میں ضعیف ہو جائے گی جس میں اس طرح کی کوئی تاویل نہیں ہے، چنانچہ معلوم ہے کہ حدیث معاذ میں کوئی تاویل نہیں ہوئی ہے۔

تکمیل بحث کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشہور امام ابوبکر جصاص نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے بھی درج کر دیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ

وجميع من ياخذ الصدقة من هذه الاصناف فانما ياخذ صدقة بالفقر والمؤلفة قلوبهم والعاملون عليها لا ياخذ ونها صدقة وانما تحصل الصدقة في يد الامام للفقراء ثم يعطى الامام المؤلفة منها لدفع اذيتهم عن الفقراء وسائر المسلمين ويعطيها العاملين عوضا عن اعمالهم لا على انها صدقة عليهم وانما قلنا ذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم امرت ان آخذ الصدقة من اغنيائكم وارد ها في فقرائكم فبيّن ان الصدقة مصروفة الى الفقراء فدل ذلك على ان احداً لا ياخذ ها صدقة الا بالفقر وان

الاصناف المذکورین انما ذکروا بیانا لاسباب الفقر۔ (۱)

ان اصناف میں سے جتنے لوگ صدقہ لیتے ہیں وہ فقر کی وجہ سے بطور صدقہ کے لیتے ہیں، اور مولفۃ القلوب اور عاملین علیہا اسے بطور صدقہ کے نہیں لیتے۔ صدقہ اولاً امام کے قبضہ میں برائے فقراء جاتا ہے، پھر امام اس میں سے مولفۃ القلوب کو دیتا ہے تاکہ فقراء اور مسلمانوں سے ان کی ایذا رسانی کا سدباب کرے اور عاملین کو ان کی محنت کے عوض میں دیتا ہے بطور صدقہ نہیں۔ (۲) اور ہم نے اس لیے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں لوٹا دوں، آپ نے بیان فرمایا کہ زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی صدقہ لے گا، فقر ہی کی وجہ سے لے گا اور مذکورہ اصناف کا بیان اسباب فقر کی تفصیل کے لیے کیا گیا۔ (گویا مذکورہ بالا دونوں اصناف کے علاوہ سارے نام اسباب فقر کو بیان کرتے ہیں)۔

(۵) مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ مصارف زکوٰۃ پر قیاس کرنا گویا دوسری اصناف کو جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، مصارف کے دائرہ میں لانا ہے، یہ بات حصر کے منافی ہے اور گزر چکا ہے کہ حصر پر تمام علماء کا اتفاق ہے، پھر یہ کہ قیاس وہاں کیا جاتا ہے، جہاں کسی فرد کے بارے میں کوئی حکم شرعی ثابت نہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی نص نہ ہو، تو اشتراک علت سے اس کو کسی منصوص کے دائرے میں لایا جاتا ہے، اصناف مذکورہ میں سب کلیات ہیں اور ان میں مناط حکم جیسا کہ بتایا جا چکا تین ہیں، بعض اصناف میں فقر ہے، بعض میں عمل اور محنت اور بعض میں تالیف قلب اب جن جن افراد میں ان میں سے کوئی علت موجود ہوگی، وہ خود بخود انھیں اصناف کے تحت آجائیں گے، الگ سے کسی صنف کے بڑھانے کی گنجائش نہیں، اس لیے قیاس کی ضرورت نہیں جہاد قلمی، جہاد ثقافی، جہاد فکری کے لیے کسی نئی صنف کی کیا ضرورت ہے؟ ان کو جہاد عسکری کے تحت

---

(۱) چونکہ عاملین کو خالص صدقہ کے طور پر زکوٰۃ نہیں ملتی بلکہ بطور اجرت ملتی ہے اور خالص اجرت بھی نہیں ہے اس لیے غنی کے لیے جائز ہے اور ہاشمی کے لیے جائز نہیں ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) احکام القرآن ۳/۱۳۰

داخل کیجیے، لیکن ہاں فقر شرط ہے، مدارِ کار جہاد نہیں ہے، مدارِ کار فقر ہے اور فقر کی حدود متعین ہیں۔

(۶) اور اگر فی سبیل اللہ کی توسیع و تعمیم سے یہ مراد ہے کہ جن اشخاص و افراد کو فی سبیل اللہ کے تحت داخل کیا گیا ہے، ان کے علاوہ دوسرے ایسے رفاہی پروگراموں کو بھی اس کے دائرے میں لایا جائے، جن میں کسی فرد کے سپرد مال نہیں کیا جاتا، بلکہ بلا واسطہ اعطائے زکوٰۃ کے اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے، مثلاً کتابیں چھپوائی جائیں، پمفلٹ شائع کیے جائیں اور دوسرے منصوبوں اور پروگراموں، جلسہ جلوس اور سیمینار اور کانفرنسوں پر خرچ کیا جائے، اداروں کی مختلف ضروریات میں انھیں لگایا جائے، تو یہ توسیع و تعمیم بالکل بے بنیاد، بے دلیل، بلکہ خلاف دلیل ہے۔

یہ مسلّمہ امت میں مجمع علیہ ہے کہ زکوٰۃ اشخاص و افراد کے حوالے ہونی چاہیے، اس کو اس کے علاوہ کسی اور منصوبے پر خرچ کرنا جس میں زکوٰۃ کی بطور زکوٰۃ کے ادائگی نہ ہو خلاف اجماع ہے، قرون مشہود لہا بالخیر میں بلکہ اس کے بعد بھی امت میں کوئی قابل ذکر جماعت اس بات کی قائل نہیں ہوئی ہے کہ زکوٰۃ اشخاص کے علاوہ دوسرے مواقع خیر پر خرچ کی جاسکتی ہے اور جو کبھی اکا دکا اس طرح کے خیال کا اظہار کیا گیا ہے تو امت کے اجتماعی مزاج نے اسے کبھی قبول نہیں کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک تو تملیک شرط ہے، یعنی اصناف مذکورہ کو زکوٰۃ کا مالک و قبضہ دے دیا جائے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد رحمہ اللہ کے ایک قول میں صرف فی الرقاب کے سلسلے میں یہ وسعت ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے، بعض صحابہ سے بھی یہ قول مروی ہے، اس میں گو کہ تملیک نہیں ہے لیکن وہ رقم ایک فقیر ہی کے مد میں خرچ ہو رہی ہے، اس لیے حکماً وہ بھی تملیک میں داخل ہے، اور اس میں بھی ان کے نزدیک کچھ شرائط ہیں۔

والرقیق المومن لیشتری من الزکاۃ لاجل العتق بشرط ان یکون خالصا من شوائب الحریۃ فلا یصح عتق المدبر والمکاتب ونحوہ[1]

مومن غلام جو زکوٰۃ کی رقم سے آزادی کے واسطے خریدا جائے بشرطیکہ وہ آزادی کے شائبہ سے بھی پاک ہو، لیس مدبر اور مکاتب کو خرید کر آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ حضرات مصارف زکوٰۃ کے سلسلے میں بعض احتیاط ہیں، بات یہ ہے کہ ان حضرات کے قلوب میں

---

(۱) اوجز المسالک ۶/۳۵

الٰہی کی بڑی وقعت وعظمت ہے، اس لیے ان پر عمل کے سلسلے میں بہت حساس اور نہایت باریک ہیں، اس کے برعکس آج ہمارے قلوب اس عظمت وعقیدت کے احساس سے کافی حد تک عاری ہیں، جس کی وجہ سے متفق علیہ احکام بھی ذہانتوں کا کھلونا بنتے جارہے ہیں۔ فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آٹھ اصناف میں منحصر ہونے کا اشارہ سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے کلام میں ملتا ہے، مگر وہ بھی ان پروگراموں کو مصارف زکوٰۃ قرار دینے کے حق میں بالکل نظر نہیں آتے۔ ان کا ارشاد وہیں پڑھیے جہاں انھوں نے عدم انحصار کا اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

وتوع هو صدقات المسلمين جمعت في بيت المال ومن حقه ان يصرف الى ما فيه تمليك لاحد وفي ذلك قوله تعالى انما الصدقات للفقراء والمساكين. الآية.

اور ایک قسم مسلمانوں کے ان صدقات کی ہے جو بیت المال میں جمع کیے جاتے ہیں، اس کا حق یہ ہے کہ انھیں ایسے مصارف میں خرچ کیا جائے جن میں کسی شخص خاص کے لیے تملیک ہوتی ہے اسی بارے میں آیت "انما الصدقات للفقراء والمساکین" ہے۔

ملاحظہ ہو، اس میں انھوں نے زکوٰۃ کے مصارف کے لیے تملیک کو بنیادی شرط قرار دیا ہے، حد تو یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کو بھی غزاۃ سے آگے لے جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں:

والجملة في ذلك ان الحاجات من هذا النوع وان كانت كثيرة جدا لكن العمدة فيها ثلثة: (۱) المحتاجون وضبطهم الشارع بالفقراء والمساكين وابناء السبيل والغارمين في مصلحة انفسهم.

(۲) والحفظة وضبطهم بالغزاة والعاملين على الجبايات. (۳) الثالث مال يصرف الى دفع الفتن الواقعة بين المسلمين او المترقعة عليهم من غيرهم وذلك اما يكون بمواطاة ضعيف النية في الاسلام بالكفار او ببرد الكافر عما يريده من المكيدة بالمال ويجمع ذلك اسم المؤلفة قلوبهم او المشاجرات بين المسلمين وهو الغارم في حمالة متحملها.

(حجة اللّٰه البالغة ۴۹/۲)

مصارف زکوٰۃ میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ضروریات اس نوع کی اگرچہ بہت ہیں مگر بنیادی حاجات تین ہیں۔ اول محتاج، اس کو شارع نے فقرا و مساکین، ابن السبیل اور اپنی ذاتی مصلحت کے سلسلے میں غارم کی صورت میں متعین کیا ہے۔ دوسرے محافظین، انھیں شارع نے غازی اور عامل کے نام سے ضبط کیا ہے۔ تیسرے ایسا مال جو مسلمانوں کے درمیان آپس میں فتنوں کو دفع کرنے کے لیے ہو، یا ایسے فتنوں کو روکنے کے لیے جو غیر مسلمین کی طرف سے پیش آسکتے ہوں، اور یہ فتنہ اس طرح پیش آسکتا ہے کہ کوئی کمزور ایمان والا کفار سے ملا ہوا ہے، یا خود کافروں ہی کی طرف سے فتنہ پیش آنے کا امکان ہو تو ان کو کچھ مال دے کر ٹال دیا جائے، اس کے لیے مؤلفۃ القلوب کا نام ہے، یا خود مسلمانوں کے درمیان کچھ جھگڑے ہوں اور کوئی شخص مالی ذمہ داری لے کر صلح کرادے، یہ شخص مسلمانوں کی مصلحتوں کی وجہ سے غارمین میں داخل ہے۔

اس میں شاہ صاحبؒ نے فی سبیل اللہ کو فقط غزاۃ میں منحصر کردیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ان مشائخ کی جو صاف اور محکم عبارتیں ہیں ان سے صرف نظر کرلیا جاتا ہے اور جو عبارات متشابہ یا مجمل قسم کی ہیں جو کئی وجوہ کا احتمال رکھتی ہیں یا شاذ ہیں ان سے استدلال کیا جاتا ہے۔

دوسرے بزرگ جو فی سبیل اللہ کی تعمیم کے اس درجہ قائل معلوم ہوتے ہیں کہ تمام وجوہ خیر میں زکوٰۃ کا صرف کرنا ان کے خیال میں جائز ہے وہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم ہیں۔ لیکن یہی بزرگ دوسری جگہ جمہور ہی کے مسلک کے قائل ہیں اور فی سبیل اللہ سے غزاۃ اور مرابطین کو مراد لیتے ہیں اور اسی کو اولیٰ لاجماع الجمهور علیه قرار دیتے ہیں، چنانچہ سوالنامہ میں اس کا ذکر ان کی تفسیر فتح البیان ۴/۱۰۱ کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

بھلا جس مسلک کو انھوں نے اولیٰ قرار دیا ہے اس کے خلاف کے لیے انھیں کے قول کو حجت بنانا کس منطق سے درست ہے؟

رہے شیخ رشید رضا مصری اور شیخ شلتوت تو یہ لوگ تجدد کی آندھی میں اڑے ہوئے حضرات ہیں، یہ اپنی ذہانت کے بل پر تجدد کی راہ میں اتنی دور تک جا پہنچے ہیں کہ امت اپنے اسلاف کے اتباع پر قائم رہتے ہوئے ان کا ساتھ نہیں دے سکتی، یہ لوگ مسلک سلف پر استقامت اختیار کرنے والوں کو جامد قرار دیتے ہیں، ہمارے خیال میں یہ جمود جو امت کو اسلاف کی راہ پر قائم رکھے مبارک ہے، "سیال علماء" امت کو ہمیشہ نقصان پہنچاتے ہیں۔

تعمیم کے اس نظریہ کی تائید میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں، ایک یہ کہ قرآن و سنت میں کوئی ایسی صراحت

موجود نہیں ہے جس کی بنا پر ہم فی سبیل اللہ کو کسی خاص کار خیر کے لیے مخصوص کر سکیں لہٰذا فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنا اجتہادی مسئلہ ہے، اسی طرح کی بات قطب صاحب مرحوم کی کتاب الروضۃ الندیہ سے بھی نقل کی گئی ہے کہ

ولکن لا دلیل علی اختصاص ھذا السھم بہ بل یصح الصرف بذلک
فی کل ما کان طریقا الی اللہ عزوجل ھذا معنی الآیۃ لغۃ والواجب
الوقوف علی المعانی اللغویۃ حیث لم یصح النقل ھنا شرعا۔

لیکن اس حصہ کے غازی کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر کار خیر میں جو خدا تعالیٰ
کے قرب کا ذریعہ ہو اس کا خرچ کرنا درست ہے یہی آیت کا معنی باعتبار لغت کے ہے اور یہاں معنی
پر وقوف واجب ہے کیونکہ شرعاً کوئی صحیح نقل اس پر وارد نہیں ہے۔

نہ جانے یہ دعویٰ علم و فضل کے کس جوش میں کیا گیا ہے، نواب صاحب اور رشید رضا مصری سے پہلے کے تمام علماء جو بالاتفاق فی سبیل اللہ کا مصداق غزاۃ اور بعض اس میں منقطع الحاج کو داخل شمار کر کے قرار دیتے ہیں، گویا وہ اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ شریعت میں فی سبیل اللہ کا کوئی خاص مفہوم متعین نہیں ہے اس لیے اس کے لغوی معنی پر اسے محمول کرنا چاہیے یا وہ محل اجتہاد ہے کس قدر حیرت کی بات ہے کہ چند ایک افراد کا قول لے کر تمام امت کی، امت کے تمام ائمہ کی، علماء کی حتیٰ کہ صحابہ کرام کی تجہیل کی ذمہ داری قبول کی جائے۔ حضرت ام معقل کو بھی اس لغوی معنی کی خبر نہ تھی جبھی تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج میں شرکت سے محرومی برداشت کرلی، اس قسم کی باتیں اگر بہت رعایت کی جائے تو "نزلات الحکیم" میں داخل ہوں گی۔ ان سے پرہیز کرنا چاہیے

حقیقت یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق دورِ رسالت ہی سے متعین ہے، اس کے لیے کسی نقل و نص کی ضرورت نہیں ہے، یہ تواتر سے ثابت ہے، اس کے خلاف مراد لینا قرآن میں تحریف ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور استدلال حدیث کے مقتولین سے خون بہا ادا کیے جانے کا ہے، استدلال کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع نزاع، اصلاح ذات البین نیز مقتول کے [illegible] کو خوش کرنے کے لیے زکوٰۃ کے مال سے خون بہا ادا کیا، جب امن برقرار رکھنے کے مقصد سے رفع نزاع کے لیے مقتول کے ورثہ کو خون بہا میں زکوٰۃ دینا جائز ہے تو یہ بات بدرجہ اولیٰ جائز ہونی چاہیے کہ اسلامی مملکت میں امن و امان کے قیام اور اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کے لیے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے، مصالح عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ خرچ کر کے اسلامی مملکت کو استحکام بخشا جائے۔

یہ دلیل بھی محل نظر ہے اور استدلال بھی محل تردد ہے۔ دلیل کے سلسلے میں عرض ہے استدلال راوی کے اس قول سے ہے کہ

"فوداہ مائۃ من ابل الصدقۃ"۔

تو آپ نے صدقہ کے سو اونٹوں سے دیت ادا کی۔

اس کے متعلق مشہور حافظ حدیث، شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وفی روایۃ ابی لیلیٰ فوداہ من عندہ و فی روایۃ یحییٰ بن سعید فعقلہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من عندہ وفی روایۃ حماد بن سلمۃ من قبلہ وفی روایۃ اللیث عندہ فلما رای ذلک النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعطی عقلہ۔ (۱)

ابولیلیٰ کی روایت میں من عندہ کا لفظ ہے یعنی آپ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی اور یحییٰ بن سعید کی روایت میں بھی من عندہ کا لفظ ہے، حماد بن سلمہ کی روایت میں من قبلہ ہے (اس کا بھی وہی مطلب ہے جو من عندہ کا ہے) اور لیث کی روایت میں یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو اس کی دیت ادا کر دی (اس میں بھی من عندہ ہے اور نہ من ابل الصدقہ ہے)۔

دیکھیے اتنے ثقہ اور معتبر رواۃ کے نزدیک من ابل الصدقہ نہیں ہے، مطلب یہ ہوا کہ آپ نے صدقہ کے اونٹوں سے نہیں، بلکہ اپنے پاس سے ان کی دیت ادا کی تھی، اس لحاظ سے یہ دلیل ہی ختم ہوئی جاتی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ من ابل الصدقہ کہنے کی غلطی سعید بن عبید راوی سے ہوئی ہے، کیوں کہ یحییٰ بن سعید نے من عندہ صراحۃً نقل کیا ہے، لیکن بعض دوسرے حضرات کو تردد ہے کہ سعید بن عبید بھی ثقہ ہیں، اس لیے حتی الامکان راوی کی تغلیط سے بچنا چاہیے، یہ حضرات دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہیں۔ تطبیق کی وجوہ حافظ ابن حجر نے لکھی ہیں، ان سب کے نقل کرنے میں تطویل ہے، فتح الباری میں ملاحظہ فرمالیں، لیکن ساری تطبیقات و توجیہات کا حاصل ایک ہے، وہ یہ کہ آپ نے صدقات کے اونٹوں کو دیت میں نہیں دیا تھا، یا تو یہ کہ اپنے مال سے زکوٰۃ کے اونٹوں اونٹوں کو خرید لیا ہو، یا بیت المال کے عام مال سے دیت دی ہو، لیکن بلا عوض مل جانے

---

(۱) فتح الباری، ۱۲/ ۲۸۹

کی وجہ سے اس پر صدقہ کا اطلاق کر دیا گیا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں کو بطور قرض کے لے لیا ہو کہ بعد میں مال فے سے ادا کر دیا جائے گا۔

واضح ہو کہ یہ ساری وجوہ دونوں روایتوں کے جمع کرنے کی غرض سے ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی وجہ تسلیم کر لی جائے تو کسی روایت اور کسی راوی کی تغلیط نہیں کرنی پڑے گی۔ ورنہ لازماً ایک کی تغلیط کرنی ہوگی۔

دو ایک توجیہات ایسی بھی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے "من ابل الصدقۃ" کے لفظ پر جو اشکال ہو رہا تھا کہ خوں بہا میں صدقہ کے اونٹ بالکل خلاف دستور کیسے دیئے گئے، اس پر کہا گیا کہ ممکن ہے مقتول کے اولیاء زکوٰۃ کے مستحق رہے ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے مولفۃ القلوب والا حصہ ان لوگوں کو دیا ہو کہ اس میں اولیاء مقتول کی تالیف قلب کے ساتھ یہودیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک ہے کہ ان کے درمیان میں پائے گئے مقتول کی ذمہ داری سے ان کو بری کر دیا گیا، اس طرح وہ متاثر ہو سکتے تھے۔ اس اعتبار سے اسے مولفۃ القلوب والے حصے کے یہ لوگ مستحق قرار پائے۔

بہر حال یہ مسئلہ پریشان کن تھا کہ خوں بہا کی ادائگی زکوٰۃ سے کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ یہ آٹھوں مصارف میں شامل نہیں ہے اور یہ ممکن نہ تھا کہ قرآن کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عمل صادر ہو، اور اگر اس حدیث کو ٹھیک اس کے ظاہر کے مطابق قبول کر لیا جائے تو تمام علماء کو محسوس ہو رہا ہے کہ قرآن کے خلاف عمل تسلیم کرنا پڑے گا۔ پھر ایک صورت یہ بھی کہ قرآن کے حصر کو توڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے ــــــ حسب بیان معترض ــــــ اس کو مصارف زکوٰۃ میں شمار کر لیا جائے۔ چنانچہ کسی مجہول عالم کا یہ قول حافظ ابن حجر نے قاضی عیاض کے حوالے سے نقل بھی کیا ہے، لیکن اسے کسی درجہ میں قابل اعتنا نہیں شمار کیا گیا۔

حضور کا عمل قرآن کے خلاف ہو، ممکن نہیں، اس روایت کی وجہ سے حصر توڑ دیا جائے، اس روایت میں اس طاقت نہیں، بالخصوص جب کہ اس روایت میں غلطی محسوس کی جا رہی ہے اور دوسرے متعدد ثقہ راوی اسی حدیث میں ایسا لفظ روایت کرتے ہیں جو قرآن سے متعارض نہیں ہے اور جس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، پس یہاں دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ یا تو من ابل الصدقۃ کے لفظ کو خطا کہا جائے یا مذکورہ بالا توجیہات میں سے کسی ایک کو قبول کیا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسری راہ نہیں ہے۔ ان دونوں صورتوں میں دوسرے قول والوں کے مدعا کے لیے یہ حدیث ہرگز دلیل نہیں بن سکتی۔

اور استدلال کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر حدیث کو اس کی ظاہری صورت پر ہی قبول کر لیا جائے تو

بھی مدعا پر یہ دلیل منطبق نہیں ہو رہی ہے، اس لیے کہ مدعا یہ ہے کہ تملیک سے آزاد ہو کر کار ہائے خیر میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز ہے اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون بہا میں زکوٰۃ دی، ظاہر ہے کہ اس دلیل میں مکمل ہوئی تملیک پائی جا رہی ہے، پھر تملیک سے آزادی کے لیے اس کو دلیل کیوں کر بنا سکتے ہیں۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ زکوٰۃ محض رفاہ عام کی چیز نہیں ہے، یہ ایک عبادت ہے اس کی حدود حق تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں، ان حدود کی رعایت بطور عبادت کے کرنا چاہیے۔ اگر رفاہ عام کی چیز ہوتی تو اس کے لیے اتنے اہتمام سے مصارف بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی، اگر شاذ رایوں کا اعتبار کر لیا جائے تو غربا، و مساکین کو زکوٰۃ ملنی مشکل ہو جائے گی، یہ تنظیمیں، یہ اکاڈمیاں اور یہ رفاہی ادارے جو اپنی پشت پر موثر افراد کی طاقت رکھتے ہیں اور انھیں سرمایہ بھی زیادہ درکار ہوتا ہے، سب زکوٰۃ لے اڑیں گے اور غربا، و مساکین بلکہ مدرسے بھی منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

تفردات کو پڑھ لیجیے، مگر نہ انھیں استدلال میں پیش کیجیے اور نہ امت کے سامنے لائیے کہ اس سے ایک عجیب فکری انتشار ہوتا ہے۔

مصرف (في سبيل الله)

في الزكاة وفكرة المصارف الاسلامية

دكتور محمد محروس المدرس رئيس جمعية منتدى الإمام ابي حنيفة

بغداد - العراق

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحابته وفقهاء أمته ومن والاه - وبعد :

لاخلاف بين المسلمين أن الزكاة فرض ولا خلاف بينهم أن مصارفها ثمانية لقوله تعالى " انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم " (التوبة - الآية ٦٠)

والبحث في مصرف (في سبيل الله) هل هو سبيل معلوم محدد معروف أم هو كل قربة ؟ فنستعرض آراء الفقهاء في هذه المسألة كالآتي :

١ - الفريق الأول : أنه يصرف للغزاة وهؤلاء قسمان :

(أ) القسم الاول قال : يصرف في الغزاة عامة غنيهم وفقيرهم في ذلك سواء .

فمذهب الإمام مالك برواية ابن وهب عنه ، أن (سبيل الله) يعطى

منها الغزاة وموضع الرباط، فقراء كانوا أو أغنياء (١)

قال القرطبي: - وهو تحصيل مذهب مالك وهذا قول أكثر العلماء (٢)

وقال محمد بن عبد الحكم: وهو يعطي من الصدقة في الكراع والسلاح وما يحتاج اليه من آلات الحرب وكف العدو عن الحوزة لانه كله (من) سبيل الله ومنفعته (٣)

وقال ابن القاسم من المالكية: يعطي (من) الزكاة الغازي ولو كان معه في غزاته ما يكفيه من ماله وهو غني في بلده.

وقد صحح هذا الرأي القرطبي (٤) ونقل القرطبي عن ابن القاسم خلاف ذلك فقال: وكان ابن القاسم يقول: لا يجوز لغني أن يأخذ من الصدقة ما يستعين به على الجهاد وينفقه في سبيل الله وانما يجوز ذلك للفقير....

وقال: واذا احتاج الغازي في غزوته وهو غني له مال غاب عنه لم يأخذ من الصدقة شيئا ويستقرض فاذا بلغ بلده أدى ذلك من ماله....

وزعم أن ابن نافع وغيره خالفوه في ذلك (٤) والمنقول عن الامام الشافعي جواز دفعها الى الغازي وان كان غنيا (٥)

ب - القسم الثاني قال: يصرف سهم (في سبيل الله) الى منقطع الغزاة و فقرائهم، فمن كان ذا مال لا يعطي، ومن كان منقطعا عن ماله يعطي.

فقد ذهب الامام ابوحنيفة وصاحباه إلى أنه لا يعطي الغازي الا اذا كان فقيرا منقطعا به (٦)

قال ابو يوسف: المراد به منقطع الغزاة لان سبيل الله اذا أطلق في

---

(١) الجامع لاحكام القرآن للقرطبي ١٨٥/٨، بداية المجتهد ٢٧٦/١، تفسير آيات الاحكام للسايس وزملائه جزء٤

(٢) الجامع للقرطبي ١٨٥/٨ (٣) الجامع للقرطبي ١٨٥/٨ (٤) الجامع للقرطبي ١٨٥/٨-١٨٦ (٥) البدائع ٤٦/٢

روائع أحكام القرآن للكيا الهراسي ٢١٤/٣ (٦) احكام القرآن للجصاص ١٢٧/٣، الأموال ٦٠٦/٢، القرطبي ١٨٥/٨

الشرع يراد به ذلك (٥)

وقال عيسى بن دينار: تحل الصدقة للغازي في سبيل الله إذا احتاج في غزوته وغاب عنه غناؤه ووفره. وقال: لا تحل لمن كان معه مال من الغزاة، انما تحل لمن كان ماله غائباً عنه منهم.

وهذا مذهب الشافعي واحمد واسحاق وجمهور اهل العلم(١) ونقل عن الشافعي انها لا تجوز إلا لمن كان جار الصدقة لأن الصدقة عندهم ـ لا يجوز نقلها فتدفع الى الغازي المجاور دون غيره فقيراً كان أم غنياً (٢).

ولهؤلاء ـ بمقتضيهم ـ أدلة من السنة النبوية المطهرة، ستمرّ بنا ذكرها لاحقاً.

٢ ـ الفريق الثاني: أن سبيل الله يصرف في الحجاج والعمار وهذا مذهب ابن عمر وابن عباس (٣) من الصحابة ويروى عن ابن لاس (٤) من الصحابة أيضاً وتؤثر عن احمد واسحق رحمهما الله انهما قالا: سبيل الله الحج (٥) وهذا مذهب محمد بن الحسن الشيباني من اصحاب ابي حنيفة (٦) وبعضهم اشترطه في (منقطع الحاج) وهو منسوب لمحمد (٧) ونقل الآلوسي وغيره ان (المنقطع) معناه في سبيل الله (٨) ولهذا الفريق حجج وأدلة من السنة النبوية المطهرة سنعرج عليها بعدئذ ويفهم من تفسير معنى (المنقطع) الذي نقله الآلوسي انه لا يختص بالفقير دون الغني فلاحظه.

---

(٥) تقدم هامش (١) الجصاص ٣/١٢٧، القرطبي ٨/١٨٦ (٢) بداية المجتهد ١/٢٨٧،
احكام القرآن للإمام الشافعي جمع البيهقي ١/١٥٨، غنية ذوي الأحكام الشرنبلالي ١/١٩٩
روح المعاني ١٠/١٢٥، مشاريع بلغ مكاتب هذا البحث ١/٤٩
(٣) البدائع، الموضع السابق، الجصاص، المواضع السابقة، الآلوسي، الموضع السابق
(٤) المراجع السابقة. (٨) الآلوسي الموضع السابق.

والحجج الساقة في ضرورة (التمليك) للفقير أو لنائبه وهو (المصَّدِّق) سواء كان الاخراج للتمليك من حيث المعنى - عند أبي حنيفة - وذلك بالقرض مقرونا بالنية فيثبت ملك الفقير بعد ذلك من الله، أو صورة ومعنى - على رأى الصاحبين بالدفع اليه بعد القرض المقترالمقترون بالنية وان اجازوا ابطال الصورة بإذن صاحب الحق وهو الله وحججهم هي (١٦)

(١) قوله تعالى: ألم يعلموا أن الله هو يقبل التوبة عن عباده ويأخذ الصدقات (١٧)

(٢) قول النبي صلى الله عليه وسلم: "الصدقة تقع في يد الرحمن قبل أن تقع في كف الفقير"

(٣) قوله تعالى: "وآتوا الزكاة" (١٨) والإيتاء هو التمليك.

(٤) سمى الله جل جلاله الزكاة (صدقة) في قوله: "انما الصدقات" والصدقة تمليك،

(٥) أن الزكاة عبادة، والعبادة اخلاص العمل بكليته الى الله، يعني ينبغي انقطاع يد المزكي عما أصبح مالا للزكاة وذلك بالتمليك لله ثم الى الفقير (١٦)

غير أن الذي يبدو لي أن ما يدور في اذهان الفقهاء دوما، هم الفقراء والأشخاص الطبيعيون دون القرب الأخرى، فيكون تعميم الكاساني غير ذي جدوى لو بقينا محصورين فيما يدور في أذهانهم .. وعلى هذا:

فالترجيح عندي هو:

أن مصرف (في سبيل الله) يشمل كل القرب، سواء المدفوع (اليه) شخصا، أو المدفوع (فيه) جهة برفيها قربة لله، فالدفع للمستَحِق (تمليك):

---

(١٦) البدائع ٢/٨٩١-٨٩٢ (١٧) التوبة /١٠٤ (١٨) مواضع متعددة كثيرة منها البقرة /٤٣، ٨٣، ١١٠، ٢٧٧ ، النساء /٧٧ ، التوبة /٥، ١١، ١٨، ...

كما قالوا - وكذا الدفع للقائم على جهة البر - مسجدا أو مدرسة ...... الخ - هو عين الدفع للمستحق.

وحجتنا كالآتي :

١ - المعنى اللغوي لعبارة (في سبيل الله) فالسبيل، هو الطريق مطلقا(٧٩) ولفظة (سبيل) في النص من العام وخصوصها الإطلاق، فإن (النكرة في سياق الإثبات تخص)(٨٠) ولما أضيفت إلى (الله) قيد السبيل بسبيل واحد وهو ما يؤدي إلى الله، أي التقرب إليه، فمطلق (سبيل الله) يحمل على إطلاقه ما لم يرد دليل التقييد ..

كما أن النكرة إذا اتصل بها دليل العموم، تكون عامة، لأنها تحتملها كلفظة (كل) و (جميع) (٨١) ولفظة (سبيل) بإضافتها إلى لفظ الجلالة، لا تكون مختصة بسبيل دون سبيل. فكأنني أفهم منها العموم بهذا الاتصال.

قال ابن نجيم "قاعدة - المفرد المضاف إلى معرفة للعموم، صرحوا به في الاستدلال إلى أن الأمر للوجوب في قوله تعالى "فليحذر الذين يخالفون عن أمره" أي كل أمر لله(٨٢) - ويؤيده في اللغة والعرف العام إذ قالوا سبّل الشيء أي أباحه وجعله في سبيل الله(٨٣) من غير تحديد بسبيل دون سبيل.

ولفظة (سبيل الله) استعارة لطيفة مفيدة، وهي استعارة معنوية فلذلك لا تختص بسبيل معلوم لعدم وجود المعنى في الحقيقة بل هو معنى مجرد ليشمل (كل) سبيل إليه (٨٤)

---

(٧٩) الجصاص، الموضع السابق (٨٠) البزدوي ٢/٨١

(٨١) راجع البزدوي الموضع السابق ٢٠/١ ؛ الأشباه ص ٢٠٣ (٨٣) المعجم الوسيط ١/٤١٦

(٨٤) راجع أسرار البلاغة للجرجاني

على أن لفظة (السبيل) في القرآن وردت باستعمالات كثيرة.

فقد تأتي مضافا إليها (كابن السبيل) فيتحدد المعنى بهذا دون غيره. (٣٢)

وقد وردت في معنى الجهاد والقتال في مواضع (٣٣) ومع الإشارة إلى (الجهاد) و (القتال) في (سبيل الله) تجعل سبيل الله في ذلك الموضع قتالا أو جهادا، فإنه يبقى (الجهاد) و (القتال) مطلقا غير محدد بطريقة ولا بأسلوب فلا يفهم منه تحديد، بل هو بمعنى سبيل الله بأنواعه في الجهاد.

وقد تأتي لفظة (سبيل) مضافة إلى لفظ (الجلالة) لتعني مطلق ما يعد سبيلا لله.

مثل قوله تعالى: "الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما أنفقوا منا ولا أذى..." (٣٤)

ومثل قوله تعالى: "مثل الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله كمثل حبة أنبتت سبع سنابل..." (٣٥)

ومثل قوله تعالى: "قل يا أهل الكتاب لم تصدون عن سبيل الله من آمن تبغونها عوجا" (٣٦)

ومثل قوله تعالى: "للفقراء الذين أحصروا في سبيل الله لا يستطيعون ضربا في الأرض...." (٣٧)

فلم يكن الجهاد سبيلا لله في حق هؤلاء لأنهم لا يستطيعون ضربا في الأرض.

ومثل قوله تعالى: "قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به" (٣٨)

---

(٣٢) وردت في مواضع كثيرة لا ضرورة لذكرها (٣٣) راجع مثلا البقرة/١٩٠، ٢١٨، ٢٤٤، [illegible]، آل عمران/١٣، ١٥٧، ١٦٧، ١٦٩، النساء/٧٤، ٧٥، ٧٦، ٨٤، ٩٥ [illegible] وغير ذلك كثير [illegible]

(٣٤) البقرة/٢٦٢ (٣٥) البقرة/٢٦١ (٣٦) آل عمران/٩٩ (٣٧) البقرة/٢٧٣ (٣٨) البقرة/٢١٧

ثالثا، ماروى أن رجلاجعل بعيراله فى سبيل الله فأمره النبى(ص) أن يحمل عليه الحاج - (٣٦)

والحقيقة أقول:

ان هذا لايفيد حصر السبيل فيما ذكر، وذلك من وجوه:

الوجه الاول، الخبر للصحابى وليس من حديث الرسول، فقد يكون قال قولاً نفهم منه البعضية وليس الحصر.

الوجه الثانى، ان دلالة الاقوال أبلغ من دلالة الافعال (٣٧) على ما علم فى الاصول، فقول الرسول (ص) على الحصر أو الوجوب .. الخ وفعله (تذكرة) بعض أوجه (السبيل)، فالدليل محتمل وكل دليل داخله الاحتمال سقط به الاستدلال على الخصم» (٣٨)

الوجه الثالث:. ما نقله ابن الهمام فى الفتح مما أخرجه ابوداود فى باب العمرة عن ابى عبد الرحمن (٣٩) قال: أمرنى (كذا - أخبرنى) رسول مروان الذى أرسل الى أم معقل، فساقه الى أن ذكر قالت: يا رسول

---

(٣٦) البدائع ٢/٩٠٣، فتح القدير ٢/٢٦٤. (٣٧) البزدوى (٣٨) راجع رسالتنا العمرة والتكرار فى أوامر النصوص الشرعية، مقال مستل من مجلة "المجمع العلمى العراقى ١٩٧٧م

(٣٩) فى ابى داود: عن ابى بكر بن عبد الرحمن" ١/٢١٢، الحديث ١٩٨٨ باب العمرة ونصه عنده "حدثنا ابوكامل، ثنا ابوعوانة، عن ابراهيم بن مهاجر، عن ابى بكر بن عبد الرحمن، أخبرنى رسول مروان الذى أرسل الى ام معقل قالت: كان ابومعقل حاجا مع رسول الله (ص) فلما قدم قالت أم معقل: قد علمت أن على حجة، فانطلقا يمشيان حتى دخلا عليه فقالت يارسول الله ان علىّ حجة وان لابى معقل بعيرا قال ابومعقل صدقت جعلته فى سبيل الله فقال رسول الله (ص) أعطها فلتحج عليه فانه فى سبيل الله.

الله (ص) أن علي حجة وأن لأبي معقل بعيراً، قال أبو معقل: جعلته في سبيل الله، فقال رسول الله (ص):
أعطها فلتحج عليه فإنه في سبيل الله، ثم نقد ابن الهمام سنده، وذكر أن له طرقاً فيها أن الكلام كان
بعد وفاة أبي معقل، ثم قال: ثم فيه نظر لأن المقصود ما هو سبيل الله المذكور في الآية والذكر
في الحديث لا يلزم كونه إياه لجواز أنه أراد الأمر الأعم، وليس ذلك المراد
في الآية بل نوع مخصوص، وإلا فكل الأصناف في سبيل الله بذلك المعنى.(١)

قلت: إذن ابن الهمام لا يعتبر قول الرسول (ص) تفسيراً للآية، وهذا
يجب أن يستقيم عنده، وكما عمل به غيره، كما قدمنا، فلا يرفض ما لا يوافق
رأيه، ثم يقبل ما يوافقه.

وما سماه من دليل تحكم لا دليل عليه، ومستنده الوحيد "وإلا فكل
الأصناف في سبيل الله.." لا يمنع أن يذكر البعض لمزيد الاهتمام، ولدفع
التوهم ألا يكون الدفع لشخص هو غير سبيل الله فيما نراه لا يصدق، فإذا
أخذنا برأيه في رد حمل اللفظ على منقطع الحاج أو (الغزاة) لما قاله نرد به
عليه أيضاً. على أن بقية الروايات لا تخرج عما قدمنا.(١)

ثالثاً: أخبار مروية عن بعض الصحابة الكرام، فابن عباس قال: يعتق
من زكاة ماله ويعطي في الحج.(٢)

وسئل ابن عمر عن معنى سبيل الله في وصية لرجل أرادت امرأته
أن تفهم معناه، فحملته على حج بيت الله الحرام، قال: كنت جالساً مع عبد الله
بن عمر فأتته امرأة فقالت له: يا أبا عبد الرحمن إن زوجي أوصى بماله في سبيل
الله، فقال ابن عمر: فهو كما قال في سبيل الله، فقلت له: ما زدتها فيما سألت إلا
غماً، قال: فما تأمرني يا ابن أبي نعم؟ أتأمرني أن أدفعها إلى هؤلاء الجيوش الذين

---

(١) فتح القدير ٢/٢٦، ٢١٤، وقد ورد في الحديث التالي ١٩٨٨ قوله (ص) فهلا خرجت عليه فإن الحج
في سبيل الله ... وفي الحديث ١٩٩٠ مقارب له وإن اختلفت التفاصيل (٢) القرطبي ٨/١٨٥-١٨٦

يخرجون فيفسدون في الأرض ويقطعون السبيل.

قال: قلت فما تأمرنا؟

قال آمرنا أن تدفعها إلى قوم صالحين، إلى الحجاج بيت الله الحرام أولئك وفد الرحمن، أولئك وفد الرحمن، أولئك وفد الرحمن ليسوا كوفد الشيطان، ثلاثاً يقولها قلت: يا أبا عبد الرحمن، وما وفد الشيطان؟ قال، قوم يدخلون على هؤلاء الأمراء فينمون إليهم بالحديث، ويسعون في المسلمين بالكذب، فيجازون الجوائز، قلت، فهذا ليس تفسيراً للآية بل كلام يشرف صحبته وقد حمله على المعنى اللغوي العام الشامل ثم قصره على بعض معانيه لأسباب ودلائل رآها هو (رض) وهو من فقه الفتيا، مراعيا الزمن وحال المستفتي ..... الخ -

ولو كان هذا المصطلح معنى شرعي توقيفي لعمل عليه، ما نفى حمله على المقاتلة لمبرر رآه، فالمسألة إذن اجتهادية ويؤيده اختلاف السلف والخلف فيها.

إن أدلة هذا الفريق لا تدل على الحصر فلا وجه لحمل (سبيل الله) على معنى دون معنى.

على أن العبارات التي تنقل آراءهم لم تجزم أحداً بالحصر بل حمل اللفظ على معنى دون غيره، بل يفهم منها التشريك، كما مر في رأي محمد بن عبد الحكيم وغيره.

إن العدد وتقيين من فقهاء كل مذهب فهموا الحصر لأنه لم يرد عن أئمتهم نص وإن المفهوم عند البعض كالأحناف، لا يؤخذ به، فصلاً عن أن عبارات النقل عن الأئمة لا تفيد الجزم. فأنى يستقيم لهم ذلك؟

٥ إن تضارب آراء الأئمة فيما بينهم وتضارب النقل عن الواحد منهم لتدل دلالة واضحة على أن المسألة اجتهادية، فلا نقل صحيح قوي يتوقف على

تخصيص القرآن أو تقييده ولا اجماع صحيح على معنى دون غيره .

فالمجتهد فيه يلزم بما اجتهد نفسه ، ومن أراد تقييد نفسه برأيه ، ولا يحرم تقليد غير امامه في مسألة اذا ظهرت المصلحة والمنفعة . وهذا يعد مالي الترجيح في كل مذهب وبالنسبة لمذهب الاحناف لا يتناقض الاخذ بما ذهب اليه الكاساني مع أصل مذهبهم اذا قامت الحاجة اليه في مثل أزماننا (٤٣)

٦ ـــــ ما ورد في بعض الآثار مما يدل على أن بعض ما قالوا في بعض ما يطلق عليه (في سبيل الله) حيث وردت تلك الآثار مع (ص) التشبيه (٤٤)

٧ ـــــ فاذا يرد نا أدلة من ارد الاستدلال الحصر بحمل اللفظ على بعض معانيه فانه يسلم لنا ما رجحنا .

ولعل مما يؤيد هذا الترجيح : نظم الآية الكريمة نفسها لقوله تعالى " انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم "

فالى هذا الحد استعمل الشارع الحكيم الحرف (ل) صريحا ومقدرا في المعطوفات على الصريح ثم عدل عنه الى استعمال آخر وهو استعمال الحرف (في) من قوله تعالى " وفي الرقاب والغارمين ... " ثم كرره لزيادة التأكيد لقوله تعالى ... " وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم " فهل لهذا العدول فائدة ؟

يقول الامام الآلوسي في روح المعاني " والعدول عن الكلام

---

(٤٣) راجع بحثنا ، بيع الحقوق والمنافع في الفقه الاسلامي المقدم الى مجمع الفقه الاسلامي في الهند في دورته الثالثة

(٤٤) راجع الجصاص ـ ٣/١٢٧ وراجع (م/ثانيا) من الفقرة (٣) من مناقشتنا لأدلة أصحاب الرأي الحكم فيما لم نرجحه .

الى (في) في الأربعة الأخيرة على ما قال الزمخشري للإيذان بأنهم أرسخ في استحقاق الصدقة ممن سبق ذكره لما أن (في) للظرفية المنبئة عن احاطتهم بها وكونهم محلها ومركزها وعليه فاللام لمجرد الاختصاص.

وفي الانتصاف: ثم ان ثمّ سراً آخر هو أظهر وأقرب وذلك أن الأصناف الأوائل ملاك لما عساه أن يدفع إليهم وانما يأخذونه تملكاً فكان دخول اللام لائقاً بهم. أما الأربعة الأواخر فلا يملكون لما يصرف نحوهم بل ولا يصرف إليهم ولكن يصرف في مصالح تتعلق بهم.

فالمال الذي يصرف في الرقاب انما يتناوله السادة المكاتبون أو البائعون فليس نصيبهم مصروفاً الى أيديهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بملكهم لما يصرف نحوهم. وانما هم محال لهذا الصرف ولمصالحه المتعلقة به.

وكذلك الغارمون انما يصرف نصيبهم لأرباب ديونهم تخليصاً لذممهم لا لهم. وأما في سبيل الله فواضح فيه ذلك.

وأما ابن السبيل فكأنه كان مندرجاً في سبيل الله وانما أفرد بالذكر تنبيهاً على خصوصيته مع أنه مجرد من الحرفين جميعاً ....(٤٥)

فاختلاف النظم مشعر باختلاف الحكم، فاذا كان الفقير يعرف ويملك و كذا المسكين والعامل عليها، والذي يؤلف قلبه فإن المصارف الأخرى غير محددة المستحقين كما في (سبيل الله) أو لا تعطى لهم كما في بقية الأصناف.

فاذا كان المستحق لا تشترط معرفته فالمراد اذن (الجهة) أو (الهدف) دون الشخص، فهذا أشبه ما يكون بالواجب الكفائي الذي يراد به الفعل دون المكلف وكذا (سبيل الله) لما عمّ (كل قربة) فحسب مالا مالك فيها

---

(٤٥) روح المعاني ـ ١٠/١٢٢

نصل بالنظر إليه ما يستوعب فهذا فهم لطيف شريف.

وسنفصل في أمور أخرى لاحقاً.

٨ – وردت أحاديث تفيد الدفع من الزكاة لغير ما ذكره الائمة ، فقد دفعها رسول الله (ص) لا الى الغزاة ولا الى الحجاج أو العمار ولا الى طلبة العلم ولا... ولا... بل دفعها (لاطفاء النائرة)

وقال القرطبي : " وقد أعطى النبي (ص) مائة ناقة في نازلة سهل بن ابي حثمة اطفاء للنائرة " قلت : أي القرطبي : أخرج هذا الحديث ابو داود عن بشير بن يسار ، أن رجلاً من الانصار يقال له سهل بن ابي حثمة أخبره : أن رسول الله (ص) وداه مائة من ابل الصدقة ، يعني دية الانصاري الذي قتل بخيبر (٤٢) فالدية المدفوعة لم تعط للقاتل لانه سيكون غنياً بها وأعطيت (لاطفاء النائرة) كما أسماها القرطبي ، فهذا من رسول الله غير الذي ذكره ففيه مصلحة تأليف المؤمنين وجمع صفهم ودفع الفرقة عنهم ، فهل أحسن من هذا السبيل سبيلاً لله ؟

٩ – بقي شيء نعضد به حجتنا ، وذلك بأن نفهم سبب ذهاب الائمة الى فهم (سبيل الله) وحمله على بعض ما يطلق عليه ، فنقول :

الف : قلنا مراراً : ان عباراتهم والمنقول عنهم لا يشعر بالحصر ، والحصر قد الحقه بهم أتباعهم أو فهمه البعض تمسكاً بأقوال أئمة المذاهب مع انه لا دلالة للمقلد في الحصر .

وسيظهر هذا لاحقاً .

ب : ان الائمة – بل وعصورنا أيضاً – ما تزال الامور الفقهية تعالج على هيئة المسائل ، ونادراً ما يذهب البعض الى العمومية والتجريد

---

(٤٢) القرطبي ٨/١٨٦ ، وراجع ابو داود ٣/٣٢٥ – ٣٢٦ ، الحديث رقم ١٦٣٨ .

فقد بدأه الاحناف بالافتراض وانكره عليهم الغير كما أن في ازمتنا بدأت تصاغ أنكار عامة من جزئيات أقوال الفقهاء.

اذن ..... اجابة الفقيه المنقولة عنه، قد تكون خاصة بسائل معين أو ببلد او بظرف، أو اجابة توائم اسلوب السائل، أو .. أو .. الخ.

فجعل الاجابة الواحدة مستغرقة، تعميم من غير معمم وحمل للامر على غير محمله الرشيد.

ج: لم يكن في أزمانهم من سبيل الله غيرما أجابوا فيه من وجوه لان الدول كانت تتكفل بأغلب الحاجات، وديانة الناس قاهرة فهم يتطوعون لسد كل حاجة فحمل اللفظ على أغلب ماتقوم اليه الحاجة، لايعني الحصر.

ولهذا عمّم الكاساني (٣/) وهو فهم عميق دقيق، يتفق مع ما أوردناه آنفا

د: لعل من حمل (سبيل الله على الغزو الجهاد يعود سببه الى ورود آية الصدقات في سورة البراءة أو (التوبة) وهي سورة قتال وجهاد وحرب.

٩ــ ما قاله الكثير من جواز الدفع من سهم المؤلفة قلوبهم في أزمنتهم الى ما ينزل بالمسلمين من نوازل (١/٤٧) وهو قول الشافعي (ر) وقال الزهري: يعطى نصف سهمهم لعمار المساجد (٤٧/ب) وقال آخرون، يرجع الى سائر الاصناف او مايراه الامام (٤٧/ب) وكل ما تقدم من سبيل الله غير المذكورة آنفا، ومن غير المنصوص عليها .. لاحظه.

مدى القرب التي يشملها (سبيل الله)

يقول الكاساني ر: " أما قوله تعالى: وفي سبيل الله عبارة عن جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله، وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا[٤٧]

(٤٧/الف) احكام القرآن ١/٤٧ (٤٧/ب) الجامع القرطبي ٨/١٨١ (٤٧) البدائع ٢/٩٠٧

فيذهب من هذا انه يختص بالشخص الطبيعي الساعي في طاعة الله وعمل الخيرات و بشرط أن يكون محتاجا فبعد أن فتح الكاساني الباب رحبا واسعا عاد وأغلقه بشرطه التي وضعها ، وحصر ذلك بالشخص دون الجهة مع شرط الاحتياج بالشخص لا بالجهة التي هي سبيل القربة .

ولسى ظني ان هذا قائم على اشتراط (التمليك) عند الدفع ولذلك قال : "وعلى هذا يخرج صرف الزكاة الى وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات واصلاح القناطر وتكفين الموتى ودفنهم أنه لا يجوز"(٤) وقد ضربنا هذا النص . وهذا ما عليه كافة المتون المعتمدة في المذهب(٥)

وعلى هذا يكون المرحوم محمد على السايس ، قد فهم خطأ قول الكاساني ، حين قال :

" فيدخل فيه جميع وجوه الخير مثل تكفين الموتى وبناء القناطر ، والحصون وعمارة المساجد لان قوله تعالى (في سبيل الله) عام في الكل . وأيا ما كان فقد اشترط الحنفية للصرف في سبيل الله الفقر (٣)

ولا يلتئم المقطع الاخير مع البداية ، فكيف يشترط الفقر في الحصون والقناطر ..... الخ .

فما أكثر كثير من الآراء إلا سوء تقبلها ، و بعضها سوء فهمها ، ثم ينقل الفهم من مؤلف أو صاحب حتى آخر وهكذا .

ولهذا نقل الالوسي عن البحر أن قيد الفقر لا بد منه .. فحينئذ لا تظهر ثمرته في الزكاة وانما تظهر في الاوقاف والوصايا . (٤)

ان فكرة (التمليك) التي تؤكد فقهاء الحنفية بها أنفسهم لا يسعهم

---

(٤) البدائع ٢/٤٥ (٥) راجع المراجع السابقة (٥) تفسير آيات الأحكام ٢/٤٥

(٦/٥) الالوسي ١٠/١٢٢

يجوز لانه نائب عنه في القبض فكان قبضه كقبض الفقير (١)

وكل الامثلة المضروبة والتي فيها ما اشترطوه من ضرورة التمليك تتعلق بأشخاص طبيعية وليست معنوية أو جهة خيرية لا تملك لها بشخص بعينه وذلك كما اسلفنا لانهم يجيبون على المسائل واحيانا يفترضون.

والمسائل عملية للمبتلى ولذلك كل لديهم الافتراض في هذا المجال لكفاية الاوقات لوجوه البر، وكذا الدولة فانهم صدا جيدا تفتم.

التسليم الى (الساعي) أو (المصدق) وفكرة البنوك الاسلامية

الجانب الثاني المتعلق بهذه المسألة هو :

امكان الاستفادة من أموال الزكاة في تأسيس مصارف (بنوك) اسلامية وخاصة في بلاد مثل الهند ودول شبه القارة الهندية لتحقيق مصالح اسلامية عامة. فهل يمكن تخريج ذلك فقهيا.

الجواب .... نعم.

فاذا اعتبرت البنوك التي تؤسس برأسمال بسيط ليس يبغون الربح بمثابة (ساعي) أو (مصدق) فيحق لها جباية الزكاة بهذا الاعتبار وهي (اسلامية) تماما تخرج عن الخلاف في موضوع (التمليك) ويمكن لهذه المصارف شراء أسهم المؤسسين على افتراض حسن نيتهم عند التأسيس وهو ايجاد الجهاز القانوني لظهور المصرف (البنك) ليقوم بممارسة عمله.

وينص في نظام البنك على جواز قيامه بهذا العمل جمع الزكاة، وكذلك تنمية أموالها والاتجار بها ومن ثم توزيع ما يقرر سنويا من حصة

في وجوه البر المختلفة التي يحتاجها المسلمون .

وتصرف (أجور الكفاية) للعاملين عليها من موظفي المصرف (راجع المراجع السابقة بحث العاملين عليها) .

كما أن اضافة (النماء) الى أصل المبالغ مبرر لأن سوائم الصدقة كانت تلد وتسمن فيلحق النماء بأصله - متصلا أو منفصلا .

كما يمكن لهذه المصارف قبول الودائع من المسلمين ، على أساس (المشاركة) في أعمال (وفق تفصيلات توضع لهذا) . في استثمار تلك المبالغ (ودائع) أو (قروض) (كانت في الحساب الجاري) او (مضاربة) إذا كانت على سبيل المشاركة .

كما يحدد القانون نوع الاعمال المصرفية التي يمارسها المصرف بما يحقق نفعا لفقراء المسلمين ومساكينهم وغيرهم وحفظ كيانهم ... الخ .

(على أن هذه النقاط مما أقترحه بتبريرات فقهية يقدمها مستشار للبنك أو هيئة ، أو قد تعرض بعض المسائل على هذا المجمع الموقر أو غيره .

ولهذا الموضوع تفصيلات ينبغي استيفاؤها بعد أن تقرر جواز انشاء مصارف اسلامية بأموال الزكاة وتقدم مشروع قانون بذلك من خبراء شرعيين وفق هذه الدراسة أو ما يقدم من الافاضل المشاركين وكذلك من خبراء قانونيين ، ليكتمل هذا نظام البلاد المالي والقانوني فهذه خطوة ثانية بعد حسم الاولى .

والله الموفق وهو الهادي الى سواء السبيل .

المراجع

١ـــ القرآن الكريم

٢ـــ الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي) لأبي عبدالله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي (ت ٦٧١هـ) ط ٢ بالأوفست عن طبعة ١٩٥٢م

٣ـــ روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني لأبي الثناء محمود شهاب الدين الألوسي الحسيني البغدادي (ت ١٢٧٠هـ) ط ٢ مصورة عن طبعة المنيرية، دار إحياء التراث - بيروت.

٤ـــ أحكام القرآن / لأبي بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص الحنفي (ت ٣٧٠هـ) ط ٢ مصورة بالأوفست، دار الكتاب العربي بيروت ١٩٨٦م

٥ـــ أحكام القرآن / الإمام محمد بن إدريس الشافعي (ت ٢٠٤هـ) جمعه أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي ت ٤٥٨هـ، ط، (دار القلم بيروت)

٦ـــ أحكام القرآن لعماد الدين محمد الطبري المعروف بالكيا الهراسي ت ٥٠٤هـ (دار الكتب العلمية - بيروت، دار الباز - مكة المكرمة)

٧ـــ تفسير آيات الأحكام / الشيخ محمد علي السايس ط ١ (مطبعة محمد علي صبيح - مصر ١٩٥٣م)

٨ـــ سنن أبي داود / للحافظ أبي داود سليمان بن الأشعث السجستاني الأزدي (ت ٢٧٥هـ دار الحديث - القاهرة، ١٩٨٨م)

٩ـــ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع / لعلاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفي المعروف بملك العلماء (ت ٥٨٧هـ - مطبعة الإمام مصر: بدون تاريخ)

١٠ـ الهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني (ت ٥٩٣) وشرح فتح القدير عليها، لكمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي ثم السكندري المعروف بابن الهمام الحنفي (ت ٨٦١ هـ ط. بالأوفست - دار الفكر - بيروت - بدون تاريخ).

١١ـ الهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني وشرح العناية عليها لأكمل الدين محمد بن محمود البابرتي الحنفي (ت ٧٨٦هـ ط بالأوفست دار الفكر - بيروت - بدون تاريخ).

١٢ـ رد المحتار على الدر المختار / العلامة محمد أمين المعروف بابن عابدين الحنفي الشامي (ت ١٢٥٢هـ) ط ٢ (مطبعة البابي الحلبي مصر ١٩٦٦م).

١٣ـ الدر المختار شرح تنوير الأبصار / للحصكفي الحنفي / ط ٢ (البابي الحلبي مصر ١٩٦٦م).

١٤ـ الدرر الحكام شرح غرر الأحكام / القاضي محمد بن فراموز الشهير بمنلا خسرو الحنفي (ت ٨٨٥هـ) ط ١ (مطبعة أحمد كامل، استانبول، بدون تاريخ).

١٥ـ غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام / لأبي الإخلاص حسن بن عمار الوفائي الشرنبلالي الحنفي (ت ١٠٦٩هـ) ط ١ (مطبعة أحمد كامل استنبول - بدون تاريخ).

١٦ـ بداية المجتهد ونهاية المقتصد / لأبي الوليد محمد أحمد بن رشد القرطبي (ت ٥٩٥هـ) ط ٢ مصورة بالأوفست (دار القلم، بيروت - ١٩٨٨م).

١٧ـ مجموعة قواعد الفقه (تحتوي على سبع رسائل) جمع وترتيب المفتي السيد محمد عميم الإحسان البركتي ط ١ (مكتبة مير محمد، كراجي ١٩٨٦م).

١٨ـ الأشباه والنظائر / لزين العابدين بن إبراهيم بن نجيم (ت ٩٧٠هـ) ط ١ مؤسسة الحلبي وشركاه - مصر ١٩٦٨م.

١٩ـــــــ مجلة الأحكام العدلية المحتوية على القوانين الشرعية والأحكام العدلية
رتبتها على شكل مواد لجنة من علماء وفقهاء الأمة حسب الحاجة في
الدولة العثمانية . ط ٢ (المطبعة العثمانية - قسطنطينية - ١٣٠٥ هـ)

٢٠ـــــــ المعجم الوسيط . مجموعة المختصين في مجمع اللغة العربية . مصر
ط ٢ دار المعارف ، مصر ١٩٧٢م

٢١ـــــــ مشايخ بلخ من الحنفية وما انفردوا به من المسائل الفقهية / الدكتور
محروس المدرس الأعظمي الحنفي
ط ١ (الدار العربية - بغداد ١٩٨٧م
سلسلة احياء التراث . وزارة الأوقاف العراقية

٢٢ـــــــ المرة والتكرار في أوامر النصوص الشرعية . / الدكتور محروس المدرس
مقال مستل من مجلة المجمع العلمي العراقي . ١٩٧٧م

ـــــــــ ٥ ـــــــــ